عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
ماضی کے جزیرے

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

اب تک پڑھے جانیوالے تمام پُراسرار سلسلوں میں

سب سے زیادہ پُراسرار سلسلہ

ماضی کے جزیرے

ایم اے راحت

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۷ - اردو بازار - کراچی

باراوّل ـــــــــــ ۱۹۸۸ء
پریس ـــــــــــ گداز پریس کراچی
قیمت ـــــــــــ روپے
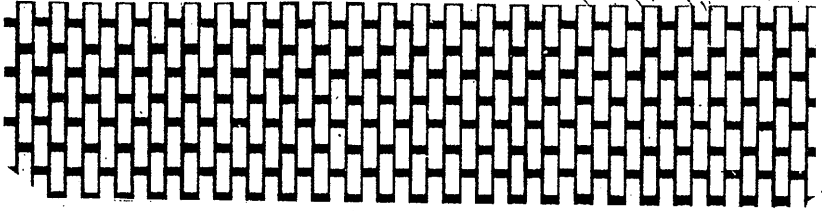
لوگ مجھے پروفیسر علی رحمان بیگ کے نام سے جانتے ہیں۔ حالانکہ پروفیسر کا لفظ ان کی اپنی اختراع ہے۔ میں نے خود کو کبھی پروفیسر کہلوا کر خوشی محسوس نہیں کی، بلکہ میں نے خود کو پروفیسر کہلوانا پسند ہی نہیں کیا۔ کیونکہ میں یہ اچھی جانتا ہوں کہ مجھے اس کا کوئی حق نہیں ہے، اور جس بات کا حق حاصل نہ ہو اسے حق سمجھ کر استعمال کرنا غلط ہے۔

میری تعلیم صرف انٹر تک ہے، یعنی علمیت کا وہ معیار جو دوسروں سے پروفیسر کہلواتا ہے، میرے اندر موجود نہیں ہے البتہ

قابلیت کے بارے میں کسی پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ان پڑھ شخص بھی قابل ہو سکتا ہے۔

میں نے انٹر تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جو کچھ کیا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ میں اسے بیان کرتے ہوئے شرمسار ہوں لیکن میں اسے آپ سے چھپانے کی کوشش نہیں کروں گا کیونکہ اپنی ذات کے اگر کچھ بُرے حصے میں آپ سے چھپا لینا چاہوں یا بُرے معنوں میں خود کو چھپانا چاہوں تو اس طرح داستان میں تشنگی رہ جائے گی جسے میں نے بے کم و کاست قلمبند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مجھے پروفیسر کہنے والے بھی ایک طرح سے بے قصور ہیں۔

کیوں — اس کے بارے میں میں خود بھی نہیں جانتا۔ حالانکہ میں نے خود کسی تاریخی مسئلہ میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں الجھا ہوا ہو۔

لیکن اس کے باوجود لوگ مجھے تاریخ کا ایک بہت بڑا پروفیسر مانتے ہیں بلکہ وہ مجھے ایک تاریخ داں کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں۔ اور شاید اسی کی مناسبت سے انہوں نے مجھے پروفیسر کہنا شروع کر دیا۔

ابتداء یوں ہوئی کہ ہمارے سامنے والی کوٹھی میں ایک بڑے ہی عالم و فاضل شخص رہتے ہیں، نام ان کا طفیل احمد ہے اور ذوق کے لحاظ سے ادب نواز ہیں اور اسی کی مناسبت سے بڑی بڑی شخصیتیں ان کے پاس آتی رہتی ہیں۔ علم و ادب کا سمندر ان کے گھر میں بہتا ہے۔ بڑی بڑی ادبی شخصیات مدعو ہوتی ہیں اور بعض اوقات مجھے بھی مدعو کر لیتے ہیں۔ میں ان کا شمار عمدہ قسم کے پڑوسیوں میں کرتا ہوں جو خدا کی رحمت ہوتے ہیں یا باعثِ رحمت۔

بہرحال رحمت ہی رحمت ہیں طفیل صاحب۔ بڑے دوست نواز اور ملنسار آدمی ہیں۔ میں بھی چونکہ زندگی کا وہ وقت گزار رہا ہوں جب انسان دنیا سے تھک چکا ہوتا ہے اور وہ کسی گوشۂ عافیت کی تلاش میں رہتا ہے اور اگر جس کسی کو یہ گوشہ نصیب ہو جائے تو وہ خوش قسمت ہوتا ہے۔

نصیب کی بات میں نے کچھ اس لئے کہی ہے کہ بعض اوقات ہمیں سڑکوں پر کچھ ایسے بوڑھے آدمی نظر آتے ہیں جو زندگی کے بوجھ کو صرف گھسیٹتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس وہ وسائل وہ سہارے نہیں ہوتے کہ وہ اپنی عمر کا آخری حصہ کسی گوشۂ عافیت میں سکون سے گزار سکیں جو اس عمر کی طلب ہوتی ہے۔

بہرحال جن لوگوں کو یہ سکون نصیب ہے، میں انہیں خوش قسمت کہتا ہوں۔ ہاں تو بہرحال بات ہو رہی تھی طفیل احمد صاحب کی۔ حسبِ معمول ایک دن طفیل صاحب کے ہاں چند ادبی شخصیات مدعو تھیں۔ طفیل صاحب نے مجھے بھی بلا لیا، حالانکہ اس وقت تک میرے اور طفیل صاحب کے درمیان ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے میرے پیشے وغیرہ کے بارے میں پوچھا ہو، اور ان کی یہی بات مجھے بہت اچھی لگی تھی، بھلا کسی کے پیشے کے بارے میں پوچھنا کیا اچھی بات ہے۔

نہیں، میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ بہرحال طفیل صاحب سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ کام سے کام رکھتے تھے، کسی بھی مسئلہ کی گہرائی میں جانے کے عادی نہیں رہتے، اور بہرصورت ایسے لوگ مخلص ہی ہوتے ہیں۔

تو جناب وہ لوگ جو وہاں پر موجود تھے وہ بڑی بڑی یونیورسٹی اور درسگاہوں سے مدعو تھے، جہاں علم دیا جاتا ہے۔ اتفاق کی بات یہ کہ ان میں تین افراد ہسٹری کے پروفیسر تھے۔ اچھے خاصے عمر رسیدہ تھے اور بہرصورت مجھے ان کے تجربے سے انکار نہیں تھا۔ تو ذکر چل نکلا ایک ایسی شخصیت کا جو تاریخ میں ایک بلند مقام رکھتی ہے، بڑی حیثیت کی حامل ہے اور خاصی الجھی ہوئی ہے تینوں پروفیسر صاحبان اس متنازعہ شخصیت پر گفتگو کرنے لگے۔

دیر تک وہ لوگ گفتگو کرتے رہے اور مجھے یہ گفتگو بے حد دلچسپ محسوس ہوئی، حالانکہ یہ ان کا موضوع تھا، لیکن گفتگو کچھ اتنی دلچسپ تھی کہ موجود تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

میں بھی دلچسپی سے ان لوگوں کے تجربات اور علم فہمی کو دیکھتا رہا، سن رہا تھا لیکن خاموش رہا۔ حالانکہ میرا جی چاہ رہا تھا کہ درمیان میں کچھ بولوں، لیکن بحث دلچسپ اتنی ہو رہی تھی کہ میں نے اس میں مداخلت مناسب نہ سمجھی اور ان لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ لیکن مجھے ان سے اختلاف بھی تھا۔

اس دلچسپ گفتگو میں میں نے کوئی دخل اندازی نہ کی اس وقت تک جب تک کہ یہ مسئلہ متنازعہ رہا۔ تینوں افراد جانتے تھے کہ یہاں پر کوئی بھی تاریخ داں موجود نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے معذرت کرتے ہوئے
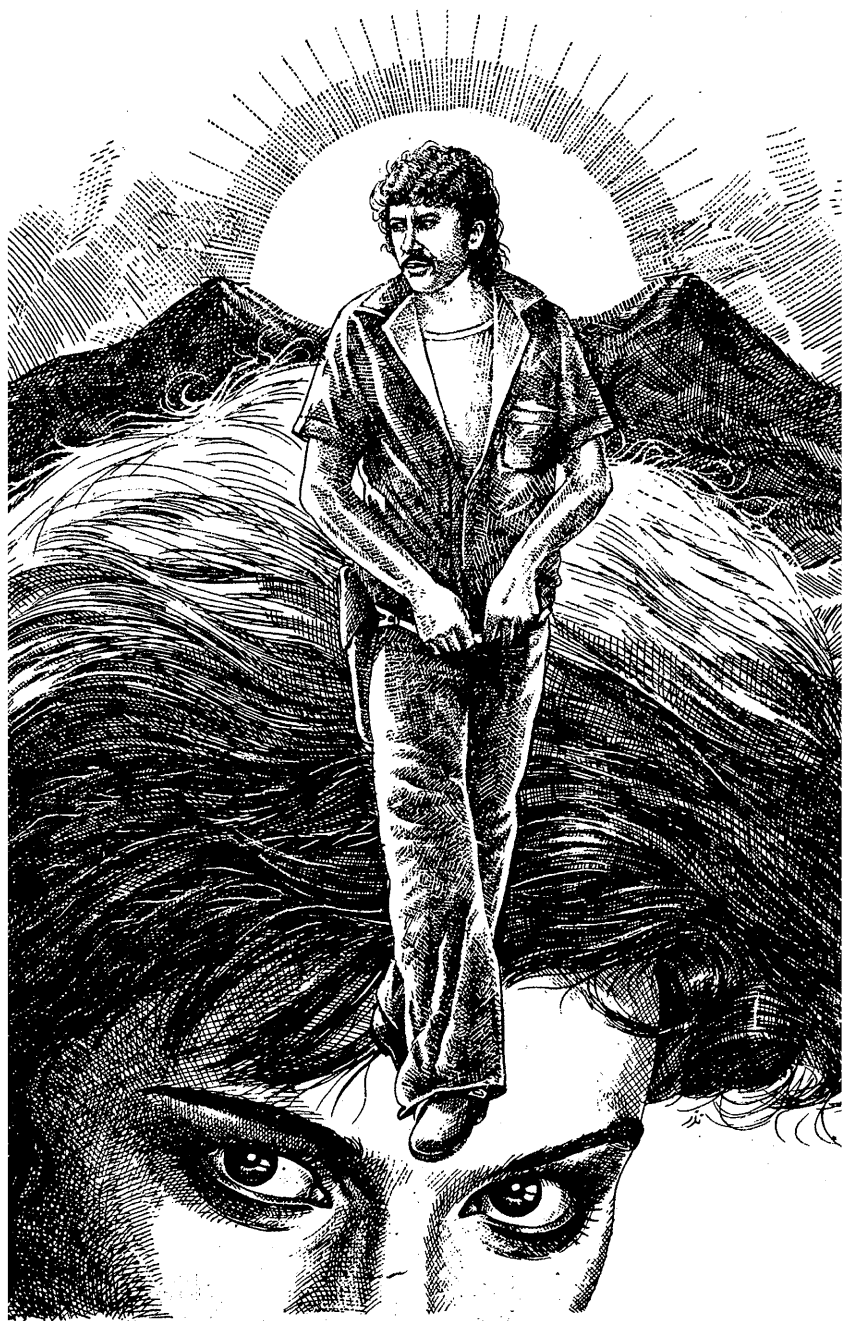
کہا کہ وہ اتفاقیہ طور پر غلط گفتگو میں الجھ گئے ہیں اور چونکہ وہ گفتگو متنازعہ ہے اور دوسرے افراد چونکہ بور ہو رہے ہیں، اس لئے وہ اس گفتگو کو ختم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اخلاقاً یا صبراً سب لوگ دلچسپی محسوس کر رہے ہیں، اس لئے سب نے یہی اصرار کیا کہ وہ اپنی بحث جاری رکھیں۔

لوگوں نے کہا کہ انہیں اس موضوع یا بحث سے دلچسپی محسوس ہو رہی ہے اور چونکہ مسئلہ پروفیسر صاحبان کی بھی دلچسپی کا تھا، اس لئے وہ مطمئن ہو کر اپنی گفتگو میں معروف ہو گئے۔

اور پھر جب مسئلہ بہت زیادہ پریشان کن ہو گیا تو میں نے پہلی بار مداخلت کی۔

• اگر ناگوار خاطر نہ ہو صاحبان تو میں بھی اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں: میں نے کہا اور تینوں پروفیسر صاحبان جو تاریخی موضوع کو اپنی حد تک گھیرے ہوئے تھے چونک پڑے اور بولے۔

• کیا مطلب؟

• جی ہاں، جس شخصیت کی آپ بات کر رہے، میں بھی اسے جانتا ہوں: میں نے کہا۔

• اوہو، بہت اچھا۔ گویا آپ کو بھی تاریخ سے دلچسپی ہے؟ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

• ہاں، تھوڑی بہت:

• بہت خوب: ان میں سے ان نے کہا، پھر وہ طفیل احمد کی طرف متوجہ ہو گیا، تب اس نے کہا۔

• بھئی طفیل احمد صاحب: آپ نے ہمیں ان محترم سے متعارف نہیں کرایا:

• ارے نہیں بھئی، جہاں تک نام کا مسئلہ ہے، میں آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں، میرے پڑوسی ہیں اور ان کا نام علی رحمان بیگ ہے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ ان کی دلچسپی کا مجھے بھی علم نہیں ہے:

طفیل احمد صاحب بے چارے اپنی صفائی پیش کرنے لگے اور میرے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی، تب وہی شخص بولا۔

• طفیل صاحب یہ اچھا ہوا کہ آپ کی بدولت ایک اور اچھا ساتھی مل گیا: اس شخص نے کہا اور پھر میری طرف مڑ کر بولا۔

• رحمان صاحب! کیا آپ باقاعدہ تاریخی علم رکھتے ہیں:

• باقاعدہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ ہاں جس شخص کے بارے میں آپ لوگ فرما رہے ہیں۔ اس کے بارے میں میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں: میں نے کہا۔

• ہاں ہاں ضرور۔

وہ تینوں میری طرف متوجہ ہو گئے اور پھر میں نے اس تاریخی شخصیت کے بارے میں تفصیل بتانا شروع کر دی۔ میں نے اس کے بچپن بلکہ پیدائش سے لے کر آخر تک کے واقعات پھر اس کا تجزیہ ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور وہ بڑے غور سے سنتے رہے۔ کئی جگہ ان لوگوں کو مجھ سے اختلاف بھی ہوا۔

لیکن اس کے بعد وہ مجھ سے متاثر ہوتے چلے گئے، آخر میں جبکہ گفتگو ختم ہوئی وہ حیرانی کی تصویر بنے ہوئے میرے سامنے موجود تھے۔ طفیل احمد صاحب بھی بے حد حیران تھے کہ آخر تاریخ کے بارے میں اس قدر معلومات مجھے کس طرح سے حاصل ہوئیں، کیونکہ جو کچھ میں نے بتایا تھا وہ کچھ اس قدر گہرائیاں لئے ہوئے تھا کہ ان لوگوں کو بہرحال اس کی حیثیت کا احساس تھا۔

تب وہ تینوں خاموش ہو گئے، حالانکہ مسئلہ طے نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے انہیں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا تھا، لیکن بعد میں فیصلہ یہی ہوا کہ وہ کتابوں سے اس متنازعہ شخص کی شخصیت کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

اس کے باوجود بھی میں نے جو کچھ بتایا تھا ان لفظوں سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے اور ان لفظوں کو ان تینوں صاحبان نے ذہن نشین کر لیا تھا، تب انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

جناب آپ کا تعلق کس شعبے سے ہے؟

• میں اس بارے میں کیا عرض کروں جناب! بس یوں سمجھ لیں کہ ایک سیاح کی زندگی گذاری ہے۔ دنیا کے تقریباً سارے ممالک دیکھے ہیں، مختلف جگہوں پر گھومتا رہا ہوں:

• آپ کا کہنا بجا، لیکن میرا مطلب یا میری مراد آپ کے پیشے سے تھی: ایک پروفیسر نے کہا۔

• اس کے بارے میں میں یہی کہوں گا کہ میں نے کوئی ایک پیشہ نہیں اپنایا: میں نے دوبارہ جواب دیا اور یہ حقیقت تھی کہ میں اس سلسلے میں کسی کو قطعی طور پر مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔

• ٹھیک ہے، لیکن تاریخ میں آپ کی دلچسپی؟ ان میں سے

ایک نے پوچھا۔

"ہاں اچھا سوال ہے، اسے آپ صرف میری تاریخ سے دلچسپی کہہ سکتے ہیں یا پھر شوق"

"تو کیا آپ نے کسی درسگاہ سے تاریخ کے مضمون کا باقاعدہ درس نہیں لیا؟"

"نہیں"

"لیکن محترم آپ نے جو کچھ بتایا ہے وہ تو بڑی حیثیت رکھتا ہے"

"جناب! میں نے کہا نا آپ سے کہ بس یہ صرف میری معلومات ہیں" میں نے جواب دیا اور وہ تینوں افراد اسے میری انکساری سمجھ کر مسکرا دیئے

"بھئی رحمان علی بیگ صاحب! ان معلومات کے نتیجے میں تو ہم آپ کو پروفیسر ہی سمجھیں گے اور میرا خیال ہے میں تو آج سے آپ کو پروفیسر رحمان علی بیگ ہی کہوں گا" طفیل احمد صاحب نے کہا۔ اور سب صاحبان ہنس پڑے اور یوں بات ہنسی میں ٹل گئی۔

پھر ایک دن یوں ہوا کہ طفیل احمد صاحب نے مجھے فون کیا۔ انہوں نے کہا۔

"رحمان علی بیگ صاحب آپ فوراً پہنچ جائیں" سلام دعا کے بعد پہلی بات انہوں نے یہی کہی۔

"خیریت صاحب" میں نے پوچھا۔

"ہاں جی بس خیریت ہی ہے، آپ آرہے ہیں یا نہیں۔ اور اگر آپ نہیں آرہے تو مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ آپ کے پاس آجاؤں"

"بڑی خوشی سے طفیل احمد صاحب، چشم ما روشن دل ما شاد" میں نے کہا اور خوشی سے انہیں اجازت دے دی۔

طفیل احمد صاحب جن دوستوں کے ساتھ میرے ہاں پہنچے، یہ وہی تینوں پروفیسر صاحبان تھے۔ میں نے بڑی خوشی خوشی ان کا استقبال کیا۔ لیکن مجھ سے زیادہ جوش اور مجھ سے زیادہ پرجوش وہ تھے۔ انہوں نے تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھا اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ اور متحیرانہ لہجے میں بولے۔

"جناب ہم آپ کی تاریخ بینی کے معترف ہو گئے ہیں"

"خیریت" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس صاحب کیا بتائیں، آپ نے جو نقطے بیان کئے تھے وہ تاریخی کتب پر انتہائی گہری نگاہ رکھنے والے شخص کے نقطے ہو سکتے ہیں لیکن بہت ہی حیرت کی بات ہے کہ بہت کم تواریخ پر ان نقطوں پر کوئی بحث یا کوئی اشارہ ملتا ہے۔ تاہم آپ نے جو کچھ کہا، اس کی تصدیق ہو چکی ہے، ہاں یہ تو بتائیے کہ آپ نے جو یہ علم حاصل کیا اس کا ذریعہ کونسی کتب تھیں"

بہرصورت مجھے ان لوگوں کو ٹالنا تھا، اس لئے میں نے ان سے معذرت کی کہ حضرات مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کتب کونسی تھیں، اس لئے کہ میرے حافظے میں ان کتب کا نام نہیں ہے اور نہ ہی مجھے یاد ہے کہ یہ باتیں میں نے کس کتاب میں دیکھی تھیں، لیکن بہرصورت تاریخ کی بہت سی شخصیتوں کے بارے میں مجھے کافی معلومات ہیں، اور اگر کبھی آپ کو ضرورت پیش آئے تو آپ اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو فرما سکتے ہیں"

میں نے کہا لیکن اس سلسلے میں مجھے احساس تھا کہ میں نے انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا ہے، لیکن بہرصورت میں کر بھی کیا سکتا تھا اور وہ لوگ بھی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ میں کوئی تاریخ دان نہیں ہوں۔

اور پھر بعد میں اکثر اس بات کے تجربات بھی ہوتے رہے۔ یوں ہوا کہ انہی میں سے ایک پروفیسر جو کسی یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے ان کے ذہن میں کوئی تاریخی مسئلہ الجھ گیا اور بہت ساری کتب انہوں نے تلاش کیں، تلاش بسیار کے باوجود وہ مسئلہ حل نہ ہو سکا تو انہیں میرا خیال آگیا۔

ٹیلیفون کے ذریعے انہوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ تب میں نے ان سے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب آپ تاریخ کی کونسی کتاب کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور وہ کردار کیا ہے جس کے لئے وہ الجھے ہوئے ہیں"

اور پھر انہوں نے جس کردار کے بارے میں بات کی اسے تو میں بڑی اچھی طرح جانتا تھا، کس طرح جانتا تھا یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔

میں چونکہ انہیں بہت اچھی طرح جانتا تھا اس لئے میں

نے ان سے کہا: ٹھیک ہے پروفیسر صاحب! آپ تشریف لے آئیں ہم مل کر اس کردار کے بارے میں تبادلہ خیال کر لیں گے۔

اور پھر جب پروفیسر صاحب میرے پاس تشریف لائے تو میں نے انہیں تاریخ کے اس کردار کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیں۔ گو میں انہیں کسی بھی کتاب کے بارے میں نہیں بتا سکوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان کتابوں کے نام یاد نہیں رہے ہیں۔ البتہ اس کردار کی جس کی میں تشریح کر رہا ہوں۔ اسے آپ کتابوں میں دیکھ لیں اور بہتر ہو گا کہ آپ اس سے مطمئن ہو جائیں۔

تو بس جناب! میں نے پروفیسر صاحب کو اس کردار کے بارے میں بتایا اور پروفیسر صاحب نے میرے ہاتھ چوم لئے اور کہنے لگے۔

• حضرت انتہائی محنت اور اچھے اچھے انداز میں میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں جو آپ نے اتنی تفصیل، وضاحت و بلاغت سے بیان کیا ہے۔ درحقیقت جتنا میں آپ کی باتوں سے مطمئن ہوا ہوں اتنا تو میں ان کتابوں سے بھی نہیں ہو سکا تھا۔ پروفیسر بار بار میری تعریف کرتے رہے۔

بہرحال جناب اس تفصیل میں جانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے، ان باتوں سے کہنے کا مطلب میرا صرف یہ تھا کہ لوگوں نے مجھے پروفیسر کس طرح کہنا شروع کیا۔ حالانکہ ابتدا ہی میں یہ کہہ چکا تھا کہ بھائی میں پروفیسر نہیں ہوں۔ میں تو بالکل اجڈ ٹائپ کا انسان ہوں۔ اور اپنی معذور سی زندگی گذار رہا ہوں۔

لیکن صاحب کہنے والوں کا منہ بند ہو سکے تو بات ہی کیا ہے لیکن ان کا منہ تو کسی طرح بند ہوتا ہی نہیں اور پھر طفیل احمد صاحب جیسے مخلص انسان ہیں۔ انہیں یہ بات بھی کافی اچھی لگتی ہے کہ لوگ مجھے پروفیسر کہتے ہیں اور ان کے حلقہ ادب و ذوق میں حلقہ احباب میں ایک اور پروفیسر کا اضافہ ہو چکا ہے۔

ہاں تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ اس وجہ سے آج تک پروفیسر کے نام ہی سے مشہور ہوں۔ اصل بات یہ نہیں تھی کہ میں پروفیسر کے نام سے مشہور ہوں بلکہ میں آپ کو وہ تفصیلات بتانا چاہتا تھا جس کی بنا پر مجھے یہ تاریخی معلومات حاصل ہوئیں اور یہ تفصیلات بلاشبہ آپ کے لئے بھی اتنی حیرت انگیز ہوں گی جتنی کہ اس وقت میرے لئے تھیں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میری تعلیمی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے یعنی میں نے صرف انٹر کیا ہے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد چونکہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے تعلیمی حیثیت بڑھتی اس لئے وہ حیثیت بھی ختم ہو چکی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے میرے پاس کوئی تجربہ بھی نہیں ہے۔ تجربے سے میری مراد مختلف قسم کے ڈپلوموں سے ہے۔

ابتدائی دور بدنصیبی کا شکار رہا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ میں جب بہت چھوٹا سا تھا تو دنیا سے وہ ہستیاں رخصت ہو گئی تھیں جو ایک ننھے وجود کی انگلی پکڑ کر اسے دنیا سے روشناس کراتے ہیں۔ چچا نے پرورش کیا، بہرصورت بہت اچھی طرح۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چچا کی خود اپنی اتنی اولاد تھی کہ میری حیثیت ان میں کچھ عجیب و غریب سی ہو کر رہ گئی تھی۔

تاہم چچی بھی اچھی تھی اور چچا بھی۔ کم از کم اس حد تک کہ انہوں نے میری پرورش میں کوئی ایسا کام نہ کیا

یعنی کوئی ایسی کوتاہی نہیں برتی جس سے میری زندگی برباد ہو جاتی بلکہ جس قدر ان کی حیثیت تھی، جس قدر ان کی مالی استطاعت نے انہیں سہارا دیا، انہوں نے مجھے اتنی ہی تعلیم دلائی جتنی کہ اپنے بچوں کو، اور یہ بات باعث تسکین ہے اس امر کی کہ میرے چچا اور چچی بہرصورت اچھے انسان ہیں۔

اور پھر جب ان کے بچے ملازمتوں کے لئے باہر نکلے تو مجھ سے بھی چچا نے یہی کہا: علی رحمان اب تم بھی باہر نکلو اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔

ظاہر ہے میں نے اپنے چچا کی بات تو ماننی ہی تھی۔ لیکن عجیب سی بات تھی، یوں لگتا تھا جیسے میرے پیر ہی نہ ہوں۔ ہر جگہ کوشش کی لیکن بدقسمتی نے ہر جگہ میرا تعاقب کیا۔

میرے دوسرے بھائیوں کو ملازمتیں مل گئیں لیکن شاید ملازمت میری قسمت میں نہیں تھی۔ میں اپنے چچا چچی سے شرمندہ بھی تھا اور متوقع تھا اس بات کا کہ مجھے ناکارہ قرار دیا جائے۔

میرے خیال میں پریشان حال لوگ زیادہ تکلف نہیں کرتے اور صورتحال بیان کر دیا کرتے ہیں آسانی سے، چنانچہ مجھ پر بھی اس بات کو آشکارا کر دیا گیا کہ میری شخصیت ان لوگوں کو ناگوار گذرنے لگی ہے اور اب وہ میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ چنانچہ میرے چچا، چچی نے مجھ سے یہی کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں اپنا بوجھ خود اٹھانے کی کوشش کروں، دوسرے معنوں میں مجھے اس طرح سے کہہ دیا گیا تھا کہ میں اپنا انتظام کروں۔

حالات چونکہ میری نگاہ میں تھے اس لئے میں نے اپنے
چچا چچی کو قطعی قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ لیکن یہ تو کاتبِ تقدیر کا میرے
ساتھ مذاق تھا۔ میں تو خود بھی اس سلسلے میں قصوروار نہیں تھا۔

ہر صورت میں نے ہر ممکن ذریعے سے کوشش کی کہ ملازمت
مل جائے لیکن جناب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ملازمت تو جیسے
اس طرح روٹھی ہوئی تھی جیسے اسے مجھ سے کوئی خدا واسطے کا بیر ہو۔

چنانچہ بے روزگاری اور ذہنی کوفت جن راستوں کی طرف
لے جاتی ہے، میں بھی اسی طرف چل پڑا، نیک کام نہیں مل رہا تھا۔
حلال کی کمائی قسمت سے دور نظر آ رہی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا
کہ اب جس طرح بھی بن پڑے زندگی گذارنا تو بے حد ضروری ہے اور
گذارنی ہی ہے، کس طرح گذاری جائے اس کا فیصلہ وقت ہی
کرے گا۔

سو میں نے خود کو چھوڑ دیا حالات کے دھارے پر۔ میں نے
وقت کے ساتھ بہنا شروع کر دیا۔ اور جناب بعض اوقات وقت کے
فیصلے بڑے ستم ظریف ہوتے ہیں۔ اچھے خاصے انسان کو پستیوں
میں دھکیل دیتے ہیں اور پستیوں کی ان گہرائیوں میں جن کی گندگی
دلدل میں سے وہ اٹھ بھی نہیں سکتا، دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

مجھے بھی کچھ ایسے لوگ مل گئے جو برے راستوں کے راہی
تھے اور انہوں نے مجھے پیش کش کی کہ ان کے ساتھ میں وہی سب
کچھ کروں جو وہ کرتے ہیں۔ میں راضی ہو گیا۔

برے اور اچھے شخص کی، برے اور اچھے ماحول کی تمیز اس
وقت ہوتی ہے جب انسان پوری طرح مطمئن ہوتا ہے، جن کے
دنیا میں آسرے ہوتے ہیں لیکن میرے جیسا پریشان حال برے اور
اچھے کی تمیز کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے تو صرف کسی راستے
کو تلاش کرنا تھا سو ان کا ساتھ کیا پڑا تھا۔

اور ان راستوں پر چل پڑا جو بہر صورت بدی کے راستے
کہلاتے ہیں۔ اسمگلنگ شرعی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے جو بھی حیثیت
رکھتی ہو، لیکن سماجی طور پر وہ بہرحال ایک قومی جرم ہے، میں اس
قوم کا مجرم تھا۔ چنانچہ یہ بات اکثر میرے ذہن میں آئی کہ جو کچھ بھی
کر رہا ہوں، لاشعور اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن بہر صورت میں
مجبور تھا۔

ہم کبھی سمندری جہاز سے، کبھی ہوائی جہاز سے، کبھی ٹرین
کے ذریعے اور مختلف طریقوں سے مال ادھر سے ادھر لے جاتے اور
لے آتے تھے اور مجھے اس کا معقول معاوضہ ملنے لگا تھا۔ اتنا معقول
معاوضہ کہ میں اپنے محبت کرنے والے چچا چچی کے حالات بھی بدلنے میں
کامیاب ہو گیا تھا۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد میں ان لوگوں
کو بھی بہت کچھ دیتا تھا اور غالباً یہ ان لوگوں سے میری عقیدت کا
اظہار تھا، بہر صورت وہ بہت اچھے لوگ تھے اور انہوں نے مجھ
لاوارث کی پرورش بھی کی تھی۔

تو بات چل رہی تھی اسمگلنگ کی، ہمارا کاروبار دنیا کے مختلف
ممالک میں پھیلا ہوا تھا۔ میں اس سلسلے میں کسی ملک کا نام نہیں لوں
گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت معاشرے میں میرا ایک مقام ہے اور
مجھے دنیا کے ساتھ DEAL کرنا ہے، اس لئے یہ داستان ایک
دلچسپ داستان ہی رہے تو بہتر ہے۔

اگر اس داستان کے [illegible] کوائف سنانا شروع کر دوں تو
یہ میرے حق میں غلط ثابت ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ میری یہ کہانی بعض لوگوں کو پسند نہ آئے بلکہ ممکن ہے کہ بعض لوگ
مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کریں۔ چنانچہ میں صرف اتنا کہوں
گا کہ یہ ملک یورپی ممالک میں سے ایک تھا

یورپ کا ایک ملک، جہاں میں بذریعہ ہوائی جہاز پہنچا تھا
اور کامیابی سے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا اور کافی حد تک اپنا کام
انجام دے چکا تھا۔

لیکن یہ صرف اتفاق کی بات تھی کہ میرے ساتھ جو لوگ
آئے تھے ان میں سے ایک شخص کچھ ایسے لوگوں سے ٹکرا گیا جو قانون
کے محافظ ہوتے ہیں۔

شراب ام الخبائث ہر طرح سے خانہ خراب ثابت ہوتی
ہے۔ نشے میں اس شخص نے اپنی اصلیت کھول دی اور بتا دیا کہ وہ
ایک بہت بڑے اسمگلر گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور اسی سلسلے میں
یہاں آیا ہے۔

قانون کے وہ محافظ میرے دوست کی طرح کم ظرف نہیں
تھے، میرا مطلب ہے کہ وہ شراب پی کر بہکے نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے
کام کی بات نوٹ کی اور اسے وہیں گرفتار کر لیا۔

کیسی دوستی اور کہاں کی دوستی۔ شرابی بھی کبھی آپس میں دوست
ہوئے ہیں، انہوں نے ہر قسم کی دوستی سے بے نیاز ہو کر اسے ٹکٹکی

پرکس دیا اور پھر حجرے کے ہنٹروں نے میرے ساتھی کا بھی دماغ درست کر دیا۔ دماغ درست ہوا تو اس نے اپنے ساتھ آنے والے ساتھیوں کا پتہ بھی بتا دیا۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔

ہم جیسے لوگ میرا مطلب ہے جرائم کے عادی اپنی حفاظت کے سلسلے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ ہماری حسیات یوں بھی تیز ہوتی ہیں، ہم اپنے شکاریوں کو دور ہی سے پہچان لیتے ہیں۔ اس وقت میں ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں بیٹھا ہوا تھا جب میں نے کچھ باوردی پولیس افسروں کو ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

شکر تھا کہ وہ انتہائی تیزی سے اوپر کے کمروں کی جانب چلے گئے۔ یقیناً اس قسم کے ریڈ صرف اس لئے کئے جاتے ہیں کہ کسی خاص مجرم کو پکڑنا ہو۔ میں نے سوچا ممکن ہے وہ مجرم میں نہ ہوں لیکن پھر بھی احتیاطی تدابیر ضروری ہیں، چنانچہ میں نے فوری تدابیر کے طور پر ڈائننگ ہال چھوڑ دیا اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

ہوٹل سے باہر نکل کر میں نے ایک ایسی محفوظ جگہ پناہ لی جہاں سے میں ہوٹل پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔ اور زیادہ وقت نہ گذرا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ پولیس صرف میری تلاش میں آئی تھی۔

غالباً میرے بارے میں معلومات حاصل کی گئی تھیں۔ ہوٹل کے منتظمین نے یہی بتایا کہ میں چند منٹ پہلے ہال میں موجود تھا۔ اور پولیس باہر پھیل گئی اور یہ میری بدقسمتی ہی تھی کہ مجھے دیکھ لیا گیا۔

صورت حال کچھ اس قدر بگڑ گئی تھی جس کی مجھے امید بھی نہیں تھی اور ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ بہر صورت جب بڑے کام کر کے پکڑے جانے کا وقت آتا ہے تو کوئی غلط تو نہیں ہوتا۔ ہاں اپنی حفاظت ہر شخص کرتا ہے سو میں نے وہاں سے فرار کا فیصلہ کیا اور اتفاق کی ہی بات تھی کہ مجھے ٹیکسی مل گئی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو پستول دکھا کر میں نے اسے اپنی مرضی سے چلنے کا حکم دیا اور پولیس بھی میرے تعاقب میں چل پڑی۔ اس شہر سے میں واقف نہیں تھا، کوئی معلومات بھی نہیں تھیں کہ چھپنے کی جگہ کونسی ہو سکتی ہے، بس زندگی بچا رہا تھا اس تصور کے ساتھ کہ جہاں بھی کوئی جگہ نظر آئے گی پناہ لے لوں گا۔ پولیس کی گاڑیاں میرے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔

بہت لمبا فاصلہ طے کر لیا گیا اور پھر ایک موڑ پر بالکل اتفاقیہ طور پر ڈرائیور نے بلکہ کہنا چاہیئے کہ بدحواس ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی کو آہستہ کر کے موڑا اور میرے ذہن میں فوراً ہی ایک خیال آ گیا۔

میں نے آہستہ سے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس قسم کے ماحول کا میں خاصا ماہر ہو گیا تھا۔ آگے کہیں جا کر اگر ٹیکسی کا دروازہ بجا ہو اور ٹیکسی ڈرائیور کو یہ اندازہ ہوا ہو کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی سواری جس نے اس کی گردن پر پستول رکھ کر چلنے کو کہا تھا کار سے غائب ہے تو کم از کم اس نے خدا کا شکر ضرور ادا کیا ہو گا۔

لیکن یہ صورت حال میرے لئے تھوڑی سی فائدہ مند ثابت ہوئی تھی۔ میں نے سڑک کے کنارے پر چھلانگ لگائی تھی اور پولیس کی دو گاڑیاں میرے سامنے برق رفتاری سے گذر گئی تھیں۔ میں نے ہو کر گہری سانس لی۔ میرا خیال تھا پولیس ٹیکسی کے تعاقب میں چلتی رہے گی اور مجھے یہاں سے بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔

لیکن میری بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس سنسان راستے پر میرے علاوہ کوئی نہیں تھا اور جو سواریاں آگے تھیں وہ بھی چند ایک ہی تھیں اور پیچھے کی سڑک بالکل سنسان تھی۔ پولیس کی دو گاڑیاں آگے نکل چکی تھیں، ان کے علاوہ جب میں آگے بڑھا تو پولیس کی ایک اور گاڑی تھی جو پولیس کار تھی جسے میں نے دیکھا ہی نہ تھا۔

بہرحال اس پولیس کار میں بیٹھے ہوئے افراد نے مجھے پہچان لیا اور دوسرے لمحے پھر مجھے فرار ہونا پڑا۔ اب صورت حال کافی بگڑ چکی تھی، سڑک کے بائیں سمت رہائشی مکانات بنے ہوئے تھے اور اس طرف جانے کے بعد میں پولیس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو سکتا تھا لیکن اس میں ایک قباحت تھی۔ دائیں سمت جانے کے لئے مجھے سڑک کراس کرنا پڑتی اور اس دوران پولیس کار میرے سر پر پہنچ سکتی تھی۔

میں سڑک کے دائیں سمت تھا۔ اس طرف صرف ایک عمارت نظر آ رہی تھی۔ ایک طویل و عریض اور عظیم الشان عمارت۔ بہر صورت چھپنا مقصود تھا۔ عمارت کچھ بھی ہوتی۔

میں انتہائی برق رفتاری سے اس عمارت کی طرف دوڑا۔ پولیس والوں کو شبہ ہو گیا تھا، اس لئے وہ رک گئے، لیکن میں اس اثنا میں اس عمارت تک پہنچ چکا تھا۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ عمارت کا مین گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اور اس وقت وہاں کوئی چوکیدار بھی موجود نہیں تھا۔ میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔

اندر خاصی تیز روشنی تھی۔ یہاں آتے ہی ایک بار پھر مجھے سنبھلنا پڑا۔ چونکہ عمارت کے ایک حصے میں مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی

تھی۔ ایک لمحہ کے لئے میں نے سوچا اور پھر سامنے ہی جو سیڑھیاں نظر آئیں۔ ان کو عبور کرتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔

سیڑھیاں مجھے عمارت کی پہلی منزل پہ لے گئی تھیں۔ یہاں ایک راہداری بھی بنی ہوئی تھی اور یہ راہداری عمارت کی پچھلی سمت ختم ہو گئی تھی۔ میں نے اس راہداری کو عبور کیا جس کا خاتمہ کسی کمرے میں تھا اور پھر میں اندر داخل ہو گیا۔ بہرحال چھپنا تو تھا ہی اور اس کے لئے رسک بھی لینا پڑ رہا تھا۔ بہرصورت اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں کسی بھی طور پولیس کے قبضے میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

اندر داخل ہوا تو ایک عجیب سی بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی لیکن قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہاں بھی کوئی وجود تھا جو کسی طرف سے نکل کر آ رہا تھا۔

میں نے بڑی مشکل سے ایک شوکیس کے پیچھے چھپ کر پناہ لی۔ ابھی تک میں یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ اس عمارت میں کیا ہے۔ یہ کونسی جگہ ہے، رہائشی عمارت ہے یا غیر رہائشی۔

بہرحال میں نے شوکیس کے پیچھے سے آنے والے شخص کو دیکھا اور میری روح فنا ہو گئی۔ یہ ایک قوی ہیکل اور قد آور آدمی تھا اس کے بدن پر خاکی رنگ کی وردی تھی۔ دونوں ہولسٹروں میں لٹکے ہوئے پستول اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ کوئی پہریدار یا محافظ ہے۔

اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک بڑا گچھا لٹکا ہوا تھا اور وہ بھاری قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی جانب آ رہا تھا۔ میں نے سانس تک روک لی۔

اس نے بتیاں بجھائیں اور پھر دروازے سے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ میں نے گہرے گہرے سانس لئے تھے۔ کم از کم اس طرح میں پولیس سے تو محفوظ ہو گیا۔ لیکن یہ قید خانہ — اونہہ! میں نے اپنے ذہن کو جھٹکا، اس کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا جو کچھ بھی ہے، فی الحال ذرا سکون کی سانس لی جائے۔ آخر اتنی بھاگ دوڑ کی تھی، لیکن کافی تھکن محسوس ہو رہی تھی، سانس بھی پھولا ہوا تھا اس لئے میں نے بہتر یہی سمجھا کہ آرام کروں اور میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ شوکیس کے پیچھے ہی رہوں گا۔ ویسے میں اس بات کا اندازہ کر چکا تھا کہ یہاں اور کوئی موجود نہیں ہے ورنہ یہ دروازہ بند نہ کیا جاتا۔

لیکن آخر یہ جگہ کیا ہے؟ میں نے سوچا۔ ویسے ایسی عمارتیں رہائشی نہیں ہوتیں۔ اس کی بناوٹ سے ہی احساس ہوتا تھا۔ اور یہ شوکیس — اس میں کیا ہے؟

لیکن برا ہو تاریکی کا۔ کوئی چیز نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ آہ کیا کروں؟ میں نے پریشانی سے گردن جھٹکی۔ یوں تو میری زندگی میں بیشمار پریشانیاں آئی تھیں لیکن یہ کوئی انوکھی قید۔ اور مجھے اپنے ایک دوست کی باتیں یاد آنے لگیں، میرا ہم پیشہ نوجوان دوست جو بہت سے معاملات میں میری مانند تھا۔

- علی رحمان: ایک دن اس نے مجھے مخاطب کیا۔
- کیا بات ہے میرے دوست؟
- کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہاری زندگی کا محور کیا ہے؟
- میں نہیں سمجھا:
- میرے دوست! کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ انسان روتا ہوا اس دنیا میں کیوں آتا ہے؟
- کیا مطلب؟
- شاید اس وقت وہ زیادہ ذہین ہوتا ہے، شاید وہ اس دنیا کے بارے میں بہتر طور پر جانتا ہے، یہ دنیا تکالیف کا گھر ہے اور یہاں زندگی کے لئے کوئی سکون نہیں ہے؟
- مجھے احساس ہے؟
- نہیں میرے دوست! تمہیں ابھی زیادہ احساس نہیں ہے۔ بعض اوقات، ہم حالات کے شکنجے میں اس طرح پھنستے ہیں کہ پھر کچھ ہمارے بس میں نہیں رہتا:
- مثلاً — تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟
- بس یہی کہہ رہا تھا کہ اس رشتے ہوئے بچے کو ہم سے زیادہ معلومات ہوتی ہیں اور وہ اس دنیا میں آ کر گھبراتا ہے، اسی لئے روتا ہے کہ یہ دنیا اس کے قابل نہیں ہوتی:
- اوہ تم جذباتی ہو رہے ہو دوست:
- نہیں، حقیقت کہہ رہا ہوں:
- شاید: میں نے لاپرواہی سے کہا۔ اس وقت میں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن آج — آج نہ جانے کیوں اس شوکیس کے پیچھے بیٹھ کر مجھے اس کی یاد آ رہی تھی۔

بڑی عجیب کشمکش کا شکار ہو گیا تھا میں۔ محافظ کے اس طرح دروازہ بند کر دینے سے کم از کم پولیس سے تو بچ گیا تھا۔ لیکن

کسی اور مصیبت میں نہ گرفتار ہو جاؤں۔

بہر حال یہ تو بعد کی باتیں تھیں۔ فی الحال تو میں محفوظ ہو گیا تھا، اور میں نے شوکیس کے پیچھے بیٹھے بیٹھے گہری سانس لی۔ اس بار پوزیشن بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس سے قبل حالات اتنے خوفناک کبھی نہیں ہوئے تھے۔ بار بار مشکلات میں پھنسا تھا کیونکہ میرے جیسے انسان زندگی سے اس طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتے جس طرح دوسرے خوش نصیب۔ مجھے پورا پورا احساس تھا کہ میں معاشرے کا ناپسندیدہ شخص ہوں اور ایک طرح سے لوگوں پر بوجھ۔

لیکن قصور میرا تو نہیں تھا۔ اس معاشرے نے میرے لئے یہی راہ منتخب کی تھی، میں کیا کرتا۔ ہاں زندگی کے اس دور میں ہمیشہ اس احساس کا شکار رہا کہ میں اچھا انسان نہیں ہوں۔ خیر — تو میں بتا رہا تھا کہ میں شوکیس کے پیچھے چھپا ہوا دروازے کی آہٹیں سن رہا تھا ہال میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ جب یہاں روشنی تھی میں نے صرف ایک سرسری نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ عمارت کیسی ہے اور یہ ہال۔ اس میں کیا ہے۔ اس وقت تو فرصت ہی نہیں تھی یہ سب کچھ دیکھنے کی، لیکن اب — جب مجھے اس شوکیس کے پیچھے کافی دیر گذر چکی تھی اور باہر بدستور سناٹا تھا یہ خیال میرے ذہن میں ابھرا۔

یہ کیسی جگہ ہے، ہال میں کیا ہے ؟

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ محافظ روشنی بند کر کے چلا گیا تھا اور بہر حال احتیاط کا تقاضا تھا کہ روشنی دوبارہ نہ کی جائے ورنہ محافظوں کو شبہ بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن مسلح محافظ، میں نے اسے بغور دیکھا تھا، ایک چاق و چوبند انسان تھا۔ یقیناً یہاں ایسی کوئی چیز ضرور ہو گی جس کی حفاظت کا بندوبست اس طرح کیا گیا ہے، اور میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے، یہ احساس ذہن کے کسی گوشے میں نہیں تھا کہ اگر یہاں کوئی قیمتی شے موجود ہو تو اسے چرانے کی کوشش کروں۔

بُرا انسان ضرور تھا، لیکن زیادہ بُرائیاں اپنانے کا شوقین نہیں تھا، جو کام کر لیا تھا وہی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ پھر ایک اور برائی کو اپنانے کی کوشش کیوں کی جائے۔

شوکیس کے پیچھے بیٹھے بیٹھے تقریباً پون گھنٹہ گذر گیا۔ ایک انداز سے بیٹھے بیٹھے ٹانگیں بھی اکڑ گئی تھیں۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ پولیس اگر اس عمارت میں آئی بھی ہو گی تو محافظوں نے کہہ دیا ہو گا کہ کس کی مجال ہے کہ ان کی موجودگی میں یہاں گھس آئے۔ اس وقت تو بات ٹل گئی تھی لیکن کل — کل کیا ہو گا۔

تب میرے اندر سے ایک آواز ابھری۔

• تو کل کے لئے فکر مند ہے ؟

• ہاں۔ نہ جانے یہ کیسی عمارت ہے ؟ میں بڑبڑایا۔

• یاد رکھ، کل ہمیشہ نئے راستے، نئے زاویے لے کر آتی ہے، آج اگر کچھ ہو گیا ہے تو کل اپنا تعین خود کر لے گی۔ جب تو زندگی کے لئے کسی راستے کا تعین نہیں کر سکتا تو کل کے لئے پریشان کیوں ہے۔ کل وہی ہو گا جو کل چاہے گی۔ کیا آج تیرے بس میں تھا۔ مگر تو جانتا کہ آج تیرے ساتھ یہ سب کچھ ہونے والا ہے تو کیا تو آج خود کو محفوظ نہیں کر سکتا تھا۔ جب آج تو اپنے وجود کو پیش آنے والے حالات سے نہیں بچا سکا تو کل کے لئے فکر مند ہونا حماقت ہے۔ کل کا خیال ذہن سے نکال دے اور آج کی دلچسپی میں گم ہو جا۔

اور اس آواز نے مجھے بڑی ڈھارس دی تھی اور اب مجھے اس خوف کا احساس نہیں تھا جو تھوڑی دیر قبل میرے ذہن میں ابھر رہا تھا۔ میں کافی حد تک ماحول سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

لیکن اب شوکیس کے پیچھے سے نکل آنا بہتر ہے۔ اگر رات میں نے اس حال میں گذاری اور یہاں کے ماحول سے بے خبر رہا تو پوری رات بے کل رہوں گا۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیئے۔

تب میرے ذہن میں کچھ خانے روشن ہو گئے۔ جتنی دیر گذر چکی ہے، اس سے کم از کم یہ اندازہ تو لگایا جا سکتا تھا کہ پولیس جا چکی ہے۔ اس لئے پولیس کی طرف سے تو اب فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ بتی اگر روشن کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے دو کام بن سکتے ہیں۔ اگر محافظ روشنی سے اس طرف متوجہ نہیں ہوتا تو ہال کو اندر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بالفرض محال اگر محافظ روشنی دیکھ کر یہاں آتا ہے تو لازمی امر ہے کہ دروازہ کھولے گا، اور جب وہ دروازہ کھولے گا تو عام سی بات ہے کہ اسی دروازے سے باہر نکلا جا سکتا ہے بلکہ اسی طرح محافظ کو اس ہال میں بند بھی کیا جا سکتا ہے جس طرح اس نے مجھے کر دیا تھا۔

ہاں اس کے لئے صرف اتنی کوشش کرنا پڑے گی کہ واپس اسی

شوکیس کے پیچھے آجایا جائے اور جونہی محافظ اندر داخل ہو۔ خاموشی
سے دروازے کا راستہ لیا جائے۔

عمدہ ترکیب ہے۔ میں نے خود کو سراہا اور دروازے کے
قریب آگیا۔ سوئچ بورڈ حسب معمول یہاں موجود تھا۔ چنانچہ میں نے
ایک بٹن دبا دیا۔ روشنی نہ ہوئی بلکہ کوئی پنکھا چل پڑا۔ اس کی ہلکی سی
آواز گونجنے لگی تھی۔ پھر میں نے دوسرے بٹن ٹرائی کیے۔ اتفاق سے
پنکھوں کے بٹن ہی دبے تھے۔ لیکن پھر ہال کے آخری حصے کے
شوکیس میں دو بتیاں روشن ہوگئیں۔

بڑی مدھم روشنی تھی لیکن بہرحال کام چل سکتا تھا۔ میں
نے پنکھے بند کر دیئے، مبادا ان کی آواز باہر نہ سن لی جائے اور
پھر میں ان شوکیسوں کے نزدیک پہنچ گیا، جن میں بلب جلے تھے۔

اور کیسوں کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ ان میں سونے
چاندی کے سکے رکھے ہوئے تھے۔ شوکیس پر کارڈ لگے ہوئے تھے،
جن پر ان سکوں کی تاریخ درج تھی۔

• اوہ۔ تو یہ کوئی میوزم ہے، نوادرات کا میوزم۔ خوب۔
عمدہ عمارت ہے، لیکن خطرناک۔ ظاہر ہے یہاں قیمتی اشیا موجود تھیں
اور ان اشیاء کی حفاظت کا بھرپور بندوبست ہوگا، مکمل بندوبست
اب اس شوکیس میں ہی جتنے سکے موجود تھے وہ کافی مالیت کے تھے۔
اگر کسی شوکیس کو ہاتھ لگایا جائے تو ممکن ہے کہیں الارم بج اٹھے، اس
کے بعد تو مشکل پیش آجائے گی۔ لیکن شوکیس کو ہاتھ ہی کیوں لگایا
جائے۔؟

یہ سکے بہرحال میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔
یہاں اور بھی قیمتی چیزیں ہوں گی۔ لیکن میں اسمگلر ہوں ڈاکو نہیں۔
مجھے وہی کام کرنا چاہئے جو کرتا ہوں۔

میں ایک بار پھر سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔ بیشمار بٹن تھے
ظاہر ہے شوکیس بھی بے شمار تھے۔ میں نے درمیان کی ایک قطار
کے چند بٹن ایک ساتھ دبا دیئے اور ہال میں روشنی پھیل گئی۔ میں اچھل
پڑا تھا۔ میری نگاہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ تب مجھے ایک اور احساس
ہوا۔ ہال کے صرف دو دروازے تھے، پورے ہال میں کوئی کھڑکی نہیں
تھی۔ البتہ اس کی بلندی پر گندی ہوا خارج کرنے والے کئی پنکھے
لگے ہوئے تھے۔ دونوں دروازوں کے رخنوں پر موٹی ربڑ چڑھی ہوئی
تھی جس سے بہرحال ساؤنڈ پروف بن گیا تھا اور اس کے علاوہ یہاں
سے روشنی بھی باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ محافظ یا محافظوں کو ہال میں میری موجودگی
کا پتہ نہیں چل سکے گا اور اس احساس سے میں کافی مطمئن ہو گیا تھا
بہرحال عجب رات یہاں گذارنی ہے تو اس ہال کی سیر کیوں نہ کی جائے۔

یوں بھی مجھے نوادرات دیکھنے کا شوق تھا۔ اپنے کام سے
فرصت نہیں ملتی تھی اور اس شوق پر بھی کچھ وقت صرف کرتا۔ لیکن آج
سے زیادہ فرصت کب مل سکتی تھی۔ صرف ایک ہی حصہ سہی لیکن نوادرات
کو دیکھنے میں بہترین وقت کٹ سکتا تھا۔ میں پورے ہال کی سیر کرتا رہا۔ بیحد
قیمتی اشیاء تھیں یہاں اور مجھے ان کی تاریخ پڑھ کر ایک عجیب سی فرحت
محسوس ہو رہی تھی۔

شوکیس میں سجی چیزوں کو دیکھتا ہوا میں ہال کے آخری کونے
پر پہنچ گیا لیکن یہاں ایک تاریک خلا دیکھ کر میں چونک پڑا تھا۔ یہ کوئی
دروازہ ہی تھا لیکن عجیب ساخت کا، اوپر سے چوڑا سا۔

اگر یہ کوئی عام راستہ ہے تو اتنا چھوٹا کیوں ہے لیکن یہ عام
راستہ نہیں ہوسکتا۔ اس ہال کے اس سرے پر ایسے کسی راستے کا کوئی
جواز نہیں تھا۔ ممکن ہے یہ کوئی خفیہ راستہ ہو، اور صرف محافظوں کے
استعمال کے لئے ہو۔ تجربہ کرنے کے لئے میں سوئچ بورڈ پر پہنچ گیا، اور
پھر ایک ایک بٹن آف کر کے دیکھنے لگا، جن بٹنوں سے بتیاں بجھی تھیں
انہیں بجھا کر دیکھا۔

اور پھر چور بٹن میرے ہاتھ آگیا۔ اس بٹن کے آن کرنے سے
کوئی بتی نہ بجھی تھی۔ چنانچہ میں اسے ذہن نشین کرنے کے بعد واپس
اسی کونے میں پہنچ گیا جہاں میں نے دروازہ دیکھا تھا اور پھر میرے
ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، دروازہ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ یقیناً
محافظوں کا خفیہ راستہ۔ لیکن یہاں کیا ہے؟ میں نے سوچا تجسس بڑھ
گیا تھا۔ میں نے واپس آکر پھر وہی بٹن دبایا اور دروازہ پھر نمودار ہو
گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کچھ دوسرے بٹن بھی دبائے تھے۔

پھر میں دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دروازے کی چند
سیڑھیاں نیچے گئی تھیں، لیکن میں نے انہیں طے کر لیا اور پھر میں
سیڑھیوں کے پاس ویسے ہی بٹن تلاش کرنے لگا۔ اگر محافظوں کے لئے
ادھر سے آنے کا راستہ ہے تو پھر یہاں روشنی بھی ہوگی۔

اور میرا یہ اندازہ بھی درست نکلا۔ ایک دم روشنی پھیل گئی
تھی اور یہ روشنی کافی تیز تھی۔ اس روشنی میں میں نے جو کچھ دیکھا وہ

خاصا تاثر انگیز تھا۔ یہ ہال اوپر والے ہال سے بھی بڑا تھا اور اس ہال میں شیشے کے بے شمار تابوت، انسانی ڈھانچے اور مومی مجسمے رکھے ہوئے تھے۔

بلاشبہ انہیں نادر و نایاب نوادرات میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ میں انہیں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ویسے یہاں کا ماحول بے حد خوفناک سا نظر آ رہا تھا اور مضبوط سے مضبوط دل والا بھی اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں ساکت و جامد اس ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ نہ جانے یہ میوزیم عام لوگوں کے لئے ہے یا نہیں، میں نے سوچا۔ یہاں ایک عجیب سی بو اٹھ رہی تھی جو ناگوار تو نہیں تھی لیکن عجیب محسوس ہوتی تھی۔ ممکن ہے وہ مسالے ہوں جو ان چیزوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں نے اس ماحول سے سمجھوتہ کر لیا تو پھر میں نڈر ہو گیا۔ اب میرے دل میں خواہش بیدار ہوئی کہ ان چیزوں کو قریب سے دیکھوں۔ یہ انسانی ڈھانچے نہ جانے کونسی تہذیب کی کہانی سناتے ہیں۔ ذرا انہیں قریب سے تو دیکھوں میں نے سوچا۔ ابتداء کہیں سے بھی کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ میں ایک ڈھانچے کی طرف بڑھا، اور اسی وقت دور کہیں کسی گھڑیال نے بارہ بجائے۔ آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں اس آواز کو سن کر چونک پڑا تھا اور ٹھٹھک گیا تھا۔ بہرحال بارہ کا آخری گھنٹہ خاموش ہوا تو اچانک ہال کی روشنیاں خود بخود گل ہو گئیں۔ اس بار میرے حلق سے خوف کی ایک آواز نکل گئی تھی۔ روشنیوں کا گل ہو جانا تعجب خیز تھا۔

اس کے دو ہی مقصد ہو سکتے تھے، یا تو محافظ کو میرے داخلے کا علم ہو گیا ہے یا — یا پھر — میں ذہن دوڑانے لگا۔ ایک اور صورت ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے بارہ بجے کے بعد اس عمارت کا مین سوئچ آف کر دیا جاتا ہو، اور اس طرح محافظ کی چھٹی ہو جاتی ہو گی۔ یا پھر اگر میرے بارے میں کسی کو معلوم ہو گیا ہو گا تو سامنے آ جائے گا۔

میں ایک آڑ میں ہو گیا اور انتظار کرنے لگا لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے اپنی دوسری بات ہی کو درست قرار دیا۔ مین سوئچ آف کرنے سے روشنی گل ہوئی ہے، گویا اب تاریکی میں سبز ......

میری سوچ اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اچانک ہال میں سرگوشیاں گونج اٹھی تھیں۔

عجیب سی سرگوشیاں، جیسے بہت سے لوگ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں۔ ایسی باتیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر یہ آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئیں۔ لیکن قدموں کی کوئی چاپ نہیں تھی۔ کیا محافظ مجھے تلاش کرتے ہوئے آ گئے۔ ممکن ہے ان کے ساتھ پولیس بھی ہو اور اب وہ میری گرفتاری کے منصوبے بنا رہے ہوں۔

لیکن قدموں کی آواز — قدموں کی آواز کیوں نہیں سنائی دے رہی تھی۔

اور پھر اچانک ہال میں ایک سبز سی روشنی پھوٹنے لگی۔ تیز — اور تیز — اور تیز — سبز روشنی پھیلتی جا رہی تھی اور ہال روشن ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس روشنی کا منبع نہ جانے کہاں تھا۔ کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

• صبح بخیر دوستو" ایک آواز ابھری۔

• صبح بخیر" دوسری آواز ... اور پھر مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور تیز ہو گئی۔ لیکن اب کچھ جملے اور سننے میں آ رہے تھے۔

• ہاں جاگ جاؤ صبح ہو گئی"

• صبح ہو گئی؟"

• ہاں صبح ہو گئی"

• آہ جیتو! کیا تم میرے پاس آؤ گے، آؤ تم کہاں ہو؟"

• آ رہا ہوں۔ ابھی آیا" دوسری آواز — اور اب میرے رونگٹے خوف و دہشت سے کھڑے ہو گئے تھے۔ دفعتاً مجھے احساس ہوا تھا کہ آوازیں اس مردہ دنیا کی مخلوق کی ہیں۔ ہاں ان آوازوں کا انسانی آوازوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ رات کے بارہ بجے تھے لیکن وہ کہہ رہے تھے کہ صبح ہو گئی۔

کیا یہ مجسمے بول رہے ہیں۔ کیا انسانی ڈھانچے ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہیں۔ کیا یہ یقین میں آنے والی بات ہے۔ لیکن جو کچھ تھا سامنے تھا۔ نہ ماننے کی اس میں کیا بات تھی؟

اور پھر میں نے کچھ آہٹیں سنیں۔ ایک انسانی ڈھانچہ چلتا ہوا ایک طرف جا رہا تھا۔

• آہ جیجوں! کہاں تھے؟"

• تم سے زیادہ دور نہیں تھا، لیکن کیا کرتا روشنی گم ہو گئی تھی۔ رات ہو گئی تھی۔ آنکھوں والی رات جب ہم دوسروں کے لئے صرف تماشا بن جاتے ہیں؟"

• میں تمہارے لئے کتنا بے چین تھا"

• مجھے احساس تھا"

کیا خیال ہے؟

• وہ تمہیں بھی اپنے جیسا سمجھ رہے ہیں، کوئی نیا مجسمہ جسے وقت کی لہروں نے زندگی بخشدی ہے۔ خود میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا لیکن تم نے مجھے حقیقت بتادی ہے۔"

• ہوں؟ میں نے گردن ہلادی۔ بہر حال دوست، میں یہاں ایک حادثے کے تحت آگیا ہوں۔ کچھ وقت یہاں گذارنا ہی ہوگا جونہی موقع ملا میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔

• سنو، کیا تم باہر کی دنیا کے مصروف انسان ہو؟

• نہیں، یہ سوال تم نے کیوں کیا؟

• میں ان سب سے تھوڑی سی غداری کرنا چاہتا ہوں۔

• اوہ کیسی غداری؟

• ہم سب کا ایک ماضی ہے، اور ماضی کی کہانیاں اس کے نقش و نگار، ہماری نگاہوں میں محفوظ ہیں، لیکن ہم حال سے ناواقف ہیں۔ دوسرے لوگوں کو حال سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی لیکن میری بات اور ہے۔

• وہ کیا؟

مجھے بدلتے دور سے بھی کافی دلچسپی رہی ہے۔ لوگ میرے بارے میں صرف افسانوی خیالات رکھتے ہیں۔ انھوں نے اور خاص طور سے نئی دنیا کے ایک شاعر اور افسانہ نویس ہوتم نے میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت سے زیادہ اختراع ہے۔ یعنی واقعات حقیقی ہیں لیکن ان میں افسانہ طرازی کی گئی ہے اور اس افسانہ طرازی نے بعض جگہوں پر میری شخصیت مسخ کر دی ہے بہر حال میں کیا کہہ سکتا ہوں، جنھوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ان کا نام ونشان بھی اب اس دنیا میں نہیں ہے، لیکن بہر حال مدت کے بعد بھی اس کا گذر میرے نزدیک سے نہیں ہوا، ورنہ میں اس سے چند سوال ضرور کرتا۔

• لیکن تم نے غداری کی بات کی ہے؟

• ہاں۔

• میں، اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

• ان سب سے چھپا کر میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔

• اوہ؟

• اور اس دوستی میں میری ایک خواہش بھی چھپی ہوئی ہے۔

• وہ کیا؟

• میں تم سے موجودہ دور کی باتیں کروں گا۔

• مثلاً؟

• میں جدید تہذیب کے بارے میں معلوم کروں گا۔ دنیا کہاں تک پہنچ چکی ہے اس کے بارے میں جاننا چاہوں گا۔ یہ میری وہ پوشیدہ دلچسپی ہے جس سے دنیا ناواقف ہے۔

• خوب۔ لیکن میرے دوست، میری تمہاری رفاقت تو ایک رات کی ہے۔ کل جب دن نکلے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔

• یہ مشکل ہے۔

• کیا مطلب؟ میں نے چونک کر پوچھا۔

• میں ان لوگوں سے اتنی غداری کر سکتا ہوں کہ انہیں تمہاری حقیقت سے آشنا نہ کروں۔ ہاں رہا یہاں کے رازوں کا معاملہ تو میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا کیونکہ اس میں میری بھلائی بھی مضمر ہے۔

• اوہ! میں گھبرا گیا۔ لیکن میں یہاں کب تک رہوں گا؟

• اس وقت تک جب تک کوئی اور حادثہ تمہیں یہاں سے باہر نہ لے جائے۔

• یہ عرصہ کتنا طویل ہوگا؟

• حادثے پر منحصر ہے۔

• لیکن میرے دوست، یہ کیسے ممکن ہے۔ میں گوشت پوست کا انسان ہوں، تم سنگی بت اور یہ دوسرے۔ میں ان سب کے درمیان کیسے رہ سکتا ہوں اور کیا اس عجائب گھر کے محافظ مجھے دیکھ نہ لیں گے؟

• کچھ نہیں ہوگا، مطمئن رہو۔ اس کے علاوہ ہمارے ساتھ تم جو زندگی گذارو گے وہ اتنی دلچسپ ہوگی کہ تم کبھی ہمارے درمیان سے جانا پسند نہیں کرو گے۔

• مگر یہ کیسے ممکن ہوگا؟

• میں جانتا ہوں۔

• مجھے بھی سمجھاؤ۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

• تم نئی دنیا کے انسان ہو لیکن پرانی تہذیب، تاریخ کے بارے میں تم نے بہت کچھ پڑھا ہوگا؟

• ہاں۔

• کیا تمہیں تاریخ سے دلچسپی نہیں ہے ؟
• اب تو مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔
• اوہ۔ کیوں ؟
• تم نہیں سمجھو گے دوست، نئی تہذیب ترقی کے نام کا مذاق ہے، یوں سمجھو انسان نے خود کو ترقی یافتہ ہونے کا نام دیا ہے لیکن خود اتنے مسائل میں گھر گیا ہے کہ شاید خود پر غور کرے تو خودکشی کر لے لیکن وہ تہذیب کے جال میں اس طرح پھنس گیا ہے کہ خود پر غور بھی نہیں کر سکتا۔ پرانی تہذیب جہاں چند مسائل رکھتی ہے، وہاں اس کے پاس سکون تھا۔ انسانی زندگی کا کوئی پاس تھا۔ لیکن ترقی کے نام پر انسان نے خود کو اتنا مختصر کر لیا ہے کہ اب خود اس کی نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ۔
• تعجب ہے، ہم تو آنے والی نسلوں کو بہت ذہین تصور کرتے تھے ۔
• ہاں۔ یہ نسل اپنی ذہانت کا شکار ہو گئی ہے ۔
• لیکن کس طرح ؟
• ہر طرح، ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کا احساس ایک دوسرے کو شکست دینے کا احساس۔ خود کو پھیلانے کے احساس نے ان کی ساری ذہانت نگل لی ہے اور اب انسان صرف اس احساس کا شکار رہ گیا ہے ۔

اوہ۔ یہ تو بہت خوفناک جذبہ ہے، ماضی میں بھی اسی جذبے نے سب سے زیادہ مشکلات پیدا کی ہیں ۔

ہم دونوں اطمینان سے گفتگو میں مصروف تھے۔ دوسرے سب اپنے اپنے مشاغل میں لگے ہوئے تھے، اب کسی کی توجہ ہماری طرف نہیں رہی تھی۔ ان میں تحریک بھی تھی، آواز بھی تھی۔ ایک عجیب ہل چل مچی ہوئی تھی۔ لیکن ہمیں کسی نے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔

کیا تم میری بات سے متفق ہو ؟ میرے دوست نے مجھے مخاطب پا کر پوچھا۔

ہاں۔ میں نے تاریخ پڑھی ہے۔ بلاشبہ اس جذبے نے سب سے زیادہ مشکلات پیدا کی ہیں اور یوں سمجھو، اگر ترقی کی ہے تو دنیا میں صرف اسی جذبے نے کی ہے ۔

بڑی افسوسناک بات ہے ۔ مجسمے نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ تو بڑی مشکل پیش آ گئی۔ گو یا گفتگو بہت دلچسپ تھی لیکن یہ دوہری مشکل، اس کا کیا حل ہے، دروازہ باہر سے بند ہے اور اندر یہ سب ۔

لیکن کیسی عجیب بات ہے، میں تاریخ کے مردہ انسانوں سے محو گفتگو ہوں ۔

• کیا سوچنے لگے ۔ مجسمے کی آواز ابھری ۔
• انہیں حالات پر غور کر رہا ہوں ۔
• پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے تم سے وعدہ کر لیا ہے کہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ ان لوگوں کو تمہارے بارے میں بتاؤں گا ہی نہیں بلکہ جب لوگوں سے تمہارا تعارف کرانے کی ضرورت پیش آئے تو تمہیں بھی تاریخ کا کوئی کردار بتا دوں گا ۔
• یہ لوگ تسلیم کر لیں گے ۔
• کیوں نہیں، یہاں بیشتر اجنبی ہیں، انہوں نے جو کہا ہے ہم نے مانا ہے ۔
• لیکن میرے دوست، میری حیثیت تو دوسری ہے ۔
• یعنی ؟
• میں زندہ ہوں ۔

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیوں، آخر کیسے؟"

"ہم نہیں ماضی کے غلاف میں چھپالیں گے، یہاں ایک سے ایک کیمیاداں موجود ہے۔ اور پھر اتنا کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا اور میں حیرانی سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"تو یہ رازداری تم قبول کرتے ہو؟" بالآخر میں نے کہا۔

"ہاں۔ بخوبی۔"

"تب ٹھیک ہے، میں تم سے تعاون کروں گا۔ لیکن اس وقت تک جب تک یہاں میرا دل لگے گا۔ اس کے بعد جب میں تم سے اجازت مانگوں تو مجھے جانے کی اجازت دے دینا۔ اس کے بجائے کہ میں دوسرے ذرائع اختیار کروں۔" میں نے کہا اور میرا دوست ہنسنے لگا۔ بالکل اسی طرح جیسے میں نے کوئی بچگانہ بات کہہ دی ہو۔

میں نے اس کی ہنسی پر کوئی توجہ نہیں دی تھی حالانکہ اس کی یہ ہنسی مجھے بُری لگی تھی۔ لیکن بہرصورت میں ایسے عجیب و غریب اور ناقابلِ یقین واقعات میں پھنسا ہوا تھا کہ خود بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

جو ہو رہا تھا وہ بے حد ناقابلِ یقین تھا لیکن اب میں ان ناقابلِ یقین واقعات پر یقین کر چکا تھا، کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

میں عالمِ خواب میں تو تھا نہیں کہ خواب سے آنکھ کھولنے کی کوشش کرتا۔ جو کچھ بھی تھا ایک حقیقت تھی اور حقیقتیں تسلیم کرنا پڑتی ہیں۔ لیکن مجھے اپنے اس دوست پر حیرت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ کوئی ممی ہوتا، کوئی مسخ شدہ جسم، جس میں اس کی روح حلول کر گئی ہوتی تو شاید میں اسے آسانی سے تسلیم کر لیتا حالانکہ کسی مردہ جسم کا بولنا بہرصورت حیرت انگیز بات تو تھی لیکن پھر بھی یہ سوچا جا سکتا تھا کہ کوئی ناقابلِ یقین عمل ہو رہا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پتھر کا ایک مجسمہ جسے یقیناً انسانی ہاتھوں نے تراشا ہوگا اپنے آپ کو اس صف میں کیوں داخل کر رہا ہے جو وہاں دوسرے لوگوں کی حیثیت کی شکل میں تھی۔ عجیب و غریب تھا یہ سب کچھ۔

اور اب میں اس سے اس حد تک بے تکلف ہو گیا تھا کہ یہ سوال کر دینا اب میرے لئے کچھ ایسا مشکل نہیں تھا جس سے میں پرہیز کرتا چنانچہ میں نے اس سے پوچھا۔

"میرے دوست میرے دل میں خواہش ہے کہ تم سے مکمل تعارف حاصل کر لوں۔ اب جبکہ تم نے کچھ ایسے واقعات میں ملوث کر لیا ہے جو میری عقل میں تو نہیں آتے لیکن بہرصورت آنکھیں، ذہن اور کان انہیں تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں تو میں بھی تم سے کسی حد تک بے تکلفی کا اظہار کروں گا۔"

"ہاں ضرور، میں تم سے اپنا تعارف بھی کراؤں گا اور یقیناً میرے دوست تمہیں مجھ سے میری دنیا میں مل کر خوشی بھی ہوگی۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"تو سنو میرے دوست تمہارا اپنا نام کیا ہے؟"

"تم مجھے علی رحمان کہہ سکتے ہو۔"

"اوہ۔ علی رحمان۔ خوب۔"

"خود تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام، کیا تمہیں تاریخ سے دلچسپی ہے؟"

"معمولی حد تک۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ بہرحال تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے روم کا اُدیسی اجنبی نہیں ہوگا۔" مجسمہ نے جواب دیا۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اُدیسی۔" میں نے پرخیال انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، منتقم ادیسی۔"

"مگر روم سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے تمہیں تاریخ سے دلچسپی نہیں ہے؟" مجسمے نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا دوست بالکل معمولی۔"

"ہاں بہرحال اس بارے میں میں تمہیں ساری تفصیل بتا دوں گا۔ ہاں ہیلن کا نام تم نے ضرور سنا ہوگا۔ میری مراد ٹرائے کی رہنے والی ہیلن سے ہے۔"

"ہاں ہاں ہیلن، کیوں؟"

"میں نے ٹرائے کی جنگ میں شرکت کی تھی۔"

"اوہ۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"بہرحال اس بارے میں تفصیل تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم تھوڑا سا مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اپنے بارے میں میں تمہیں کیا بتاؤں۔ مختصراً کہہ چکا ہوں کہ آج کی دنیا تمہاری دنیا سے بہت حد تک مختلف ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"میں زندہ کیسے رہ سکتا ہوں۔ دن کی روشنی میں جب عمارت کے محافظ مجھے دیکھیں گے تو گرفتار کر لیں گے اور پھر میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا۔"

"کیا تم اس مختلف دنیا کے بارے میں مجھے بتاؤ گے؟" اُدلیسی کے مجسمے نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ تمہاری دنیا دہشت و بربریت سے پُر تھی۔ انسان جاہلیت کا شکار تھا، جنگیں ہوتی تھیں، خوفناک ہنگامے ہوتے تھے لیکن اس کے بعد جب کوئی فاتح کسی مفتوح کو فتح کر لیتا تھا تو اس کے بعد امن کا دور ضرور شروع ہوتا تھا لیکن آج ساری دنیا انتشار کا شکار ہے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زمین چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بٹی ہوئی ہے، ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر الگ بیٹھ گیا ہے اور دوسرے کو ہر طرح سے تکلیف پہنچانے کا خواہاں ہے۔ یوں سمجھو زمین کا انسان ہر دوسرے انسان کا دشمن ہے۔ اس میں کسی خاص واقعے کو دخل نہیں ہے بلکہ آج کا انسان صرف اپنا اقتدار چاہتا ہے، اپنی برتری چاہتا ہے۔

اور برتری کا یہ سودا ان کے ذہنوں میں اس قدر سما گیا ہے کہ اسے جہاں موقع ملتا ہے دوسرے پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتا ہے آج کا انسان دولت کے حصول میں اس قدر ناکام ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور میرے دوست میں بھی انہی میں سے ہوں، میں پیٹ بھرنے کے لئے اپنے آپ کو بہتر زندگی دینے کے لئے ایسے کام کرتا ہوں جو دوسروں کے لئے ناپسندیدہ ہیں۔ چنانچہ دوسرے نہیں چاہتے کہ میں زندہ رہوں اور موت سے بچنے کے لئے موت کے خوف سے چھپ کر میں اور میری طرح کے دوسرے انسان اس طرح سے چھپتے پھرتے ہیں۔"

"اوہ۔ بڑی افسوس ناک صورتِ حال ہے یہ تو۔"

"ہاں ہے، لیکن اب ہمارے لئے یہ صورتِ حال خوف ناک نہیں رہی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے دوست کہ اب ہر دوسرا انسان انہی حالات کا شکار ہے جن کا میں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس عجیب و غریب ماحول میں پہنچ کر تم لوگوں کے ہاتھ نہیں لگا۔"

"شاید۔" اُدلیسی ہنسنے لگا۔

بہر حال مجھے اس تاریخی انسان پر بڑی حیرت ہوئی تھی، حالانکہ میں نے اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں پڑھی تھی لیکن پھر بھی [illegible] زمانے کے بارے میں تھوڑا بہت جانتا تھا اور مجھے یاد آ رہا تھا، جنگ کے اس ذکر میں میں نے اُدلیسی کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ پڑھا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ میں اُدلیسی کی شکل و صورت سے واقف نہیں تھا۔ تب میں نے اس سے ایک اور سوال کر دیا۔

"ایک بات بتاؤ میرے دوست۔"

"ہاں ہاں ضرور پوچھو۔"

"تم مسخ شدہ تو نہیں ہو، میرا مطلب ہے تمہارا یہ جسم اصلی تو نہیں ہے، میرا مقصد ہے تمہارا جسم ایک پتھر کا مجسمہ ہے جسے کسی سنگتراش نے تراشا ہوگا۔"

"یقیناً، میرا اصل جسم تو کبھی کا فنا ہو چکا ہے۔"

"تب تمہاری روح نے اس مجسمے کو کس طرح اپنا لیا؟"

"روح کی بات نہ کرو۔ روح کسی ایک چیز کو نہیں اپناتی۔ وہ تو ایک آزاد شے ہے، بدن کی قید میں رہتی ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے۔ جب بدن اپنے آپ کو چھوڑ دیتا ہے، یعنی انسانی الفاظ میں انسان مر جاتا ہے تو روح زندہ ہو جاتی ہے۔" اُدلیسی نے کہا۔

"واہ۔ عجیب فلسفہ ہے۔"

"ہاں۔ فلسفہ تو عجیب ہے لیکن قیمتی بھی۔"

"پھر بھی کیا اس دنیا میں تمہارا صرف ایک ہی مجسمہ ہے؟"

"نہیں، میرے آٹھ مجسمے تراشے گئے تھے۔"

"اوہ۔ تو وہ مجسمے کس وقت تراشے گئے، کیا کسی ایک دور میں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، کچھ اس دور میں سنگتراشی کا ابتدائی دور تھا اس کے علاوہ دنیا کے کئی مختلف ملکوں میں میرے مجسمے موجود ہیں۔"

"کیا اس وقت وہ سارے مجسمے موجود ہیں؟"

"نہیں، میرے کل آٹھ مجسمے بنائے گئے تھے، جن میں پانچ ضائع ہو چکے ہیں، تین موجود ہیں۔"

"اوہو، تو کیا تمہاری روح ان تینوں میں حلول ہے؟"

"درست، روح کسی چیز میں حلول نہیں ہوتی۔ دیکھو میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں، تمہارے گھر میں کوئی خوبصورت شے ہو تو کیا تم اُس سے خاص لگاؤ رکھو گے؟"

"یقیناً۔"

"اور جب بھی تمہیں موقع ملے گا تم اپنی اس پسندیدہ شے کو جس کا تم سے تعلق ہے جس سے تم محبت کرتے ہو جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم اس سے ذہنی رابطہ رکھتے ہو، تم اسے دیکھنا پسند کرتے ہو۔"

"بالکل درست۔"

"تم اس سے ذہنی رابطہ رکھتے ہو اور بعض اوقات تمہیں اس شے سے اگر وہ بے جان بھی ہو تو تمہیں اس سے اتنی محبت ہو جاتی

ہے کہ تم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے، بالکل یہی کیفیت میری ہے۔ میرا مجسمہ میرے جسم کی تصویر ہے وہ جسم جو فنا ہو چکا ہے، زمین کی گہرائیوں میں مٹ چکا ہے اور اب میری یا میری روح کی قوت یہ نہیں ہے کہ اس جسم کو دوبارہ سمیٹے اور اس شکل میں تخلیق کرے جو تھی اب یہ مجسمے جو میرے بدن کی تصویریں ہیں میرے لئے پسندیدہ ہیں اور میں اکثر ان سے رابطہ رکھتا ہوں بلکہ عموماً رابطہ رکھتا ہوں۔ اس لئے ہم ایک مخصوص وقت کے لئے ان مجسموں میں زندہ ہو جاتے ہیں اور بہرصورت اس وقت ہم اس سنگ کو یہ محسوس کرتے ہیں جیسے کہ یہ ہمارا اپنا جسم ہے، سب کچھ ہمارا ہی ہے۔

تو تم یوں سمجھو میرے دوست کہ یہ روح کا پرتو ہے جو ان پتھروں میں زندگی پیدا کرتا ہے، ان سنگی مجسموں میں لہر بن کر دوڑتا ہے۔

اویسی نے کہا اور میں سوچ کی لامتناہی وسعتوں میں گم گیا۔

سوچنے کو بہت کچھ تھا لیکن میرا ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

نہ جانے کیسی گفتگو کر رہا تھا یہ شخص۔ بہر حال یہاں تو ساری باتیں عجیب تھیں کس پر یقین کیا جاتا کس پر نہ کیا جاتا۔ چنانچہ میں نے یقین یا غلط کو ذہن سے نکال دیا اور گہری سانس لے کر بولا۔

• تو پھر اویسی اب یہ بتاؤ میرے لئے کیا حکم ہے؟

• حکم — نہیں میرے دوست حکم نہیں۔ بس میں نے تم سے کہہ دیا کہ سب سے پہلے تم خود کو یہاں انسان ظاہر نہیں کرنا اور دوسرے لوگوں سے بھی تمہارا تعارف ہوگا اور تم انہیں یہی بتاؤ گے کہ تم تازہ مجسمے ہو اور اس عجائب گھر میں بالکل نئے نئے آئے ہو۔

• اوہ۔ لیکن تم ان لوگوں کو میرا نام تو بتاؤ گے؟

• ہاں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ سب ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں کیونکہ یہ تاریخ واں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ایک دور کی شخصیات ہیں۔ یہ مختلف ادوار ہیں میرے دوست۔ اور ظاہر ہے جب یہ ایک دوسرے سے ناواقف ہیں تو تم کو کیسے جان سکیں گے؟

میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اویسی کہہ رہا تھا۔

• یہ سب اپنے اپنے ادوار میں ملی رجحان۔ یہ سب الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی اس قدر زیرک نہیں ہوگا کہ وہ یہ سوچے کہ تم درست کہہ رہے ہو یا غلط، اور اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں یہ کام خود کر لوں گا۔

• جیسی تمہاری مرضی۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر بولا۔

• لیکن دن میں کیا ہوگا اویسی؟

• کیا مطلب، کئی بار پوچھ چکے ہو دن دن دن — دن میں کیا ہوگا۔ میرا مقصد ہے بھائی تم تو سنگی مجسمے ہو، مجسمے میں تبدیل ہو کر اپنی جگہ کھڑے ہو جاؤ گے۔

• مگر تم بھول رہے ہو اویسی، میں گوشت پوست کا انسان ہوں۔ عجائب گھر کا محافظ مجھے دیکھے گا اور گردن سے پکڑ کر مجھے باہر لے جائے گا۔ ایسی شکل میں میرے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کے لئے تم کیا کرو گے؟

• ایسا نہیں ہوگا دوست۔ عجائب گھر کا محافظ تمہیں پتھریلے بت کی شکل ہی میں دیکھے گا۔ اویسی کا لہجہ عجیب و غریب تھا۔

• لیکن وہ کس طرح؟

• کیا سمجھتے ہو تم، کیا میں اس قدر ناپائدار ہوں۔ میرا نام اویسی ہے، اویسی اپنے دور کا عظیم جنگجو، ایک دور، ایک زمانہ، ایک صدی جس نے اپنے دور میں دس سال تک ٹرائے میں، صرف ٹرائے میں تہلکہ مچائے رکھا تھا۔

• دس سال تک؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔

• ہاں۔ پورے دس سال تک۔

• بہت خوب، میں تم سے ٹرائے کی کہانی ضرور سنوں گا۔ مجھے تمہاری باتوں میں بے پناہ دلچسپی محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے کہا۔

• نہ صرف کہانی، بلکہ میرے دوست میں تمہیں اس ماحول میں بھی لے جاؤں گا۔

• کیا مطلب؟

• ہاں۔ قدیم روم میں۔

• قدیم روم؟ میں حیرانی سے بولا۔

• ہاں قدیم روم، اویسی کا روم، جہاں تم ایک ایک چیز اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔

• میں اب بھی نہیں سمجھا۔

• ماضی کی لہروں میں ہم خود کو تلاش کریں گے اور تمہیں بھی اس میں ضم ہونا پڑے گا۔

• ماضی کی لہروں میں۔ کہاں ملتی ہیں بھائی؟ میں نے ازراہ مذاق پوچھا۔

• فضاؤں میں، تم کیا سمجھتے ہو، کیا ماضی فنا ہو جاتا ہے۔ اگر ماضی فنا ہوتا تو تم اویسی کو کس طرح جانتے، زمانہ قدیم کی داستانیں تم کس طرح سنتے، ماضی کبھی فنا نہیں ہوتا دوست، جو کچھ گزرتا ہے جو کچھ ہوتا ہے وہ فضاؤں میں معدوم ہو جاتا ہے اور پھر ہوا

کے ساتھ ہوا کے دوش پر تیرتا رہتا ہے، ہم ان واقعات کو بھول جاتے ہیں، انہیں قصّے یا کہانیوں کی شکل میں یاد رکھتے ہیں وہ بھی معمولی طور پر، لیکن وہ واقعات اپنی اصلی تصویریں لئے ہوئے فضا میں موجود ہوتے ہیں۔ میں تمہیں ماضی کے جزیروں میں لے جاؤں گا۔ اور تم ماضی کے ان جزیروں میں قدیم روم تلاش کرنا جس میں اُدلیسی زندہ تھا"

"ماضی کا جزیرہ؟" میں نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ماضی کا ایک جزیرہ ہوتا ہے جہاں واقعات اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہتے ہیں۔ بس صورت حال صرف یہ ہوتی ہے کہ تم اس راہ پر لگ جاؤ جہاں تم اپنے آپ کو تلاش کرو گے، ہاں میں تمہیں اس جزیرے تک اس مقام تک لے جاسکتا ہوں جہاں ادلیسی موجود ہے، جہاں ادلیسی محفوظ ہے"

میں چند ساعت اس کی بات پر غور کرتا رہا۔ بڑا عجیب سا قصہ تھا ناقابل یقین، ناقابل فہم۔ لیکن ماننا یوں پڑ رہا تھا کہ ان واقعات کو، اس داستان کو بیان کرنے والا ایک سنگی مجسمہ تھا، سنگی مجسمہ جو ایک عجائب گھر میں محفوظ تھا۔ لوگ جسے دیکھتے تھے اور ماضی کو یاد کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یقیناً رات کا وقت ہے ورنہ ادلیسی کے مجسمے کے نزدیک اس کی تفصیلات ضرور درج ہوں گی۔

لیکن کون یہ جانے کہ رات کو یہ مجسمے تو زندہ ہوتے ہیں اور اپنے ماضی کو یاد کرتے ہیں۔ نہ صرف ماضی کو یاد کرتے بلکہ انہیں ماضی میں لوٹ جانے کی اجازت بھی ہوتی ہے۔

اس پراسرار دنیا میں آکر میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان سارے واقعات کو سچ مانوں یا صرف ایک خواب سمجھوں۔

کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ سو کافی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے ادلیسی سے کہا۔

"تو کیا تم مجھے ماضی میں لے جاسکتے ہو؟"

"ہاں۔ میں اس کے لئے مجبور نہیں ہوں، میں وہاں بآسانی جا سکتا ہوں"

"تو پھر میرے دوست میں تمہارے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہوں۔ بات یوں ہے کہ دنیا میں میرا کوئی ایسا ہمدرد نہیں ہے جس کے لئے میں پریشان ہوں یا کوئی ایسا شخص جسے میرے غائب ہو جانے پر کوئی تشویشناک بات یا حیرت ہو۔ میں اپنی مرضی سے زندگی گذار رہا تھا اور اپنی ہی مرضی سے جو چاہوں گا کروں گا۔ میں تیار ہوں، تم چاہو تو مجھے قدیم روم لے جاسکتے ہو"

"ہاں ضرور، لیکن کیا اس سے پہلے تم ان دوسرے لوگوں سے تعارف حاصل نہیں کرو گے؟"

"کیا ضروری ہے؟"

"کیوں؟"

"بھئی جب ہمیں یہاں کچھ وقت گذارنا ہی ہے تو پھر تعارف کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ فی الحال میں تم سے متاثر ہوں۔ کیا تم مجھے اپنے بارے میں تفصیلات بتاؤ گے؟"

"ہاں یقیناً"

اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ گے ادلیسی؟"

"ہاں پوچھو"

"میں اگر تمہارے ساتھ ماضی میں گم ہو گیا تو کیا میرا بدن بھی وہاں جائے گا؟"

"نہیں"

"پھر اس کا کیا ہوگا؟"

"یہ ایک بے جان مجسمے کی مانند یہاں محفوظ رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس مجسمے کو کوئی ضائع نہیں کرے گا آؤ، تم میرے برابر آکر کھڑے ہو جاؤ"

"اوہ۔ تو گویا ہم ماضی میں چل رہے ہیں"

"ہاں" ادلیسی نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میرا ہاتھ پکڑنے کے بعد اس نے آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ دفعتاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا بدن ہلکا ہوتا چلا جا رہا ہے، ہلکا، ہلکا اور ہلکا ۔۔ اور ہلکا۔ کانوں میں ہوا کی سائیں سائیں گونج رہی تھی، اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں فضا میں پرواز کر رہا ہوں۔ میرے بدن پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ ہلکی پھلکی لطیف سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

"ہم فضا میں جا رہے ہیں ادلیسی؟"

"ہاں۔ فضا کے اس پار، ماضی کے جزیروں میں، جہاں ہم خود کو تلاش کریں گے علی رحمان" ادلیسی نے جواب دیا۔

اُدلیسی کے ہاتھ کا لمس بدستور میرے بازو پر تھا اور اس کی سنگی گرفت مجھے بخوبی محسوس ہو رہی تھی لیکن ہواؤں کی تیزی سے میری آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ کانوں میں ہونے والی سنسناہٹ اتنی تیز تھی کہ دماغ ساتھ چھوڑتا جا رہا تھا۔ کافی دیر تک میں یہ اذیتناک کیفیت

برداشت کرتا رہا۔ پھر میں نے گھبرا کر اولیسی کو آواز دی۔

- اُولیسی "
- کیا بات ہے میرے دوست " اولیسی کی آواز ابھری۔
- میری کیفیت خراب ہو رہی ہے "
- کیوں۔ کیا بات ہے "
- ہوا بہت تیز ہے "
- ہاں۔ ہم حال کی تیز ہواؤں سے گذر رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم ماضی میں ہوں گے، تمہیں ان ساری چیزوں سے بے نیاز ہونا چاہئے، تم ان کے بارے میں سوچو ہی نہیں "
- یہ کیسے ممکن ہے "
- کیوں "
- میرے کانوں کے پردے ہوا سے پھٹے جا رہے ہیں، میری آنکھیں بھی نہیں کھل سکتیں۔ میرے پورے بدن پر ہواؤں کا بوجھ ہے میں اس بوجھ سے سخت پریشان ہوں "
- کان، آنکھیں، بدن ... " اولیسی ہنس پڑا۔
- کیوں، تم ہنس کیوں رہے ہو "
- تمہارے کان کہاں ہیں، آنکھیں کہاں ہیں۔ تمہارا بدن تو اس پتھریلی عمارت میں موجود ہے۔ دن کی روشنی میں جب عمارت کے نگراں ان مجسموں کو دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے کیونکہ ان میں ایک مجسمے کا اضافہ ہو گا۔ اور پھر اس مجسمے کے بارے میں تفتیش شروع ہو جائے گی۔ وہ کہاں سے آیا۔ اس کی تاریخ کیا ہے " اولیسی نے ہنس کر کہا۔
- اوہ۔ تو میرا بدن " میں نے حیرت سے کہا۔
- ہاں۔ وہ تو وہیں ہے "
- پھر یہ کیا ہے، یہ سب کیا ہے جو ... "
- احساس۔ صرف احساس۔ روح بدن میں قید ہوتی ہے۔ بدن کی قید سے آزاد ہونے کے بعد بھی عرصہ تک روح کو اس حصار کا احساس رہتا ہے جو اس کے گرد رہتا ہے۔ گو وہ آزاد ہوتی ہے۔ یہ سب تمہارا احساس ہے، خود کو آزاد تصور کرو۔ دنیاوی احساسات سے بے نیاز چند ساعت کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا "
- اوہ " میں نے تعجب سے کہا " تو میں کیا کروں "
- اپنے بدن کا خیال چھوڑ دو " اس نے کہا اور میں نے خیالی آنکھیں بند کر لیں۔ تب میں نے اپنے بدن کو اس میوزم میں دیکھا۔ دیکھا کہاں محسوس کیا۔ میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں اپنا بدن چھو سکتا تھا، اسے حرکت نہیں دے سکتا تھا، تب ایک ٹھنڈک، ایک سکون میرے چاروں طرف پھیل گیا۔ میرا وجود ہر تکلیف سے بے نیاز ہو گیا۔ آہ۔ روح کس قدر لطیف شے ہے، بدن کی کثافت اور بوجھ سے آزاد ہاں۔ ہواؤں کا بوجھ کہاں گیا۔ کچھ بھی تو نہیں ہے اور پھر صرف خیال کی آنکھ رہ گئی۔ میں نے خود کو ایک ماورائی ہستی سمجھا۔ میں اب نہیں رہا تھا جو تھا۔

تب مجھے اولیسی پر بھی بھروسہ ہو گیا۔ اب اس کے بازو کی گرفت بھی نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ کافی دیر تک خاموشی رہی پھر اُولیسی نے کہا۔

- ماضی ایک ایسا حسین نقش ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا "
- تمہیں اپنی زندگی یاد ہے اولیسی "
- ہاں۔ کیوں نہیں "
- یقیناً اس میں کچھ ایسے واقعات بھی ہوں گے جو تمہارے لئے کوئی نمایاں حیثیت رکھتے ہوں گے "
- بلاشبہ، میری تو پوری زندگی بدلنے والے واقعات سے عبارت ہے "
- خوب۔ تو اب تم ماضی کے کونسے دریچے میں جھانکو گے "
- میں تمہیں اولیسی کی زندگی دکھاؤں گا "
- اوہ۔ گویا اپنے بارے میں۔
- ہاں۔ اپنے دوست کی زندگی کے حالات تم جاننا نہیں چاہو گے "
- کیوں نہیں "
- تب ہم ماضی کے روم میں ہیں، دیکھو یہ روما ہے، اور روما میں اولیسی کا دور ہے، منتقم اولیسی روما کی ایک عظیم شخصیت ہے " اس نے کہا۔ اور اچانک میرا ذہن بدل گیا۔ میں نے خود کو ایک عجیب و غریب شہر میں پایا۔ بلاشبہ یہ قدیم روم تھا۔

میں اسے پہچانتا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا۔ میں نے اس کے قدیم شہنشاہوں کی داستانیں سنی تھیں۔ فلموں میں بھی رومن دربار کے مناظر دیکھے تھے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ تھا۔ قدیم اور جیتا جاگتا میں حیران رہ گیا۔ روم نہ جانے کتنی صدیاں پیچھے چلا گیا تھا۔

- اُولیسی میرے دوست! یہ — یہ تو پرانا روم ہے "
- ہاں تم صدیوں پیچھے لوٹ گئے ہو، کیا چاہتے ہو بولو "
- میں — ؟
- ہاں، بولو تم کیا چاہتے ہو "
- میں نہیں سمجھا اولیسی "

• کیا تم روم کی زندگی میں شمولیت چاہتے ہو؟

• کس طرح؟

• اس بات کو چھوڑو، میں تمہارے ساتھ ہوں، موت سے قبل بھی اور موت کے بعد بھی مجھے بہت سی قوتیں حاصل ہیں اور خود تمہارے اندر ایک انوکھی صفت پیدا ہوگئی ہے۔

• کیسی صفت؟

• تم جب چاہو، جس دور میں چاہو عارضی مادی شکل حاصل کرسکتے ہو۔

• اوہ۔ کیا واقعی؟

• ہاں۔

• لیکن اُویسی! یہ انوکھی قوت میرے اندر کس طرح پیدا ہوگئی؟

• تم ماضی کے مہمان ہو، مستقبل سے ماضی کے لئے آنے والے، اور ماضی کے جزیرے میں تمہیں خوش آمدید کہا گیا ہے۔ ورنہ روم تمہارے سامنے موجودہ شکل میں نہ ہوتا۔

• خوب۔ حیرت انگیز بات ہے۔

• ماضی کے مہمان! ابھی تو تمہارے لئے بے شمار حیرت انگیز چیزیں یہاں موجود ہیں۔ اویسی تمہیں اپنے دور میں لے جا رہا ہے اور وہاں سے تم اویسی کے روم کا نظارہ کرو گے۔

• خوب: میں نے مسکراتے ہوئے کہا: درحقیقت یہ صورتحال میرے لئے کافی دلچسپ ہے۔

• اب یہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟

• یعنی مادی شکل کے بارے میں؟

• ہاں۔

• فرض کرو اویسی، میں روم کی کسی پسندیدہ شخصیت کے روپ میں آنا چاہوں۔ ایسی شخصیت جسے روم کے لوگ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہوں، اور اس سے اپنے بارے میں کچھ نہ چھپاتے ہوں۔ دیکھنا اس طرح میں ان لوگوں سے بے تکلفی سے ان کے بارے میں معلوم کرسکتا ہوں: میں نے کہا اور اویسی نے ایک گہری سانس لی۔

• ٹھیک ہے۔ تو پھر تم کاہن اعظم کائی سیس بن جاؤ۔ اس سے زیادہ معتبر اور محترم شخصیت پورے روم میں کوئی نہیں ہے۔

• کاہن اعظم؟

• ہاں دیکھو، وہ کائی سیس کا معبد ہے آؤ۔ میں تمہیں اس کے دروازے پر چھوڑ دوں۔ اس کے بعد وہاں کے سارے اسرار خود بخود کھل جائیں گے: اویسی نے کہا اور میں نے عجیب سے انداز میں ایک گہری سانس بھری۔

اور پھر دفعتاً اویسی کی گرفت مجھ سے جدا ہوگئی۔ میں سیاہ رنگ کے ایک عظیم الشان دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اویسی: میں نے گھبرا کر اویسی کو آواز دی۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

• اویسی تم کہاں گئے؟

• وہ سفر پر جانے کے لئے تیار ہے، اس کے جہاز ٹرائے جانے کے لئے لنگر اٹھا رہے ہیں: ایک آواز میرے کانوں میں گونجی، اور میں منہ پھاڑ کر رہ گیا اور پھر اچانک ہی مجھے محسوس ہوا تھا جیسے میرے وجود کا وہ ہلکا پن ختم ہوگیا ہو۔ میں کسی ٹھوس شکل میں آگیا ہوں۔ اور اب میں کوئی بدن رکھتا ہوں۔

تب میں نے خود کو دیکھا، تندرست و توانا۔ لیکن حسین ترین شخص کے روپ میں تھا میں۔ لیکن مقدس لباس میں ملبوس اور عصا تھا میرے ہاتھ میں جس کی موٹھ پر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں بازوؤں پر جن میں جواہرات سے سادہ کاری کی گئی تھی بڑا ہی ملائم لباس تھا میرا، اور میں نے دیکھا کہ سامنے سے چند لوگ آ رہے ہیں۔ تب وہ میرے نزدیک پہنچ کر جھک گئے۔

• مقدس کاہن اعظم، دیوی انیکا آج پھر تیری قدم بوسی کو حاضر ہوئی ہے۔

• اوہ۔ اب کیا چاہتی ہے وہ مجھ سے: میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ یوں لگا تھا جیسے میرے اندر سے کوئی اور قوت بول رہی ہے ورنہ بھلا قدیم رومن زبان سے میرا کیا تعلق۔ میں نے تو وہ کبھی سنی بھی نہیں تھی۔

• انیکا نے اپنے دل کے راز کسی کو بتائے ہیں مقدس کاہن اعظم؟

• ہوں۔ کہاں ہے وہ؟ میں نے پوچھا۔

• معبد کے مخصوص حصے میں، جس پر وہ صرف اپنا حق سمجھتی ہے اور کس کی مجال ہے کہ اس وقت وہاں جانے کی کوشش کرے، جب انیکا وہاں موجود ہو۔

• کیا کہا ہے اس نے؟

• تجھ سے ملاقات کرنے کی خواہش کی ہے، اس نے کہا ہے کہ اس کا پیغام کاہن اعظم کو دے دیا جائے۔

• ہوں: میرے قدم خود بخود اندر کی طرف اٹھ گئے۔ میں سخت حیران تھا۔ یہ سب کچھ غیر ارادی طور پر ہو رہا تھا۔ یوں سمجھیں آپ کہ میں خاموش رہنا چاہتا تھا لیکن میری زبان میرے طابع نہیں تھی۔

میں حیران تھا لیکن میرے قدم اعتماد سے اٹھ رہے تھے جیسے میں اس معبد کے کونے کونے سے واقف ہوں۔ میں اس کیفیت پر سخت متحیر تھا۔

لیکن پھر میں نے سوچا، میرا جسم میرا اپنا نہیں ہے، میرا روپ میرا نہیں ہے، یہ سب کچھ ایک عکس ہے، میرے دوست ادیبی نے جو روپ مجھے دیا ہے، وہ مجھے اپنانا چاہیے۔

اور میں ان حالات سے کسی قدر لاپرواہ ہو گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں جنہوں نے مجھے انیکا کے بارے میں اطلاع دی تھی۔

لیکن ایک مخصوص حصے تک۔ اس کے بعد وہ رک گئے، لیکن میں نہ رکا، اور میرے قدم اس عظیم الشان دروازے کی طرف اٹھ گئے جو سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ تب میں نے دروازہ کھول لیا اور دروازے کے دوسری جانب ایک انتہائی خوبصورت باغ تھا۔ چاروں طرف پھول کھلے ہوئے تھے اور سنگی فوارے پانی کی پھواریں پھینک رہے تھے۔ سفید رنگ کے ایک دروازے کے نزدیک ایک حسین وجود بھی موجود تھا۔

روم کے مخصوص لباس میں ملبوس۔ سچے موتیوں کے زیور سے آراستہ، صدف کی مانند چمکدار، حسین ترین نقوش کی مالکہ۔ جسے دیکھ کر آنکھ جھپکنا بھول جائے، ایک لمحے کے لئے قدم ٹھٹھک گئے، اور میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ مجھ سے بے نیاز پھولوں کے ایک تختے کی جانب تک رہی تھی۔

پھر میں آگے بڑھا اور اب اسے کسی کے وجود کا احساس ہو گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور ایک دم اس کی آنکھوں میں پیار کے جذبات ابھر آئے۔

• مقدس کاہن اعظم کی خدمت میں: وہ جھکی اور اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا، پھر ہونٹوں سے چوما اور پھر پیشانی پر لگا کر میری طرف بڑھا دیا۔

• دیوی انیکا کو معبد میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

• انیکا اس توجہ کے لئے شکر گزار ہے۔ کیا مجھے ہم نشینی کے چند لمحات بخشے جائیں گے؟

• میں حاضر ہوں انیکا، بتاؤ کیا بات ہے، تم نے کیسے تکلیف کی ہے؟

• کاہن اعظم، کائی سیس انیکا سے پوچھتا ہے کہ اس نے کیسے تکلیف کی، انیکا جس کی تقدیر تحریر ہوئی اور اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چاہتی ہے تو اس نے ایک ہی خواہش ظاہر کی...۔ انیکا نے شکایت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

• کیا خواہش کی؟ میں نے پوچھا۔

• کائی سیس! انیکا چند قدم میری طرف بڑھ آئی۔

• تو یہ سودا تمہارے ذہن میں بدستور موجود ہے: میں نے آہستہ سے کہا۔

• اے دل والے زندگی میں صرف ایک سودا کرتے ہیں، اور اسی پر ان کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ میں نے وہ سودا کر لیا ہے کون ہے جو مجھے اس سودے سے روک سکتا ہے؟

• انیکا، افسوس۔ میں تمہارے لئے کیا کروں؟

• دیوتاؤں کے حضور جاؤ۔ تو ان سے اس سوال کا جواب مانگنا انیکا کو یقین ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو گا۔

• لیکن میری حیثیت؟

• فانی ہو کائی سیس، فانہ ہوتے تو اپنے مالک ہوتے، اجب زندگی پر قادر نہیں ہو تو انیکا کے جذبات کو روندنے پر قادر کیوں ہونا چاہتے ہو؟

• تم مجھے اہل روم کی نگاہوں سے گرانا چاہتی ہو انیکا!

• ہرگز نہیں کائی سیس، تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟

• کیا کروں۔ اہل روم مجھے مقدس کاہن کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ میں اس مصیبت میں نہیں گرفتار ہونا چاہتا۔ نہیں انیکا ان کے ذہنوں سے میرا مقدس تصور نہ چھینو۔

• اہل روم انیکا کو بھی دیوی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بولو کیا میرا تعلق زیوراس سے نہیں رہا ہے، کیا روم کے رہنے والے اپنی متبرک دعاؤں میں میرا نام نہیں لیتے؟

• وہ تو ٹھیک ہے، لیکن...۔

• نہیں کاہن اعظم، تم دلوں کو جوڑنے کی بات کرتے ہو، لوگ تمہارے پاس ٹوٹے دل لے کر آتے ہیں اور تم ان کے لئے دعائیں کرتے ہو، پھر تم انیکا کو اذیت دینے کا کاروبار کیوں سنبھال رہے ہو؟

• افسوس انیکا۔ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا: بالآخر میں نے کہا۔

• یہ انیکا کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے، تمہارا یہ جواب تو میں نے بارہا سنا ہے، آج بھی سن لیا، جا رہی ہوں لیکن پھر آؤں گی، صرف تصور لے کر کہ ممکن ہے دیوتاؤں کے حضور میرا مقدمہ پیش ہو جائے اور وہ تمہارے سفید خوبصورت چہرے پر کسی کے دل کا داغ

دیکھ کر تم سے سوال کریں کہ یہ داغ کیسا ہے، اور تم انہیں جواب دینے پر مجبور ہو جاؤ، تب وہ تمہیں حکم دیں کہ جاؤ۔ دلوں کو توڑنا دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے اور پھر تم مجھے قبول کر لو۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور انیکا میرے نزدیک آئی میری آنکھوں میں جھانکتی رہی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر واپس پلٹ پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

میرے ذہن میں عجیب سی کشمکش پیدا ہو گئی۔ اس وقت میری شخصیت دوہری ہو گئی تھی۔ میں اپنے طور پر اس حسین ترین عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

میری اپنی شخصیت اسے بڑی چاہ سے قبول کر رہی تھی، یہ عورت یقیناً ایسی تھی جو ذہنوں پر حکمرانی کر سکتی تھی۔ میں اس سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ قدیم زمانے کی پُراسرار عورت جسے دیوی کی حیثیت سے مجھ سے متعارف کرایا گیا تھا، میں اس سے بے حد متاثر تھا۔

لیکن نہ جانے کیوں میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں نے اسے نہایت بے رحمی سے مسترد کر دیا تھا۔ بہرصورت انیکا میری نگاہوں سے غائب ہو گئی اور میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا۔ میرے بس سے باہر کی بات تھی یعنی مجھے جو شخصیت دی گئی تھی وہ کسی معبد اعظم کی تھی۔ کاہن اعظم کائی سیس۔ زمانہ قدیم میں وہ بجانے کیا ہو گا۔

سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میں اس حیثیت کو غیر فطری طور پر نبھا رہا تھا۔ بجانے کیوں میری زبان وہی کچھ کہہ رہی تھی جو اس دور میں شاید اس کاہن نے کہا ہو گا۔ میری شخصیت میری نہیں رہی تھی۔ لیکن میرے اندر ابھی تک علی رحمان چھپا ہوا تھا۔ میں اس علی رحمان کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا جو جدید انسان کی حیثیت سے سانس لے رہا تھا اور اب اُدیسی کی بدولت زمانہ قدیم میں لوٹ گیا تھا۔ بجانے کونسے عمل کے تحت۔ لیکن بہرصورت علی رحمان بیگ میری اپنی ذات میں زندہ تھا۔

قدیم روم کے کاہن اعظم کائیس کی حیثیت سے مجھ پر بہت سے راز منکشف ہوئے تھے۔ شاید مجھے معلوم تھا کہ سردار منتھم اُولیسی جنگ ٹرائے میں شامل ہونے کے لئے جا چکا ہے اور اس کی بیوی پینی لوپے اور اس کے بچے امراء کی حفاظت میں ہیں۔

اُولیسی کی بیوی پینی لوپی کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ روم میں شاید اس سے زیادہ حسین عورت اور کوئی نہ ہو چنانچہ پینی لوپی۔ بے شمار زبانوں کی زد میں تھی اور یہ زبانیں اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی تھیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی سنا گیا تھا کہ وہ بے حد عفت مآب عورت ہے اور شوہر پرستی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، لوگ شوہر پرستی میں اپنی بیویوں کو پینی لوپی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

نجانے کون کون سے راز تھے جو مجھ پر منکشف ہو چکے تھے۔ جو یوں سمجھا جائے کہ جدید دور کا پروفیسر علی رحمان بیگ قدیم روم کے ایسے ایسے اسرار و رموز سے آگاہ ہو گیا تھا کہ اگر اس کی حیثیت روم کے ان لوگوں کو پتہ چل جاتی تو شاید وہ کاہن اعظم کو زندہ نہ چھوڑتے یا پھر اس سے روم کے راز معلوم کرنے کی انتہائی کوشش کرتے جو روم کی امانت تھے۔

کاہن اعظم کے بعد میں بے شمار اسرار و رموز سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اور ان کا امین میں تھا۔ جسے علی رحمان بیگ کہا جاتا ہے، اپنی اس حیثیت سے میں علی رحمان بیگ کے طور پر بے حد خوفزدہ تھا اور مجھ سے یہ راز سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔

پھر دیوی انیسکا تھی جو میری محبت کا دم بھرتی تھی، علی رحمان بیگ عورت کی دنیا میں اجنبی نہیں تھا اس کے دل میں بھی لاکھوں خواہشیں مچلتی تھیں، وہ بھی حسین عورتوں کا طلبگار تھا اور ان کی معیت میں خوش رہنا چاہتا تھا۔

لیکن کاہن اعظم کائیس کا تقدس اس کے رگ و پے میں اس طرح سرائیت کر گیا تھا کہ اپنی دوہری شخصیت کے باوجود وہ دیوی انیسکا کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ عجیب و غریب حادثہ مجھے کس قدر قدیم دور میں لے آیا ہے کیا میں اس دور کا امین ہو سکتا ہوں۔

اور باقی معاملات بھی کس قدر تعجب خیز تھے، اگر میں یہاں موجود لوگوں کو اپنے بارے میں کچھ بتاتا کہ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ جدید دنیا کا جدید باسی ہوں، اس دنیا کا جو ان کے مستقبل سے بہت دور ہے، تو کوئی بھی میری اس بات پر یقین نہ کرتا سوائے اس کے کہ کاہن اعظم کو پاگل قرار دے دیا جاتا۔

اور یہاں بہت سے ایسے لوگ تھے جو کاہن اعظم سے شدید بغض رکھتے تھے اور ہر قیمت پر اسے نیچا دکھانے کے خواہش مند تھے اور یہ بات بھی کائیس اعظم کی حیثیت سے مجھ پر منکشف ہو گئی تھی۔

چنانچہ میرے لئے لازم تھا کہ میں خود کو سنبھال کر رکھتا اور کوئی ایسا کام نہ ہونے دوں جس سے میرے پیروکار اور میرے مرید مجھ سے بدظن ہو جائیں۔

معبد میں بے شمار لوگ موجود تھے جن میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں، جن میں خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔

وہ حسین لڑکیاں، جن کی خوبصورتی سے میں علی رحمان بیگ کی حیثیت سے متحیر تھا لیکن کاہن اعظم کی حیثیت سے وہ میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

خوبصورت لڑکیاں چن چن کر معبد کی خدمت گار کے طور پر رکھی جاتی تھیں۔ دوسرے معنوں میں وہ کاہن اعظم کی لونڈیاں تھیں۔

وہ کاہن اعظم کی خدمت کرنا خود کے لئے نجات سمجھتی تھیں۔ خواہ یہ خدمت کسی بھی قسم کی ہوں، کاہن اعظم کے جوتوں کی گرد صاف کرنے کا کام اگر کسی لڑکی کو مل جاتا تو وہ خود کو خوش نصیب تصور کرتی تھی۔

میں اگر چاہتا تو میری خلوت ہر رات کسی نئی لڑکی سے جگمگا رہی ہوتی۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ یہ لڑکیاں خود کو خوش بخت تصور کرتیں۔

میری شکل و صورت بھی اتنی خوبصورت تھی کہ میں اپنی طرف دیکھنے والوں اور والیوں کی نگاہوں میں اس پیار کا جذبہ ہمیشہ محسوس کرتا تھا جو ان کی نگاہوں سے ٹپکتا تھا۔

خود جب بھی میں آئینہ دیکھتا تو مجھے بھی حیرت ہوتی، اور میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش پیدا ہوتی کہ کاش علی رحمان بیگ بھی اتنا ہی خوبصورت ہوتا، کاش ۔ ۔ ۔ میری اصلی صورت بھی یہی ہوتی کاش۔

اگر میں یہ شکل و صورت لے کر مہذب دنیا میں چلا جاتا تو مہذب دنیا کی لڑکیاں بلکہ بے باک لڑکیاں میرے لئے آپس میں قتل و غارت گری شروع کر دیتیں لیکن افسوس۔ افسوس کہ یہ صورت مستعار تھی اور یہ حیثیت بھی ۔ ۔ ۔

اور جس حیثیت میں، میں تھا اس حیثیت میں لڑکیوں کے بارے میں سوچنا بھی گناہ کے مترادف تھا۔

اگر مجھے کسی لڑکی کے بارے میں سوچنا تھا تو وہ دیوی انیسکا تھی۔ جو مجھ پر بھرپور حق رکھتی تھی اور جو اپنے آپ کو میرا حقدار سمجھتی تھی۔

لیکن میں تو اس کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا اور جس طرح میں نے اسے ٹھکرا دیا تھا مجھے اس کا بے حد دکھ تھا۔

دیوی انیکا لاکھوں دلوں کا ارمان، ہزاروں دلوں کی دھڑکن لیکن ہزاروں کی پسند ہونے اور لاکھوں کے دلوں میں جگہ رکھنے کے باوجود وہ مجھے چاہتی تھی، میری پوجا کرتی تھی۔

میں نے جس انداز میں اسے ٹھکرایا تھا اس کے جانے کے بعد مجھے اس کا افسوس ہونے لگا لیکن دل کے اندر سے یہ آواز اکثر کانوں میں گونجتی محسوس ہوتی تھی کہ مقدس کاہن اعظم تم مقدس ہو، ان ریاکاریوں سے پاک، دنیاوی جھگڑوں سے آزاد، تم اس حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔

تمہارے لاکھوں دشمن تمہارے اوپر نشتر زنی کریں گے اور اگر تم بہک گئے تو پھر روم میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

چنانچہ میں خود کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن رات کی تنہائی میں میں نے اڈلیسی کے اس کام کے بارے میں سوچا جو اس نے کیا تھا۔ اور اب تو روم میں اڈلیسی بھی نہیں، لیکن یہ تو قدیم دور ہے اور اڈلیسی تاریخ دوہرا رہا ہے، میں اسے کہاں تلاش کروں، میں نے اڈلیسی کو اپنی خلوت میں آواز دی، اسے پکارا اور اس سے کہا۔

" اودلیسی میں نے تمہارا روم دیکھ لیا، اب مجھ سے بات کر، مجھے بتا کہ میرا مستقبل کیا ہے اور کاہن اعظم کی حیثیت سے میں کس طرح واپس آسکتا ہوں، مزید یہ کہ مجھے اس حیثیت سے یہاں کی عورتوں سے کیسا سلوک کرنا چاہیئے، میں کمزور دنیا کا ایک بدنام انسان ہوں۔ اور خود کو کسی بھی طور سنبھالے نہیں رکھ سکتا، ایسا نہ ہو کہ ایک وہ کاہن اعظم اپنی راہ سے بھٹک جائے اور روم کی مستقبل کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو جائے۔ کیا میں اس تاریخ کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہوں؟

کیا میں تاریخ کو بدلنے کا گناہ گار نہیں کہلاؤں گا۔۔۔؟

لیکن مجھے کچھ پتہ نہ چلا اور نہ ہی میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ اودلیسی کہاں غائب ہو گیا تھا۔

اودلیسی تو مجھے ایک مجسمے کی حیثیت سے یہاں لایا تھا، ایک سنگی مجسمے کی حیثیت سے۔ پھر وہ کہاں گیا۔ کہاں چلا گیا، وہ کب واپس آئے گا۔۔۔!

لیکن یہ سوال اب میں کس سے پوچھ نہیں سکتا تھا، کون جواب دیتا، میری شخصیت سے تو یہاں صرف ایک شخص واقف تھا اور وہ تھا... بنتھم اودلیسی۔۔۔

بہر صورت اس نئی دنیا کے نئے اسرار مجھے اچھے بھی لگے تھے کاہن اعظم کی حیثیت سے جو راز مجھ پر منکشف ہوئے تھے۔ ان میں روما کی دلکش شخصیت جھانک رہی تھی، روما کے محلوں میں جو سازشیں ہو رہی تھیں وہ سب میرے علم میں تھیں اور لطف کی بات یہ تھی کہ بڑے بڑے امراء مجھے اپنا رازدار سمجھتے تھے اور مجھ سے مشورہ لینا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔

لیکن علی رحمان بیگ۔۔۔ اس حیثیت سے میں انہیں کیا مشورہ دے سکتا تھا۔

ہاں کاہن اعظم کائلیس کی حیثیت نے میرے ذہن میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کی، میں ان باتوں سے آشنا ہو گیا جن سے ناآشنا تھا۔ ناممکن میرے لئے ممکن تھا اور اب میں جس حیثیت میں تھا وہ علی رحمان بیگ کی حیثیت سے میرے لئے بہت کچھ تھا۔

نئے دور کی نئی رات میں نے انتہائی تکلیف و پریشانی سے گزاری، حالانکہ میری خوابگاہ اتنی خوبصورت تھی کہ میں نے زندگی میں کبھی اس کا تصور نہیں کیا تھا، اتنے آرام دہ بستر میں میں کبھی نہیں سویا تھا کبھی میں نے اس حسین محلسرا کا تصور بھی نہیں کیا تھا جس میں مقیم تھا اس پرانے دور میں جو چیزیں موجود تھیں ان کا تصور شاید اس نئے دور میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جدید دور نے جہاں دنیا کو آرام و آسائش مہیا کیا وہاں بہت ساری مشکلات بھی دیں جدید دور نے دنیا کو آرام و آسائش سے قریب بھی کر دیا۔ اس دور میں بھی بہت سی ایسی چیزیں ایجاد ہو گئی تھیں جو انسانی زندگی کے لئے بہت اہم حیثیت رکھتی تھیں۔

لیکن قدیم دور میں ان چیزوں کی نوعیت دوسری تھی اور میں انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

میرے علم میں اس دور کی ایک ایک چیز آتی جا رہی تھی، اور ذہن نشین بھی ہوتی جا رہی تھی۔

رات کے نجانے کون سے پہر تک میں جاگتا رہا، کئی بار میں نے اودلیسی کو پکارا لیکن جواب کون دیتا، اودلیسی تو جنگ رکنے پر گیا ہوا تھا۔ عجیب صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اب اگر میں اپنی دنیا میں واپس جانا بھی چاہتا تو کیسے جاتا، مجھے اس کے بارے کوئی علم نہیں تھا کہ میں اپنی اصل حیثیت میں کیسے آؤں اور اگر اودلیسی کہیں چلا ہی گیا تو پھر کیا ہوگا۔

گومگو کی کیفیت میں رات کے آخری پہر میں مجھے نیند آگئی۔

اور صبح جب میں جاگا تو سورج چڑھ چکا تھا۔

شاید یہ بات کاہن اعظم کے روزمرہ کے معمولات کے خلاف تھی کیونکہ جب میں اپنے کمرے کے دروازے سے نکلا تو معبد کے تمام شیدائی انتظار میں دروازے کے قریب سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔

میں چونک پڑا۔

میں نے اپنے ذہن پر کاہن اعظم کے معمولات کو تلاش کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اس طرح سے بیٹھنا روزمرہ کے معمولات میں شامل نہیں ہے، پھر یہی ہو سکتا ہے کہ میرے دیر سے جاگنے کی وجہ سے وہ پریشان ہو کر یہاں آنکلے ہوں اور میرے بارے میں معلوم کرنے کی جرأت نہ رکھ سکتے ہوں اور یہاں دھرنا دے کر بیٹھ گئے ہوں۔

جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ان کے چہروں پر رونق واپس آگئی اور ان کے منہ سے خوشی کی آوازیں نکلیں، ان نے مجھے سلام کیا اور ان میں سے دو افراد نے آگے بڑھ کر مجھ سے میری خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہوں، رات کو کچھ تکلیف محسوس کرتا رہا اور صبح کو کچھ دیر ہو گئی، صرف اس وجہ سے کہ نیند گہری ہو گئی تھی۔"

"مقدس کاہن کائیس ہمارے لئے حکم صادر کرے۔"

"کچھ نہیں، بس تم لوگ جاؤ اور اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہو جاؤ، اب میں ٹھیک ہوں۔"

میں نے جواب دیا اور لوگوں کا ہجوم واپس پلٹ پڑا۔ تب میں نے سوچا کہ یہ بات تو درست نہیں ہے۔ کائیس کے جو معمولات ہیں انہیں اسی کے مانند انجام دینا چاہیئے، اسی میں اپنی زندگی کی حفاظت بھی ہے اور اپنے وقار کی بھی ورنہ یہ لوگ جان جائیں گے کہ میں کائیس کے روپ میں کوئی اور شخص ہوں۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا، ممکن ہے میری توقع کے خلاف ہو، چنانچہ خود کو سنبھالے رکھنا بہتر ہے۔

میں یہ سب باتیں سوچ رہا تھا پھر میرے روزمرہ کے معمولات شروع ہو گئے اور ان میں عبادت، عبادت کا ثواب، عبادت گاہ کی ضروریات کا خیال اور ایسے ہی بہت سارے کام شامل تھے جو مجھے کرنا ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ میرا کوئی کام نہیں تھا، سوا اس کے کہ اگر کوئی امیر میرے پاس اپنے کسی مسئلہ کا حل معلوم کرنے آئے تو میں اسے بہترین مشورہ دوں اور یہ پورا دن انتہائی سکون سے گزر گیا۔

دن کے معمولات میرے لئے غیر دلچسپ نہیں تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہاں قدم قدم پر بکھرا ہوا حسن نگاہوں کو بڑی فرحت بخشتا تھا اور میں یہاں خوش تھا۔

بس تردد تھا میرے ذہن میں تو وہ صرف یہ کہ اگر میں جدید دور میں جانا چاہوں تو اس کا طریقہ کار کیا ہو گا اور ایسی کب میرے پاس آئے گا۔

بہر صورت قدیم دور میں میں زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا، اور یہ سلسلہ زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیئے تھا، میری سوچ میرے ذہن کو الجھائے رہتی تھی۔ پھر رات آگئی اور میں اپنی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

اور اس کے بعد یہ معمولات میری زندگی بن گئے کبھی کبھی تو اس سلسلے میں حد سے زیادہ اکتاہٹ محسوس ہوتی تھی، غالباً مجھے اپنے اس قدیم دور سے آئے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا۔

اس ایک ہفتے کے دوران کوئی ایسی انہونی بات نہ ہوئی تھی جو مجھے خاص طور سے متاثر کرتی۔۔۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جبر محبت کرنے والوں کی تعداد بہت کافی ہے اور وہ میرے نگاہ کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔

اس دوران امراء بھی اپنا کوئی مسئلہ لے کر میرے پاس نہیں آئے تھے چنانچہ فرصت ہی فرصت تھی۔

چند لوگ یہاں میرے مصاحبوں کی حیثیت رکھتے تھے، اور جب بھی میں بالکل ہی خالی ہوتا وہ میرے نزدیک آبیٹھتے اور مجھ سے اہل روم کی باتیں کرنے لگتے، نجانے کون کون سے قصے وہ مجھے سناتے ان میں میں سب کے نام سے واقف تھا لیکن تقریباً سب کی صورتیں میری نگاہوں سے پنہاں تھیں میں سوچتا کہ اگر یہ لوگ میرے سامنے آئے تو میں ان کو کس طرح پہچانوں گا۔

تقریباً بارہ، پندرہ دن گزر گئے تھے کہ ایک امیر میرے سامنے اپنا مسئلہ لے کر آیا وہ میرے سامنے آیا۔ تو اس کا نام خودبخود میرے ذہن میں آگیا۔

اس کا نام ہیرو شا تھا۔

ہیرو شا کا مسئلہ ایک دوسرے شخص سے الجھا ہوا تھا، میں نے اسے سنا اور پھر دوسرے آدمی کو بھی طلب کر لیا۔

دوسرے دن وہ دونوں میرے پاس پہنچ گئے اور میں نے ان کا مسئلہ حسب معمول طے کرا دیا، مجھے خود اپنی فراست پر حیرت تھی، ایسے معاملات سے تو میں کبھی بھی منسلک نہیں رہا تھا، لیکن اس سلسلے میں میں نے جتنا خوبصورت فیصلہ دیا تھا وہ ان لوگوں کے لئے قابل قبول تھا اور یوں وہ دونوں خوش خوش واپس چلے گئے۔

دن رات اسی طرح گزرتے رہے، میں حساب بھی نہ رکھ سکا کہ اتنا عرصہ کیونکر گزر گیا، اب تو میں اس ماحول اور اس زندگی کا عادی ہوتا چلا جا رہا تھا، امراء اپنا اپنا کاروبار کر رہے تھے۔

اور میں مقدس معبد میں کاہن اعظم کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا کسی کو کوئی شبہ نہ ہو سکا کہ میری شخصیت

کچھ بدلی ہوئی ہے، لوگ میرے نام کی پوجا اسی طرح کرتے تھے۔ انیکا
اس دوران ایک بار بھی نہیں آئی تھی۔

ہاں ایک دن وہ آگئی۔ مجھے حسبِ معمول اطلاع ملی کہ دیوی
انیکا کاہن اعظم کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئی ہے، نجانے کیوں
میرے ذہن میں ایک الجھن سی پیدا ہوگئی، میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس
حسن کی دیوی کو بڑے پیار سے خوش آمدید کہوں۔ اس کی قربت میں
کچھ وقت گزاروں، یہ میری دلی خواہش تھی، لیکن یہ خواہش میرے اندر
کے اصلی علی رحمان بیگ کی تھی، کاہن اعظم کی نہیں اور میں اپنی دوسری
شخصیت کے اظہار اس طرح سے نہیں کر سکتا تھا، ہاں جو فریب
میرے ذہن میں پیدا ہوا تھا وہ انیکا سے نفرت کا تھا اور اس نفرت
کی وجہ میری اپنی دوسری شخصیت تھی جو مجھ پر مسلط کی گئی تھی۔ میرا بس
چلتا تو میں انیکا کو اٹھا کر اپنی دنیا میں لے جاتا۔۔۔ اور اس کے
ساتھ اپنی پوری زندگی گزار دیتا۔ لیکن کیا کرتا، اس شخصیت نے مجھے
بہت کچھ بھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بہرصورت معبد کے عقبی حصے میں میں نے انیکا کو خوش آمدید
کہا اور اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لے آیا۔

حسن کی دیوی، سفید لباس میں سنگ مرمر کی مورت نظر آرہی
تھی، میں اسے دیکھ کر دل پکڑ کر رہ گیا ہے۔

دل ہی دل میں میں نے سوچا کہ علی رحمان بیگ چھوڑو ان
ساری باتوں کو زیادہ سے زیادہ یہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے،...
کاہن اعظم کی حیثیت بدنام ہو جائے گی، لیکن اس عورت کی قربت
سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہے، چنانچہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیل گئی۔ اور دیوی انیکا میری طرف طنزیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

پھر اس نے اپنے لال لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"کاہن اعظم تیری اس مسکراہٹ میں ایک ایسا فریب ہے جو تو نے
اس سے پہلے مجھے کبھی نہیں دیا۔"

"فریب؟" میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ہاں کاہن اعظم، کیا میرے لئے تیرے ہونٹوں کی یہ مسکراہٹ
فریب کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔؟"

"تو مجھ سے بدظن ہے انیکا؟" میں نے کہا۔

"بدظن نہ کہو، مایوس ہوں" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ تم اپنے تقدس کے پیراہن میں اس قدر لپٹے
ہوئے ہو کہ تمہارے جسم کا کوئی عضو کبھی اس سے باہر نہیں جھانکتا۔"

"کیا تو چاہتی ہے انیکا کہ میں اپنا تقدس توڑ دوں؟"

"ہاں" اس نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں۔ انیکا کیوں؟"

"اس لئے کہ یہ ایک عورت کی خواہش ہے۔"

"اور عورت کی خواہش کبھی قابلِ قبول نہیں ہوتی؟"

"نہیں کاہن اعظم یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر جو بات ہے وہ تم مجھے بتا دو انیکا؟"

"کاہن اعظم اگر تم ایک مقدس حیثیت رکھتے ہو تو تمہیں ہر خواہش
کا احترام کرنا چاہیئے۔"

"ہاں۔ ہر وہ خواہش جو کسی طور مذہب کے خلاف نہ ہو۔"

"نہیں کاہن اعظم۔ انسان نے مذہب کو خود اپنی ذات پر
مسلط کیا ہے، مذہب نے کب یہ بات کہی ہے کہ تم تارک الدنیا
ہو کر انسانوں کے خود پر حقوق کو فراموش کر دو، ان کی خواہشات کو پامال
کر دو کہ ان کی سسکیاں بھی تمہیں سنائی نہ دیں۔"

"ٹھیک ہے انیکا، لیکن میرے سپرد جو کام ہے میں اسے
انجام دینے میں ہی اپنی عافیت اور بہتری سمجھتا ہوں۔"

"غلط، تم نے اپنا کام خود منتخب کیا ہے کاہن اعظم، اگر تم
کاہن ہو، اگر تم دوسروں کے لئے مقدس ہو تو تم انیکا کی طلب ہو۔
مجھے بتاؤ دوسروں کو خوش کر کے تم اپنی ذات کو خوش رکھتے ہو، لیکن تم
اس بات کو بھول جاتے ہو کہ کوئی اور بھی ہے جو تمہارے فراق میں دن رات
آہیں بھرتی ہے جو تمہارے لئے تڑپتی ہے۔"

"انیکا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو مجھے ذہن سے نکال
دے، میں تیرے قابل نہیں ہوں تو میرے تقدس کو پامال کرنا چاہتی
ہے اور میں تجھے اس کی اجازت نہیں دوں گا اور نہ ہی کبھی تیرے
قریب میں آنے کی کوشش کروں گا۔"

"فریب۔۔۔ فریب کا لفظ تم نے شاید انتقاماً استعمال کیا ہے۔
کاہن، ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے لئے فریب نہیں
ہوں، میں تمہیں خلوص دل سے چاہتی ہوں اور میں نے کبھی تمہارے
بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا کہ تمہیں کسی طور فریب دوں، ورنہ
تم جانتے ہو کہ لوگ مجھے حسن کی دیوی کہتے ہیں، میں تمہارے خلاف
ایک ایسی سازش تیار کر سکتی ہوں کاہن اعظم کہ تم اس کے جال میں
میں پھنس کر رہ جاؤ گے اور پھر اس جال سے نکلنا تمہارے بس کی
بات نہ ہو گی۔"

"اوہ انیکا، تو کیا تو آج مجھے دھمکیاں دینے آئی ہے۔"

"نہیں اپنی محبت مانگنے۔"

"تو کیا محبت اسی طرح طلب کی جاتی ہے؟"

"نہیں کاہن اعظم لیکن ۔۔۔ یہ تم۔۔ یقین نہیں کرو گے کہ میں دن اور رات تمہارے لئے تڑپتی ہوں میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں کاہن اعظم کچھ اس طرح کہ مجھے اپنی زندگی اجیرن معلوم ہوتی ہے، نہ موت ملتی ہے نہ زندگی مجھے بتاؤ میں کیا کروں، میں خود بھی تو پریشان ہوں۔ اگر اس پریشانی میں، میں تمہیں کچھ ایسی باتیں کہہ دیتی ہوں، تو کیا یہ میرا حق نہیں ہے؟" انیکا نے کہا۔

"ٹھیک ہے انیکا، لیکن تو جانتی ہے کہ میرا جواب صرف ایک ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ میں صرف ایک کاہن ہوں، دنیا کی حرارتوں سے دور، دنیاوی غلاظتوں سے پاک، دنیا کی مصیبت سے دور۔ میری دلی دعا ہے کہ تو مجھے اپنی زندگی سے نکال دے اور کسی اچھے شخص کو اپنی زندگی کا ساتھی بنالے۔"

"وہ شخص تمہارے علاوہ کوئی نہ ہوگا کاہن اعظم یہ میرا فیصلہ ہے۔" انیکا خلوص لہجے میں بولی۔

"تو یہ فیصلہ بدل دے انیکا میں تجھ سے پھر کہتا ہوں کہ تو یہ فیصلہ بدل دے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"فیصلے ۔۔۔ فیصلے بدلنے کے لئے نہیں کئے جاتے ۔۔۔۔ کاہن اعظم، ہزاروں خیالات کو بنانے اور بگاڑنے کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے اور سوچ کی اس یلغار کو صرف ہاں اور نہیں کہہ کر ختم نہیں کیا جاسکتا اور ہاں اگر اپنے فیصلوں پر عمل نہ کیا جائے تو پھر مٹ جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ میں کبھی اتنی بے بس نہیں ہوئی تھی لیکن میری خواہش ہے کہ میں آخری کوشش اور کر دیکھوں، اور آخری کوشش کا میں نے ابھی کوئی تعین نہیں کیا ہے۔" انیکا نے کہا۔ اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس عورت کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ علی رحمان بیگ میرے اندر چیخ چیخ کر سر پٹخ رہا تھا کہہ رہا تھا کہ اسے قبول کرلے، کاہن اعظم کی حیثیت سے ہی اگر تو علی رحمان بیگ ہی ہوتا تو یہ عورت کبھی تیری طرف توجہ ہی نہ دیتی، لیکن کاہن اعظم کی حیثیت سے جب وہ تیری طرف متوجہ ہے تو تو اسے کیوں ٹھکرا رہا ہے۔

اور میں شدید کشمکش کا شکار ہوگیا۔

"کاش تو تقدس کے پردوں سے باہر جھانک کر بھی دیکھ لے۔۔۔ کاش تیری نگاہیں اس دل کا جائزہ بھی لے لیں جو تیری محبت میں تڑپ رہا ہے کائی میس انیکا تیرے بغیر زندہ نہیں رہے گی یہ اس کا فیصلہ ہے۔"

اور میرے دل نے یکبارگی مجھے مجبور کیا کہ میں بڑھ کر اسے آغوش میں لے لوں میں نے چند قدم آگے بڑھائے۔ اور انیکا کے مقابل پہنچ گیا لیکن اسی وقت میرے دماغ نے مجھے وارننگ دی۔

"نہیں یہ تیری حیثیت ختم ہو جائے گی۔ تو ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ روما کے امراء تیرا چہرہ سیاہ کردیں گے اور تو کبھی سرخرو نہ ہوسکے گا۔ خود کو سنبھال علی رحمان۔ خود کو سنبھال کائی میس ورنہ۔ ورنہ تیری زندگی ابھی خطرے میں پڑ سکتی ہے کیونکہ تو اس وقت اپنی اصلی حیثیت میں نہیں آسکے گا جب تک اوڈیسی جنگ سے واپس نہ آجائے۔

اور میں نے انیکا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میری نگاہیں دلوں کا جائزہ لے سکتی ہیں انیکا۔ کاش تو کسی ایسے انسان سے پیار کرتی جو تیرے لئے قابل حصول ہوتا۔ اگر لوگ تجھے اس کے قریب نہ پہنچنے دیتے تو یقین کر تیرا سب سے بڑا مددگار کائی میس ہوتا۔"

"یہ سب بیکار باتیں ہیں جن سے میں متاثر نہیں ہوسکتی۔"

"کیا مطلب؟"

"تو تقدس کی آڑ سے دیکھتا ہے کائی میس۔"

"کیا یہ میری خامی ہے؟"

"ہاں!"

"نہیں انیکا میں بھی جوان ہوں۔ ایک انسان کی حیثیت سے میری محبت مجھے راستے سے بھٹکاتی ہے لیکن روما کے لوگ کاہن اعظم پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کا تقدس پامال ہوگیا تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔"

"ہوں" میں جانتی ہوں تجھے ان کے دلوں کی پرواہ نہیں ہے۔" انیکا نے طنز بھرے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"پھر تو کیا کہنا چاہتی ہے۔"

"تو صرف خوفزدہ ہے کاہن اعظم۔"

"کس لئے۔؟"

"روما کے لوگوں سے۔ تو جانتا ہے کہ اگر تو نے چولا بدل لیا تو وہ تیری زندگی اجیرن کردیں گے۔!"

"اگر تیرا یہ خیال ہے تب بھی میں تجھے نہیں اپنا سکتا۔"

"تو بزدل ہے کاہن اعظم۔"

اپنی زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی۔"

"لیکن اگر تو چاہے تو میں تجھے تیری زندگی کی ضمانت دے سکتی ہوں۔"

"وہ کس طرح انیکا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے اپنے ذرائع ہیں۔"

"کیا مجھے ان کے بارے میں نہ بتاؤ گی؟"

"نہیں۔"
"کیوں؟"
"اس لئے کہ ابھی تیرے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"
"ایک بات کا جواب دے انیکا۔" میں نے کہا اور وہ بھنویں اچکا کر تیکھے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔
"کیا میں ایک ایسے مرد کی حیثیت سے تجھے قبول ہوں گا جو تیرے سہارے سے زندگی بسر کرے۔ کیا تو مرد کے تحفظ کو قبول کرنے کے بجائے ایک ایسے مرد کو قبول کرے گی جو تیرے تحفظ میں ہو۔ روما کی عورتوں کے لئے تو یہ بڑے شرم کی بات ہوتی ہے۔"
"دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں یہ رسوائی بھی قبول کر لوں گی۔"
"لیکن مجھے کیا ملے گا انیکا۔ میری حیثیت کیا ہوگی؟"
"تیری عزت میں کروں گی تیری پرستار میں ہوں۔"
"نہیں انیکا یہ انہونی ہے اور ہمیشہ انہونی رہے گی میرا مشورہ ہے اس سلسلے کو ذہن سے نکال دے۔"
"بزدل انسان۔ لوگوں نے تجھے غلط کاہن بنا لیا ہے۔ جو دل انسانوں کی محبت سے اس قدر دور ہو۔ وہ دیوتاؤں کے قریب کس طرح ہو سکتا ہے۔"
"تو مسلسل میری توہین کر رہی ہے۔"
"اور تو مسلسل میرا مذاق اڑا رہا ہے۔"
"بہتر یہ ہے انیکا۔ کہ تو اس طرح میرے پاس نہ آیا کر۔"
"مجھے منع کرے گا۔ یہ معبد اہل روما کے لئے ہے اور یہاں آنے کا حق سب کو حاصل ہے۔ تو اور تو میں ... میری محبت کو دشمنی میں بدل دیا ہے کاہن اعظم۔"
"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے انیکا۔"
"میں جا رہی ہوں کاہن اعظم۔ لیکن اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ اپنی محبت سے مایوس ہو کر میں تیری دشمن بن جاؤں گی۔ اور میری دشمنی ۔۔۔"
"مجھے قبول ہے انیکا۔ اب تو جا۔"
"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔ اور اب اپنی محبت کی بھیک مانگنے تیرے پاس نہیں آؤں گی۔ لیکن ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ لیکن ۔۔۔"
اس کی آواز میں غراہٹیں ابھر آئیں اور پھر وہ ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی واپس چلی گئی اور میرے ذہن میں بے شمار الجھنیں چھوڑ گئی۔
اس کے جانے کے بعد میں خود پر لعنت ملامت کرنے لگا۔ علی رحمان بیگ۔ یہ موقع بھی تم نے چھوڑ دیا۔ اب لعنت ہے تم پر ... اور اس رات میں نے بہت کچھ سوچا میں کشمکش کا شکار رہا
تھا۔ میں جو کچھ بھی تھا ... لیکن خود کو اس عورت سے ... لیکن میری کیفیت۔ اس وقت جب میں نے سوچا تھا کہ میں بڑھ کر اسے آغوش میں لے لوں تو میری حالت ایک دم بدل کر رہ گئی تھی۔
اور اس کی وجہ۔ صاف ظاہر تھا کہ اوڈیسی ہوم کی تاریخ میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے دے سکتا تھا۔ اگر میں بھی رحمان بیگ کے ذہن سے سوچ کر انیکا کو اپنا لیتا تو میری شکل تو کاہن اعظم کی ہی ہوتی۔ اور ایسا تاریخ میں نہ ہوگا۔ کاش میں اس دور کی تاریخ سے واقف ہوتا تو مجھے کوئی مشکل پیش نہ آتی اور میں اپنے لئے صحیح راستے کا تعین کر لیتا۔ بہرحال بہتر یہی تھا کہ میں اپنے آپ پر قابو رکھوں کیونکہ یہ سب کچھ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔
دوسرے دن وہی معمولات تھے۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ انیکا مجھے جو دھمکیاں دے گئی تھی۔ اس کا مجھ پر کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن اس دن ۔۔۔ سورج کے نصف سفر کے بعد میرے سرمدیوں نے مجھے ایک ہستی کی آمد کی اطلاع دی۔
"کون ہے وہ؟"
"اناک اوڈیسی کی بیوی پنی لوپی۔"
"اوہ پینیلوپ اوڈیسی کی بیوی کو میری ضرورت کیوں پیش آئی۔ تاہم وہ کہاں ہے اور اس نے کیا کہا ہے؟"
"اس نے کہا ہے کاہن اعظم کہ تنہائی میں آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہے۔"
"تب اسے یہاں لے آؤ۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد پنی لوپی میرے کمرے میں آگئی۔ کمرے میں جیسے روشنی بکھر گئی تھی ایسی مقدس ایسی پاکیزہ شکل تھی کہ آنکھوں کو خود میں جذب کر لیتی تھی۔
لیکن میرے ذہن میں غلط جذبات نہ لگے بلکہ ایک تقدس آمیز محبت میرے سینے میں ابھر آئی اور میں نے بڑے پیار سے اسے بلایا۔
"آؤ پنی لوپی کہو کیا بات ہے۔ اوڈیسی میرا پیارا دوست ہے اور تم اس کی عزت ... "
"میں آپ کے پاس ایک خاص کام سے آئی ہوں کاہن اعظم۔"
"کہو۔ کیا بات ہے؟"
"اپنا مدعا عرض کرنے سے پہلے میں ایک التجا اور کروں گی مقدس کاہن ... وہ یہ کہ جو کچھ میں کہوں صیغہ راز میں رہے؟"
"کاہن ... کا سینہ رازوں کا مقبرہ ہے۔"
"شکریہ ... اوڈیسی کی روانگی کے بعد روما کے حالات میں آپ نے کوئی خاص تبدیلی محسوس کی ہے؟"
"میں نے غور نہیں کیا۔"
"اس کا مطلب ہے کہ آپ معبد کے باہر کے معاملات

سے بے خبر ہے۔"

"ہاں۔ کچھ یونہی۔ ہے۔"

"لیکن میں محسوس کرتی ہوں کاہن اعظم۔ کہ آپ کی نگاہوں کو معبد سے باہر بھی جھانکنا چاہئے۔ روم کے امراء اوڈلیسی سے خوش نہ تھے۔ کیونکہ وہ حق گو اور سچا تھا۔ اور جو غیب بوں کا حامی تھا۔ اس نے ان امراء کو ان کی بدنیتی کے ساتھ کبھی ابھرنے نہ دیا۔ اور وہ ہمیشہ اس کے مخالف رہے۔ لیکن اوڈلیسی مضبوط تھا اور ان کی زبانیں بند۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ جنگ ٹلتے اوڈلیسی کے لئے ... سازگار نہ ہوگی۔"

"یعنی؟" میں نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"دیوتا اوڈلیسی کی نگہبانی کریں۔ ان کا خیال ہے کہ جنگ میں اوڈلیسی فتح سے ہمکنار نہ ہوگا اور روم کو اس کا نعم البدل تلاش کرنا ہوگا۔"

"اور اس کا جانشین؟"

"وہ ایک عیش کوش انسان ہے۔ اور صرف روم میں رہتا ہے۔"

"تمہارے احکامات بھی نہیں مانتا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ چند امراء کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا ہے۔ ایسی صورت میں کاہن اعظم تمہارا اہم کردار ہونا چاہیئے۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"اوڈلیسی کے بعد تمہاری آواز سب آوازوں پر بھاری ہے۔ اور ... مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت ہے!" پینی لوپی نے کہا۔

"تمہیں؟"

"ہاں۔ مجھے!" پینی لوپی نگاہیں جھکا کر بولی۔

"تمہیں ان سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟"

"ہاں کاہن اعظم!"

"اور وہ خطرہ کیا ہے؟"

"چند الفاظ میرے معتبروں نے میرے کانوں میں ڈالے ہیں اور یہ الفاظ امراء کی ایک محفل میں کہے گئے ہیں۔"

"وہ الفاظ کیا ہیں پینی لوپی؟"

"امراء کی ایک محفل میں چند افراد موجود تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ تب کسی نے کہا کہ اوڈلیسی مارا گیا تو روم کی سربراہی کے علاوہ ایک اور مسئلہ بھی روم کے امراء کے لئے خون ریز ہوگا۔ اور وہ مسئلہ اوڈلیسی کی بیوی پینی لوپی ہے۔ تب اکثر امراء ہنسنے لگے اور کسی دوسرے نے کہا۔

"کیوں۔ وہ مسئلہ کیا ہے؟"

"اس لئے کہ اس کا حسن بھی روم کے تخت سے کم دلکش نہیں ہے۔ اور اس بات پر بحث بڑھتے بڑھتے تکرار تک پہنچ گئی۔ سنا یہ ہے کہ امراء کی تلواریں بھی نکل آئی تھیں۔ کیا یہ صورت حال میرے لئے تشویشناک نہیں ہے کاہن اعظم؟"

"ہاں۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان احمقوں نے یہ کیوں سوچ لیا کہ اوڈلیسی واپس نہیں آئے گا؟"

"میں نہیں جانتی۔ ..." پینی لوپی ایک سسکی لے کر بولی۔

"محل میں تو تمہارے وفادار موجود ہیں۔"

"آہ۔ کاہن اعظم یہ نہ کہو۔ کل ہی سارا باطوش مجھ سے ملاقات کے لئے آیا تھا۔ یہ شخص آنکھوں سے ہی کینہ پرور اور غلیظ انسان نظر آتا ہے۔ مجھ سے ملاقات بھی بے مقصد تھی اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب وہ میرے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر اس سے ملاقات کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔"

"گویا تمہاری اجازت کے بغیر؟"

"ہاں!"

"کیا گفتگو کی اس نے تم سے؟"

"نہایت بے ربط اور گستاخانہ۔" پینی لوپی نے جواب دیا۔

"کیا وہ اس سے قبل تم سے مل چکا ہے؟"

"کبھی نہیں۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس وقت بھی اس محفل میں شریک تھا جب میرے بارے میں گفتگو ہوئی تھی۔"

"گویا وہ اس محفل کی گفتگو کی تصدیق کرنے آیا تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کاہن اعظم!"

"بعد میں کیا تم نے ان لوگوں سے باز پرس نہ کی، جو اس بات کے ضامن ہیں کہ لوگ تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے پاس نہ آئیں؟"

"ہاں میں نے ان سے بات کی لیکن سب ایک دوسرے کے اوپر الزامات لگانے لگے اور یہ ظاہر ہو گیا کہ باطوش نے انہیں دولت کی چمک سے مرعوب کیا اور وہ اس کی باتوں میں آ گئے۔"

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو پینی لوپی؟"

"کاہن اعظم۔ مجھے آپ کی پناہ درکار ہے۔ آپ اوڈلیسی کا وقار بحال کریں اور اس کی عزت کا تحفظ کریں۔"

میں کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بلاشک میں علی حمان بیگ کے نہیں بلکہ کائی بیس کے دماغ سے سوچ رہا تھا اور میرے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ تب میں نے اس سے تسلی کے الفاظ کہے۔

"تو فکر نہ کر پینی لوپی میں حالات کو ٹھیک کر لوں گا۔" اور اسے تسلی تشفی دے کر میں نے رخصت کر دیا۔ پھر دوسرے دن ہی سے میں نے عمل شروع کر دیا۔ اہل روم ابھی میری طرف سے بدظن نہیں تھے۔

وہ میری بات کا احترام کرتے تھے۔

چنانچہ دوسرے دن میرے بیٹے معبد میں میری پیش گوئی جو دیوتاؤں کا خواب تھی گردش کرنے لگی اور اس کے بعد بات معبد سے نکل کر باہر پھیل گئی میں نے کہا تھا کہ جنگ ٹرائے میں اوڈیسی شاندار فتوحات سے دوچار ہوا ہے اور بہت جلد وہ ایک فاتح کی حیثیت سے واپس آئے گا۔"

یوں لگتا تھا جیسے جنگ کے حالات سے اہل روم قطعی ناواقف تھے اور ان اطلاعات کا ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے میری پیش گوئی بڑی کارآمد ثابت ہوئی اور اہل روم کی سازشیں دب گئیں۔ اوڈیسی کی واپسی ان کے لئے موت کا پیغام لا سکتی تھی۔ ایک دم سازشیں ختم ہو گئیں اور سب کان دبا کر بیٹھ گئے۔

پینی لوپی کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ بہرحال اس نے شکر گزاری کے لئے مجھے محل میں دعوت دی اور میں نے قباحت نہ سمجھی۔ اس نے اپنے کمرۂ خاص میں میرا استقبال کیا اور اس کے بچے بھی وہاں موجود تھے۔

سب سے بڑا بیٹا کلاڈ بے حد خوبصورت اور باپ کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے بچوں سے میرا تعارف کرایا اور پھر میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے نہایت خوش اسلوبی سے امراء کی سازشوں سے بچا دیا ہے۔"

"لیکن۔۔۔" اس نے کہا۔ "اوڈیسی کے لیے پریشان ہوں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی وجہ میرے بھیانک خواب ہیں۔"

"کیا خواب دیکھے ہیں تم نے پینی لوپی؟"

"میں نے دیکھا ہے کہ اوڈیسی سطح سمندر پر تنہا کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے جیسے وہ زور سے پانی کی لہروں پر جیسے اپنے دشمنوں کو قتل کر رہا ہو۔ لیکن لہریں چاروں طرف سے گھنور بنا کر اس پر امڈ رہی ہوں اور پھر اوڈیسی سمندر میں روپوش ہو جاتا ہے۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "خواب واقعی بھیانک تھا اور اس کی تعبیر خوشگوار نہ تھی۔ تاہم میں نے پینی لوپی کو تسلی دی اور اس کے ساتھ میں ایک تجویز پیش کی۔"

"میرا خیال ہے پینی لوپی۔ ہم چند لوگوں کو تیار کر کے ٹرائے روانہ کریں جو وہاں کی خبر لائیں۔"

"ہاں، یہ بہت خوب ہو گا۔ لیکن وہ لوگ کون ہوں گے؟"

"ان کا انتخاب میں کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اور پینی لوپی خوش ہو گئی۔ بہرحال میں معبد میں آ کر ان لوگوں کے بارے میں سوچا جنہیں میں ٹرائے روانہ کرتا اور پھر کافی دن کے بعد میں نے ایسے چند افراد کا انتخاب کیا جو میرے خاص معتمد تھے اور ٹرائے جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اس دوران مجھے کئی بار پینی لوپی کے محل جانا پڑا۔

خود پینی لوپی محل سے زیادہ باہر نہیں نکل سکتی تھی اور نکلنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کے طلبگار بے شمار تھے۔

بہرحال جب بھی ضرورت ہوتی تھی، میں خود اس کے پاس جا کر مل لیتا تھا۔ یوں حالات معمول میں آتے گئے تھے۔ اور پھر طویل عرصہ گزر گیا۔ اہل روم اوڈیسی کی واپسی کا انتظار کرتے رہے اور پینی لوپی محفوظ ہو گئی۔

لیکن ایک طویل عرصہ تک نہ تو اوڈیسی واپس آیا۔ اور نہ ہی اس کی خبر لانے کے لئے جانے والے۔ تو اچانک پھر انتشار کا عمل شروع ہو گیا اور اس بار نہ جانے کیا ہوا کہ امراء میں میرے خلاف نفرت پھیل گئی۔

چنانچہ امراء کا ایک گروہ میرے پاس آیا گو اس کے انداز میں گستاخی نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے محسوس کیا کہ وہ برہم ہیں۔

"ہم مقدس کاہن اعظم سے اس پیش گوئی کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔"

"کس بارے میں کہہ رہے ہو؟"

"اوڈیسی کی واپسی کے بارے میں۔"

"وہ ٹرائے کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔"

"اور کب تک کئے رہے گا؟"

"جب تک دیوتاؤں کی رضا ہو گی۔ یہ سوال تم مجھ سے کیوں کر رہے ہو۔۔۔؟"

"اس لئے کہ صحیح حالات جاننے کا ذریعہ کاہن اعظم کے سوا کوئی نہیں۔" ایک امیر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اور ہم وہ تمام سچے راستے تلاش کرنے کے لئے آئے ہیں جو اوڈیسی کی طرف جاتے ہیں۔ ہمیں بتایا جائے کاہن اعظم کہ کیا اوڈیسی اس جنگ میں فاتح ہو کر واپس آئے گا؟ اور اگر آئے گا تو کب تک آئے گا؟ تمہاری پیشگوئی کیا ہوئی جو کچھ تم نے کہا تھا وہ اب تک پایۂ تکمیل تک کیوں نہیں پہنچا؟"

"روم کے معزز لوگو، کیا تم کاہن اعظم کو دیوتا سمجھتے ہو؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو میں تمہاری اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں جو کچھ معاملات میں تم پر فوقیت رکھتا ہوں لیکن آخری بات میں بھی نہیں کہہ سکتا، میں نہیں کہہ سکتا کہ دیوتاؤں کی مرضی کیا ہے۔ اور تم لوگوں کو یہ بات جان لینی چاہیئے کہ دیوتا جب بھی جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے ہیں، تم مجھے دیوتا کا درجہ نہ دو، مجھے

مجھے نہیں معلوم کہ اوڈیسی کب واپس آئے گا؟"

"ٹھیک ہے کاہن تو دیوتا نہیں ہے، پر دیوتا کا پر تو ضرور ہے، ہم تجھے اس طرح یاد کرتے ہیں اور اسی طرح تیری عزت کرتے ہیں۔ جس طرح دیوتا کی۔ لیکن اگر تو پیشگوئیاں کرنے کے بعد ہمیں مطمئن نہ کر سکے تو تُو ہماری نگاہوں میں تیری حیثیت کیا رہ جاتی ہے، ہم تجھے کاہن اعظم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں؟"

"تم مجھے میری حیثیت کے بارے میں نہ بتاؤ، اگر تم سب کا متفقہ فیصلہ ہو تو میں اپنی یہ جگہ چھوڑ بھی سکتا ہوں۔"

"اس طرح کام نہ بنے گا کاہن اعظم، تو ہمیں اوڈیسی کے بارے میں مطمئن کر دو تاکہ روم کے لوگوں سے یہ کہنا چھوڑ دے کہ اب وہ واپس آئیگا اور آ کر حکومت سنبھالے گا۔ اب ہمیں بہر صورت کسی اچھے حکمران کی ضرورت ہے، کیونکہ اوڈیسی کا نائب کسی طور حکومت سنبھالنے کا اہل ثابت نہیں ہو رہا، چنانچہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ امراء اس حیثیت سے روم کی سلطنت سنبھال لیں۔"

"گویا تم اوڈیسی کی غیر موجودگی میں اس سے بغاوت کرنا چاہتے ہو اور اوڈیسی کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، میں تمہیں اس سے روکنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا، جہاں تک عوام کا مسئلہ ہے میں یہ بات ان کے کانوں تک ضرور پہنچاؤں گا تاکہ وہ اس بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کر سکیں۔"

امراء میری شکل دیکھنے لگے، ان کا خیال تھا کہ شاید میں ان کے الفاظ سے مرعوب ہو کر میں نرم انداز اختیار کروں گا، لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی میں روم پر اپنا اقتدار چاہتا تھا۔ جہاں تک میری اصلی حیثیت کا مسئلہ تھا اس پر تو میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

علی رحمان بیگ بھلا روم کا کاہن اعظم کیسے بن سکتا تھا، لیکن میں بن گیا تھا، اور اپنی حیثیت کو کبھی نہیں بھولا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ میں علی رحمان بیگ کی حیثیت سے خود کو فراموش کر دیتا اور خود کو... کاہن اعظم سمجھنے لگتا، تب شاید میں اپنے کام میں پوری طرح دلچسپی لے رہا ہوتا۔ اور امراء کے الفاظ میرے ذہن پر اس طرح اثر انداز نہ ہوتے جس طرح اب ہوئے ہیں۔

بہرحال ایسی کوئی بات نہ تھی میں ان کی طرف سے مطمئن تھا وہ جو چاہتے کرتے مجھے اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی، ہاں کبھی کبھی تنہائیوں میں مجھے اوڈیسی کا خیال آ جاتا تھا، آخر یہ شخص کتنا طویل راستہ طے کرے گا۔

عجائب گھر میں رکھے جانے والے ہال میں موجود پتھر کا بت بالآخر اپنی حیثیت میں واپس تو آئے گا ہی اور یقیناً اس وقت میں بھی اپنی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا لیکن یہ صورت حال عجیب تھی، میں یہ تو کہہ سکتا تھا کہ میں اس صورت حال سے مطمئن تھا، ہاں زندگی کی آسائشیں موجود تھیں، کاہن اعظم کی حیثیت سے عزت و توقیر مجھے ملی تھی۔ وہ بھی میرے لئے ناقابل یقین سی تھی، مجموعی طور پر میں ایک بے حد شاندار زندگی گزار رہا تھا۔ ہاں کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ خیال آ جاتا تھا کہ میں کہیں اس جنجال میں ہمیشہ کے لئے نہ پھنس جاؤں۔

امراء چلے گئے، ان کا انداز اچھا نہ تھا، میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے وہ لوگ میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے بارے میں سوچیں گے، کیونکہ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ روم پر حکمرانی کے لئے خواہش مند ہیں اور حکمرانی کی خواہش میں وہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ وہ پینی لوپی کے چکر میں بھی تھے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان تمام معاملات سے کس طرح نمٹوں گا۔

پینی لوپی سے میری ملاقات اکثر ہوتی رہتی تھی وہ بڑی عزت اور توقیر سے میری پذیرائی کرتی تھی۔ اور شاید مجھے اپنا محافظ بھی سمجھتی تھی، لیکن پھر حالات میں ایک خاص تبدیلی آ گئی۔

امراء نے میرے خلاف سازش کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے، تو پہلی دھمک جو میرے ذہن میں پیدا ہوئی وہ میرے ایک مرید کی ہی زبانی تھی، اور یہ دھمک بے حد خوفناک تھی۔

وہ دست بدست میری خدمت میں حاضر ہوا، یہ میرا منہ چڑھا دوست تھا اچھا خاصا ذہین اور عمدہ ساتھی۔ اس کا نام ارکاس تھا۔ ارکاس یوں گویا ہوا تھا۔

"مقدس کاہن اعظم کچھ عجیب باتیں سننے میں آئی ہیں کیا ان سے آگاہ کرنا میرا فرض نہیں ہے؟"

"کیا بات ہے ارکاس؟"

"کاہن اعظم ایک مخصوص حلقے میں تیرے خلاف نفرت پھیلتی جا رہی تھی۔"

"میرے خلاف؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں کاہن اعظم؟"

"یہ نفرت کون پھیلا رہا ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟"

"سبب مجھے نہیں معلوم اور نہ پھیلانے والوں کے بارے میں مجھے کچھ اندازہ ہے، ہاں لوگوں کی زبان پر کاہن اعظم کا نام اور اس کے قصے ہیں۔"

"کیا قصے ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"کاہن اعظم میری زبان نہیں کھلتی۔"

"ارکاس میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو مجھے بتا کہ تو نے کیا سنا ہے۔" میں نے تذبذب کے عالم میں پوچھا۔

"کاہن اعظم لوگوں کی زبان پر صرف یہ ہے کہ کاہن اعظم کا ئیس اپنا تقدس کھو چکا ہے۔"

"تقدس کھو چکا ہے، لیکن کس طرح، لوگوں کو اس بات کا علم کیسے ہوا، کیا انہیں کا ئیس کی ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہے، کیا انہوں نے اس کے تقدس کو پامال ہوتے ہوئے محسوس کیا ہے؟"

"ہاں کاہن اعظم لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"اوہ ارکاس تو پہیلیاں بجھوا رہا ہے میں تجھ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر پوری بات کیا ہے اور اب تو صرف ادب و احترام میں میرے ذہن میں غصے کی لہر پیدا کر رہا ہے، میں کہتا ہوں ارکاس کہ تو نے جو کچھ سنا ہے اسے صاف صاف بیان کر۔

مجھے شرم آتی ہے آقا اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ تاہم میں آپ سے اتنا عرض کروں کہ آپ کا نام پینی لوپی کے نام کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔"

"میرا نام پینی لوپی کے نام کے ساتھ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں امراء کا کہنا ہے کہ کاہن اعظم اپنا تقدس کھو چکا ہے اور وہ پینی لوپی کے محبت کے جال میں گرفتار ہے، ارکاس نے بالآخر بتایا۔

اور میں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگا، میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات گردش کر رہے تھے۔ اور میں پریشان نگاہوں سے ارکاس کو دیکھنے لگا۔

کافی دیر اسی طرح خاموشی میں گزر گئی، ارکاس بھی ٹکٹکی لگا کر سا میری شکل دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے بھاری لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ارکاس تو کیا سمجھتا ہے کیا امراء کی یہ بات درست ہے؟"

"میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا کاہن اعظم، تیرا تقدس میری نگاہوں کے سامنے ہے۔"

"تو پھر ان لوگوں نے کس بات کا سہارا لیا ہے؟"

"صرف اس بات کا کہ تو پینی لوپی سے کمال شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔"

"کیا اس کے ساتھ اس طرح پیش آنا غلط ہے، کیا اوڈیسی ہم لوگوں کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ اوڈیسی کی بیوی ہے۔ اس کے بچوں کی ماں ہے، کیا ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کے گناہ کرتے ہیں؟"

"نہیں آقا۔ لیکن امراء کچھ اور خیال کرتے ہیں۔"

"کیا سوچتے ہیں وہ بدبخت؟"

"ان کا خیال ہے کہ پینی لوپی اور تو ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اور تو پینی لوپی کے ساتھ جو وقت گزارتا ہے وہ خلوت اور اس کی آغوش میں گزارتا ہے۔"

"اوہ ۔۔۔ اوہ ۔۔۔ کیا لوگوں کو اس بات کا یقین ہے"

"نہیں۔ کاہن اعظم، صرف ایک طبقہ ہے جو یہ افواہیں پھیلا رہا ہے اور ابھی تک یہ افواہیں دوسرے عام لوگوں کے کانوں میں نہیں پہنچی لیکن مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ایسا ہو جائے گا۔"

"اور اس کے بعد کیا ہوگا۔۔۔؟" میں نے بدستور غراتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اس کے بعد میں نہیں کہہ سکتا کاہن اعظم، تیرے تقدس کے ماننے والے بے شمار لوگ ہیں۔ انہیں یقین نہیں آئے گا، لہٰذا ہنگامے ہوں گے، قتل و غارت گری ہوگی، یوں خون خرابہ ہوگا۔"

"اور اس کا موجد کون ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"امراء ۔۔۔ صرف امراء ۔۔۔"

"کیا تجھے معلوم ہے ارکاس کہ پینی لوپی ایک بار میرے پاس معبد میں آئی تھی۔" میں نے ارکاس سے پوچھا۔

"مجھے علم ہے آقا۔"

"تو جانتا ہے وہ کس لئے آئی تھی۔۔؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"وہ صرف اس لئے آئی تھی کہ میں اسے امراء کی زد سے محفوظ رکھوں، وہ سب اس کے حسن پر فریفتہ ہیں۔ اس سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ اوڈیسی کی واپسی پر یقین نہیں رکھتے اور پیشن گوئی کرتے ہیں کہ اوڈیسی ٹرائے سے واپس نہیں آئے گا، اس طرح وہ پینی لوپی پر اپنا حق ظاہر۔۔۔ کرتے رہتے تھے"

"اوہ آقا یہ تو بہت بڑی بات ہے۔"

"ہاں۔ ارکاس یہ تو بہت بڑی بات ہے اور بہر صورت میں نے اسی لئے پینی لوپی کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"تب پھر کیا کیا جائے آقا۔؟"

"کچھ نہیں، جو حالات ہوں گے میں ان سے خود ہی نمٹ لوں گا۔" میں نے غصیلے انداز میں کہا اور ارکاس سر جھکا کر چلا گیا۔۔۔

لیکن اس کے جانے کے بعد میں کافی متفکر ہو گیا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ ان حالات سے کس طرح نمٹوں گا۔ صورتحال واقعی بیحد عجیب تھی۔ بڑی تشویشناک اور پریشان کن۔

میں رات گئے تک سوچتا رہا۔ امراء مجھے جو دھمکیاں دے گئے تھے ان کے تحت میں نے کوئی کارروائی نہیں کی تھی اور اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ مجھے اس وقت ان کے خلاف کارروائی کرنی چاہیئے تھی۔

لیکن اب۔ اب آگ پھیل چکی تھی۔ کاہن اعظم کی حیثیت سے تو میں کچھ نہیں کر سکتا تھا جبکہ علی رحمان ان باتوں کے سلسلے میں بالکل قطعی بودم تھا۔

اور آگ بھڑک اٹھی۔ سڑکوں پر ہنگامے کھڑے ہو گئے وہی ہوا تھا جس کا خطرہ ارکاس نے ظاہر کیا تھا۔ لوگ مجھ سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور میرے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے چنانچہ ہنگامے پھوٹ پڑے تھے۔ یہاں تک کہ یہ ہنگامے قتل و غارت گری تک پہنچ گئے۔!

میں معبد میں بے بس تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں لوگوں کا ایک گروہ میری حفاظت پر مامور تھا اور معبد کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔۔۔

پھر ایک شام امیر عزطاش میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے ملاقات کے لئے اجازت طلب کی تھی۔ اور جب میں نے اجازت دے دی تب لوگوں نے اسے میرے پاس آنے کی اجازت دی۔ عزطاش نے مجھے تکریم دی تھی۔

"میں ایک مقصد کے تحت حاضر ہوا ہوں کاہن اعظم۔"

"کہو۔ کیا بات ہے۔"

"تنہائی کا خواہش مند ہوں۔"

"تم سب باہر جاؤ۔" میں نے دوسرے لوگوں سے کہا اور میرے عقیدت مند باہر نکل گئے۔ تب اس نے کہا۔

"باہر جو فضا قائم ہو گئی ہے کاہن اعظم۔ تو اس سے واقف ہے۔۔۔؟"

"ہاں!"

"میں اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔" عزطاش نے کہا۔۔۔

"کس حیثیت سے؟"

"تیرے ایک عقیدتمند کی حیثیت سے۔"

"اور کیا جاننا چاہتا ہے؟"

"یہی کہ لوگوں کی بات کی کیا حقیقت ہے؟"

"اگر تو میرے عقیدتمند کی حیثیت سے آیا ہے۔ تو پھر اپنے دل کو ٹٹول اور اندازہ لگا کہ لوگوں کی باتوں میں کہاں تک صداقت ہے۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔"

"تب پھر مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔"

"صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں کاہن اعظم۔"

"کیا؟"

"یہ افواہ کیوں پھیلی ہے؟"

"اس لئے کہ روم کے امراء پینی لوپی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے حکمران کی عزت سے کھیلنا چاہتے ہیں۔"

"کیا اوڈیسی گم ہو چکا ہے؟"

"یہ بکواس ہے۔"

"تب اس کا کوئی پتہ کیوں نہیں چلتا۔ تو نے بھی تو ایک وفد بھیجا تھا وہ لوگ بھی واپس نہیں آئے۔"

"ہاں میں بھی متفکر ہوں۔"

"کاہن اعظم میں تیرا خادم ہوں۔ تیرا غلام ہوں اور تو جانتا ہے کہ بے شمار لوگ عزطاش کے خادم ہیں۔ میں چاہوں تو روم کے امراء کی سازش کو کچل سکتا ہوں اور لوگوں کی آواز بند کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر تو نے یہ کام ابھی تک کیوں نہ کیا عزطاش؟"

"تیری رضامندی چاہتا تھا۔"

"اس میں میری رضا کی کیا ضرورت ہے؟"

"کچھ اور بھی چاہتا ہوں کاہن اعظم۔" عزطاش نے گردن جھکا کر کہا۔

"کیا؟"

"پینی لوپی کو مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ کر دے میں ہمیشہ تیرا خادم ہوں گا۔" اس نے کہا اور میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"عزطاش!" میں نے گرج کر کہا۔

"یہ کام تیرے سوا کوئی نہیں کر سکتا کاہن اعظم میں روم کی اس حسینہ پر جان دیتا ہوں اور پھر اس طرح تیری حیثیت بھی پاک ہو جائے گی!۔۔۔"

"کیا بکواس کرتا ہے عزطاش۔"

"یقین کر کاہن اعظم۔ اگر تو اپنے ہاتھوں سے یہ کام انجام دے گا تو لوگوں کے منہ خود بخود بند ہو جائیں گے اور وہ یہ کہنا چھوڑ دیں گے کہ۔۔۔"

"مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں ہے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن حالات؟"

"مجھے حالات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔"

"تب تو میری مدد کر۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو غرطاش۔ بھلا یہ تو سوچو اوڈیسی واپس آئے گا تو وہ تم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔"

"وہ اب کیا واپس آئے گا۔ جنگ لڑائی میں اسے یقیناً شکست ہو گی اور وہ یا تو مر کھپ گیا ہو گا یا پھر۔۔ کہیں روپوش ہو گیا ہو گا۔۔۔"

"اپنی بیوی اور بچوں کو بھول کر؟"

"شکست خوردہ لوگوں کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

"نہیں غرطاش تو نے ریت پر محل تعمیر کیا ہے۔ اول تو ابھی اوڈیسی کی شکست کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی ہے اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو پھر بات صرف پینی لوپی اپنی خوشی سے کر سکتی ہے میں کون ہوں۔"

"کاہن اعظم وہ تیری بات مانتی ہے۔ اور تو اگر اس سے کہے تو وہ انکار نہیں کرے گی۔"

"تم نے خود اس سے بات کی؟"

"کہا تھا لیکن رسائی نہ ہو سکی۔"

"کیوں؟"

"وہ آج کل کسی سے نہیں ملتی۔"

"تو نے اپنا نام بتایا تھا۔"

"ہاں۔"

"تو پھر اس بات پر غور کر کہ وہ تجھے کیا اہمیت دیتی ہے۔ اگر وہ تجھے قبول کر سکتی تو تجھے اپنے پاس ضرور بلواتی۔

"میں یہی تو چاہتا ہوں کاہن اعظم کہ وہ تیرے ایما پر مجھے قبول کر لے۔"

"لیکن میں یہ کام کبھی نہ کروں گا۔"

"یہ تیرا آخری فیصلہ ہے۔"

"ہاں۔"

"تب پھر میری بات بھی سن لے کاہن اعظم۔ ابھی تک غرطاش دوسروں کے ساتھ شریک نہ ہوا تھا۔ اور امراء نے مجھے بھی اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں تیرے خلاف اٹھ کھڑا ہوں لیکن۔۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اور اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ میں تجھ سے ملاقات کر کے اپنے کام پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔؟"

"یوں لگتا ہے جیسے لوگوں کی بات ہی درست ہو۔ بلاشبہ اور پینی لوپی کے درمیان کوئی گٹھ جوڑ ضرور ہے۔ اور یہ راز تو بعد ہی کہ اصل معاملہ کیا ہے؟"

"غرطاش۔" میں غرایا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں کاہن اعظم۔ اب میں بھی ان لوگوں کا ہو گیا ہوں۔ اور اب میں بھی ان کا ساتھ دوں گا۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں چلتا ہوں۔" غرطاش نے کہا اور اٹھ ہوا۔ غرطاش چلا گیا اور میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"یار اوڈیسی کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اب میں کیا کروں تو بڑی مشکل درپیش ہے۔ کاہن اعظم ہوتا تو شاید تقدس کا احساس ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی ہمت دلاتا۔ لیکن میں تو علی رحمان ہوں۔"

ابھی دیر نہ گزری تھی کہ ارقاس پھر واپس آ گیا۔

"مقدس کائی سیس۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"کیا بات ہے ارکاس۔"

"معبد کے باہر ہنگامہ ہو رہا ہے۔"

"اوہ۔ کیسا ہنگامہ۔؟"

"ابھی یہاں سے غرطاش گیا ہے۔"

"ہاں۔"

"باہر کھڑے ہو کر اس نے تقریر کی ہے۔"

"اوہ کیا کہا ہے اس نے۔؟"

"اس نے لوگوں پر ایک کامیاب داؤ لگایا ہے۔ جانتا ہے اس نے کیا کہا ہے۔"

"گھما پھرا کر بات کہنے کی عادت کو ترک نہیں کرے گا ارکاس۔" نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس نے کہا ہے لوگو۔۔۔ میں مقدس کاہن اعظم سے مل کر آ اور تم جانتے ہو کہ میں اس کا پرستار تھا۔ ہاں وہ میں ہی تھا جس نے آج امراء کو کائی سیس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے روکا۔۔۔ اور اس بھی۔۔۔ اس وقت بھی میں اسی مقصد کے تحت اس کے پاس گیا تھا۔

"پھر اس نے کیا کہا۔۔۔" لوگوں نے پوچھا۔

"کائی سیس اپنی راہ سے بھٹک گیا ہے۔۔۔۔ اس نے اعتر کیا ہے کہ ہاں وہ پینی لوپی سے محبت کرتا ہے۔۔۔ اور اس سے شا کرنے کا خواہش مند ہے۔ لوگو میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔ ہمارے مع

کے تقدس کو ایک شخص آج تک اس انداز میں ٹھیس پہنچا رہا ہے۔ لوگو۔ کیا تم اسے برداشت کرو گے؟"

اور کاہن اعظم۔ لوگ باغی ہو گئے ہیں۔ اب وہ ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ اور ان کے خیالات بھی بدلتے جا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اب وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا کاہن اعظم۔ اب اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے کاہن اعظم؟"

"تم بھی جو دل چاہے کرو ارکاس۔ میں اب تم سب سے کٹ گیا ہوں اور اب تم ہر قسم کے احترام سے مبرا ہو۔"

"لیکن ہم تو تیرا احترام کرتے ہیں کاہن اعظم اور آخری وقت تک تیرا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔ روم کے لوگوں کے ذہن میں خواہ کچھ بھی ہو ہم ان میں شامل نہیں ہیں۔" ارکاس نے کہا۔

"مجھے اب کسی کی پرواہ نہیں ہے، اگر تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہو تو مجھے نہ تو تعجب ہوگا اور نہ ہی تکلیف۔"

"نہیں کاہن اعظم ہم آخری وقت تک تیرے ساتھ رہیں گے۔ ہمیں بتا ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔"

"کچھ نہیں، تماشہ دیکھو اور جو کچھ ہوتا ہے اس میں مداخلت نہ کرو ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تم لوگوں کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں۔ میں ہر قسم کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہوں۔" میں نے جواب دیا اور ارکاس خاموش ہو گیا۔

پھر میں صرف انتظار کرتا رہا اور یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہ ہوا ارکاس ہی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ معبد کے گرد جمع لوگ جو میری حفاظت کے لیے آئے تھے منتشر ہو گئے ہیں اور اب ان کے ذہنوں میں میرے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

پھر یوں ہوا کہ ایک شام میں معبد میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا یہی سوچ رہا تھا کہ باہر شور و غل کی آوازیں سنائی دیں اور میرے مرید میرے نزدیک پہنچ گئے۔ ان کے چہرے خوف سے زرد ہو رہے تھے، ارکاس ان میں سب سے آگے تھا، تب سب سے پہلے ارکاس ہی میرے نزدیک پہنچا اور اس نے مجھ سے کہا:

"وہی ہوا کاہن اعظم جس کا ہمیں خطرہ تھا، وہ لوگ تجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"میں نے صبر و سکون سے ارکاس کی یہ بات سنی، میں جانتا تھا کہ حالات میرے خلاف ہو چکے ہیں اور اب مجھ پر کوئی برا وقت آنے والا ہے۔" میں کاہن اعظم کی حیثیت سے اپنی گرفتاری کا انتظار کرنے لگا،

اور پھر بہت سارے افراد میرے کمرے میں گھس آئے، وہ سب چہروں پر نفرت اور آنکھوں میں غیض و غضب کے تاثرات لئے ہوئے تھے۔

انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ اوڈیسی کے ہرکارے ہیں اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مجھے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیں۔

ان میں سے اس شخص نے کہا جو سب سے آگے تھا اور غالباً ان کا سربراہ معلوم ہوتا تھا۔

میں نے کسی سے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا، میں نہیں جانتا تھا کہ آئندہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے لیکن بہرصورت بہتر یہی تھا کہ میں کوئی مدافعت یا مداخلت نہ کروں کیونکہ یہ سب کچھ کرنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا، میں اس کے باوجود اپنے تقدس کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ لوگ یہ سوچیں کہ کاہن اعظم ذہنی طور پر بالکل ہی مفلوج ہو گیا ہے۔ مجھے معبد سے نکال کر باہر لایا گیا جہاں بہت سارے لوگ میرے گرفتاری کا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ انہوں نے مجھ پر تھوکا، چھوٹے چھوٹے پتھر پھینکے۔ لیکن.. انتظام کرنے والوں نے انھیں مجھ سے دور ہی رکھا تھا۔ مجھے کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے روم کے تمام لوگ میرے خلاف ہو گئے ہوں۔"

تب مجھے روم کے ایک دور دراز علاقوں میں لے جایا گیا جو پتھروں کے درمیان بڑے بڑے غار موجود تھے۔ ان غاروں میں وہ تہہ خانہ بھی تھا جسے میرے قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

یوں مجھے قید خانے میں پہنچا دیا گیا جہاں موجود لوگ صرف سنتے تھے، دیکھتے تھے لیکن سوچتے نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ گرفتار ہو کر آنے والا شخص کون ہے، کیا وہ روما کے کلیسا کا کاہن ہے یا کوئی عام شخص، وہ صرف لوگوں کو اذیت دینا جانتے تھے چنانچہ مجھے بھی اس اذیت گاہ میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا اور میں سوچنے لگا کہ نجانے کونسے اعمال مجھے یہاں تک کھینچ کر لائے ہیں۔ میری سوچ بے حد عجیب ہو گئی تھی۔ میں اکثر سوچتا۔

کاش میں اسمگلر کی حیثیت نہیں رکھتا، کاش میں اس عجائب گھر میں نہیں گیا ہوتا جہاں اوڈیسی مجھے ملا تھا۔ اور پھر ضرورت ہی کیا تھی کہ میں اوڈیسی سے قدیم روم دیکھنے کی فرمائش کرتا، چنانچہ جو کچھ ہوا تھا اسے میری قسمت ہی کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے پتھروں کے اوپر بیٹھ گیا اور اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں سوچنے لگا۔ قید خانے کے دن اور رات بہت سخت تھے، پتھر دن میں گرم ہو جاتے ہیں اور شام کو سرد

ویران سا علاقہ تھا جسے میں نے آتے بخوبی دیکھا تھا، میں جانتا تھا کہ یہاں کسی کی آواز بھی بمشکل ہی پہنچ سکتی ہے اور پھر میرے خلاف تو پورے روما میں نفرت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

میں اب یہ توقع نہیں رکھ سکتا تھا کہ کچھ لوگ مجھے بچانے کے لیے آئیں گے۔ ہاں مجھے صرف ایک شخص کا انتظار تھا اور وہ تھا اوڈیسی۔

ممکن ہے اوڈیسی واپس آ جائے، اس کے بعد شاید میری تقدیر بدل جاتی ورنہ اس دوران اگر میری قسمت کا فیصلہ کر دیا جاتا تو میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔ میں سوچتا اگر اوڈیسی واپس نہ آیا تو کیا میں مر جاؤں گا۔ اور اگر میں مر گیا تو علی امان بیگ کا کیا ہوگا۔؟

کیا جدید دنیا کا باسی علی رحمان بیگ بھی مر جائے گا۔ علی رحمان جسے پچھلے دور میں لایا گیا ہے اور جس کا اس دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہے، جہاں وہ کائی سیس کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ سارے حالات میری سمجھ سے باہر تھے، میرا کیا ہوگا، میں کس طرح اپنی دنیا میں واپس جاؤں گا، کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

کوئی بھی نہ سمجھ سکے گا کہ علی رحمان بیگ ایک قدیم دور میں جا کر مارا گیا، وہ بھی کسی شخص کے روپ میں جو وہ خود نہ تھا۔

قید خانے کی سنگین دیواریں میرا مذاق اڑا رہی تھیں اور میں خود کو اس ماحول میں ضم نہ کر پا رہا تھا اور میرا دل سینے میں پھڑپھڑا رہا تھا اور یہ خواہش بار بار میرے دل میں مچل رہی تھی کہ کاش میں کس طرح اپنی دنیا میں واپس لوٹ جاؤں۔

لیکن اب یہ سب کچھ میرے بس سے باہر تھا اور مجھے تقدیر کے فیصلے پر سر جھکانا ہی تھا، کوئی صورت حال ایسی نہ تھی کہ میں اس سے جان بچا سکوں، چنانچہ خاموش رہنے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔

اور مجھے قید میں لا کر ڈالنے والے شاید مجھے قطعی بھول گئے تھے، تھوڑا بہت کھانے کو مل جاتا تھا۔ لیکن وہ اس قابل نہ ہوتا کہ اسے کھایا جا سکتا اور نہ ہی غار کے محافظ میری حیثیت کو سمجھتے تھے۔ وہ پتھر کے لوگ تھے اور پتھر کے غاروں میں رہ کر خود بھی پتھر بن گئے تھے۔ نجانے کتنا عرصہ اس طرح گزر گیا۔

تب اچانک ایک شام میری قسمت نے ایک اور رخ بدلا۔

قید خانے کا دروازہ کھلا۔

اندر آنے والی دیوی انیکا تھی۔ اس کے ساتھ دس بارہ افراد تھے جو ہاتھوں میں تلواریں لیے ہوئے تھے اور ان کی تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا۔

میں نے باہر واقعی آواز نہیں سنی تھی لیکن ان تلواروں کو دیکھ کر مجھے احساس ہوا تھا کہ باہر کوئی حادثہ ہوا ہے۔ انیکا میرے پاس پہنچ گئی اور پھر اس نے ہاتھ ہلا کر اپنے لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا اور سب لوگ باہر چلے گئے۔

وہ ایک جگہ کھڑی مجھے دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے، تب وہ آہستہ آہستہ میرے قدموں میں جھک گئی۔

میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کاہن اعظم کی حیثیت سے میں نے انیکا کو ٹھکرا دیا تھا۔ لیکن علی رحمان بیگ کی حیثیت سے آج تک اپنی حماقت پر پچھتا رہا تھا۔ قید کے دوران بھی میں نے کئی بار اس کے بارے میں سوچا تھا۔ اگر میں اس کا کہا مان کر اسے قبول کر لیتا تو آج یہ دن تو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اور اب اسے دیکھ کر میں اسی کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اس وقت کاہن اعظم کاسیس کا تسلط میرے وجود سے ختم ہو جائے اور میں انیکا سے فائدہ اٹھا سکوں۔ میں اپنے ذہن کو پوری طرح کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر انیکا میرے نزدیک آ گئی۔ "کائی سیس۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی آواز نکلی اور میں نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھ سے زیادہ با اختیار تو تم ہو انیکا۔" میں نے کہا۔

"کائی سیس!" سسکی لے کر بولی۔

"کیا میں نے غلط کہا۔؟"

"تیرا کیا خیال ہے کاسیس؟ کیا میں تیری محبت کو اپنے دل سے نکال سکتی ہوں۔"

"میں نے اختیار کی بات کی تھی انیکا۔" میں نے کہا۔

"کچھ کہوں۔ برا تو نہ مانو گے کائی سیس۔"؟

"نہیں میں اب کسی بات کا برا نہ مانوں گا۔ کیونکہ اب میری شخصیت ہی کیا رہی ہے۔ کیا تم کسی قیدی کے جذبات کا بھی اتنا خیال کرو گی انیکا......"

"تم میرے لئے قیدی نہیں ہو؟"

"اوہ۔ تم خود بھی جانتی ہو۔ یہ جملہ بے معنی بے مقصد ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔" میں نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

"میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں کائی سیس۔"

"کہو انیکا۔" میں گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا تو دیوتاؤں کے دلوں کو محبت سے خالی سمجھتا ہے؟"

"ہرگز نہیں!"

"خیر دیوتا محبت کرتے ہیں۔ تو ہم تو انسان ہیں کائی سیس۔"

"ہاں حقیقت ہے۔" میں نے گردن ہلائی۔

"تو نے زندگی میں کسی سے پیار کیا ہے کائی سیس۔ میری مراد کسی ایسی عورت سے ہے۔ جسے تو نے محبوبہ کی حیثیت سے چاہا ہو۔"

"نہیں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"تو پھر کیا یہ تیری کوتاہی۔ تیرے اندر کمی نہیں ہے؟"

"یہ ایسی کمی نہیں ہے انیسکا جس کی گرفت کی جا سکے۔"

"گرفت ہے کائی سیس نہ جانے تو نے آج تک اس بارے میں کیوں نہیں سوچا۔ دلوں کو صدمہ پہنچانا بھی تو ایک گناہ ہے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"تو کیا تو نے انیسکا کے سینے میں دل کے وجود کو فراموش کر دیا ہے؟"

"نہیں!"

"پھر تو نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی؟"

"اس لئے انیسکا کہ میری حیثیت دوسری تھی۔"

"میں نے تجھے کبھی بددعا نہیں دی کائی سیس لیکن کیا تو اسے میری آہوں کا اثر نہیں سمجھے گا کہ تیری حیثیت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے تو نے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔"

"آہ۔ شاید تو درست کہتی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لیکن کائی سیس۔ میرا دل تو اب بھی تیرے لئے تڑپ رہا ہے۔ میں تو اب بھی تیرے پیار میں دیوانی ہوں۔ کیا مجھے زندگی کے کسی دور میں تیرے حصول کا یقین آ سکتا ہے۔ سچ جان اگر تو وقت کا تعین کر دے تو میں زندگی انتظار میں گزار دوں گی۔"

"اوہ۔" میں نے گردن جھکا لی۔ میرے دل میں خوف ابھر آیا تھا۔ انیسکا کے پیار کے اظہار کے جواب میں، میں بھی اس سے الفت اور اپنی رضامندی کا اظہار کرنا چاہتا تھا لیکن خوف اس بات کا تھا کہ نہ جانے میری زبان اس سلسلے میں میرا ساتھ دے یا نہ دے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہتا تھا۔

"جواب دے کائی سیس۔ میری زندگی کی منزل کبھی آئے گی یا نہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں انیسکا۔"

"کیا سوچ رہا ہے؟"

"یہی کہ تو نے درست تو کہا۔ میری وہ حیثیت ختم ہو گئی جس کے لئے میں دنیا سے کنارہ کش ہوا تھا۔ اب جب میں اسی دنیا کا ایک انسان ہوں تو پھر تمہاری باتوں سے پرہیز کیسا؟"

"تو۔۔۔ تو کیا۔۔۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے کائی سیس؟" انیسکا کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔

"اگر میں ایک عام انسان ہوتا انیسکا تو تجھے پہلے ہی اپنا لیتا۔ لیکن بہرحال اب میں صرف ایک عام انسان ہوں اس لئے تیری محبت قبول کرنے سے انکار نہیں کروں گا۔"

اور یہ الفاظ ادا کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اب میں انیسکا سے صاف الفاظ میں بات کر سکتا ہوں۔ انیسکا خوشی سے دیوانی ہو گئی تھی۔ ایسی ایسی پاگل پن کی حرکتیں کیں اس نے کہ ناقابلِ بیان ہیں۔ بہرحال میں نے اسے نہ روکا تھا۔

کافی دیر کے بعد جب اس کے دماغ سے جذبات کا بھوت اترا تو اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "تو اب تو میرا ہے کائی سیس۔ آہ! واقعی اب تو میرا ہے؟"

"ہاں انیسکا۔ لیکن تو اس بات سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں نے حالات کا شکار ہو کر شکست قبول کی ہے۔ نہیں انیسکا یہ بات نہیں ہے بلکہ پہلے بھی میں تجھ سے متاثر تھا۔ ہاں اہلِ روم سے میں مخلص تھا اور ان کے جذبات کو میں ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن جب انھوں نے عفت مآب پینی لوپی کے ساتھ مجھے ملوث کر دیا تو میں نے خود پر سے ساری بندشیں توڑ دیں اور بندشیں توڑنے کے بعد تیرے سوا میرے ذہن میں کوئی اور نہیں آ سکتا تھا۔"

"آہ کائی سیس!" وہ پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"اور یقین کر انیسکا۔ پینی لوپی بے گناہ ہے۔ وہ صرف اپنے شوہر اوڈیسی کی پرستار ہے۔ لیکن اگر وہ مجھ سے اظہارِ محبت کر بھی دیتی اور میرے ذہن میں کسی عورت کو اپنانے کا خیال آتا تو وہ انیسکا کے سوا کوئی نہ ہوتی۔"

میری باتوں نے انیسکا کو سرشار کر دیا تھا۔ وہ بہت دیر تک شدید جذبات کا اظہار کرتی رہی اور پھر اس نے چونک کر کہا۔

"آؤ کائی سیس یہاں سے چلیں۔ میں نے تمہارے قیام کے لئے معقول انتظام کر لیا ہے۔ اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر باقی گفتگو ہو گی۔"

"اوہ۔ لیکن تم نے۔۔۔" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"آؤ باہر دیکھ لینا۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں غاروں کے قید خانے سے باہر نکل آیا۔ باہر کی فضا کافی خراب تھی۔ جگہ جگہ قید خانے کے محافظوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور انیسکا کے ساتھی قید خانے پر قابض تھے۔

باہر گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ انیسکا خود بھی ایک گھوڑے پر سوار ہو گئی اور مجھے بھی اس نے گھوڑا پیش کیا۔ اس کے مسلح جانباز ہمارے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگے۔ راستے میں، میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اس قید خانے کا علم تھا؟"

"نہیں۔ سخت مشکل سے اسے تلاش کیا ہے۔ اور اس کے بعد پورا پلان بنا کر یہاں حملہ کیا ہے۔ اب قید خانے کا ایک بھی محافظ زندہ نہیں ہے۔"

"خوب، تم نے میرے لئے کافی محنت کی ہے۔" میں نے

مسکرا کر کہا۔

"ہاں لیکن مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا ہے۔" اینکا نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ہم نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

اینکا نے شاید پہلے سے سارا بندوبست کر لیا تھا۔ اُسے یقین ہوگا کہ وہ قید خانہ پر جو چھاپہ مارے گی وہ سو فیصد کامیاب ہوگا چنانچہ وہ انتہائی تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑاتی رہی۔ دوسرے افراد ہمارے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ اور پھر کافی طویل سفر کے بعد وہ ایک ایسی بستی کی جانب مڑ گئی۔ جو تقریباً شہر سے بہت دور تھی۔

یہ بستی سوڈیڑھ سو مکانات پر مشتمل تھی۔ اس میں کچے پکے ہر قسم کے مکانات نظر آرہے تھے۔ اینکا جس کے مکان کے نزدیک پہنچی وہ خاصا پکا بنا ہوا تھا۔

اس نے اپنے آدمیوں کو باہر ہی چھوڑا اور خود میرے ساتھ مکان کے اندر داخل ہو گئی۔ ہم لوگوں کا استقبال کرنے کے لئے کچھ ملازم موجود تھے۔ انھوں نے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں اور ہم نیچے اُتر آئے۔

اینکا انتہائی خوش نظر آرہی تھی۔ وہ مجھے لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئی اور پھر اس کمرے کا نچلا حصہ جس پر موٹے موٹے قالین بچھے ہوئے تھے ننگا کر دیا۔ قالینوں کے نیچے ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے نیچے جایا جا سکتا تھا۔ گویا اس مکان میں تہہ خانہ موجود تھا۔ مجھے لے کر وہ تہہ خانے میں اتر گئی۔

اور میں نے تہہ خانے کو حیرت سے دیکھا۔ اتنا وسیع اور کشادہ تہہ خانہ تھا جس کے بارے میں میں نے سوچ سکتا تھا۔ بڑا سا ہال نما کمرہ بنا ہوا تھا جس میں آرائش کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ بہر صورت میرے پوشیدہ رہنے کے لئے بہتر جگہ تھی۔ اینکا بھی بے حد خوش تھی۔ تب اس نے مجھے مسہری پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں جانتے کاسیس کہ میں کس قدر خوش ہوں۔ یقین کرو، میں نے زندگی میں ایک بار یہ تصور کیا تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع آئے گا جب تم میرے ساتھ ہوگے۔"

"ہاں اینکا اب تم ہی جگہ میرے لئے سب سے بہتر ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا تمہارا یہ راز کھلے گا نہیں؟"

"کونسا راز کاہن اعظم... مجھے معاف کرنا کاسیس، میں آج سے تمہیں کاہن اعظم نہیں کہوں گی بلکہ کاسیس کے نام سے پکاروں گی۔ ہاں تو تم کونسے راز کے بارے میں پوچھ رہے تھے کاسیس۔"

"میرا مطلب ہے کہ کیا کوئی یہ نہ سوچے گا کہ قید خانے سے کاسیس کو چھڑانے والا کون ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ضرور سوچے گا کاسیس!"

"تو کیا کسی کو تمہارے اوپر شبہ نہ ہوگا؟"

"مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اینکا اتنا زبردست اقدام کر سکتی ہے، اور اگر کسی نے سوچ لیا تو تب بھی میں کمزور نہیں ہوں کاسیس، میں پوچھنے والوں کی زبان بند بھی کر سکتی ہوں۔"

"تم مطمئن ہو تو ٹھیک ہے۔ اور کیا تمہارے یہ تمام ساتھی قابلِ اعتماد ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایک ایک فرد۔" اینکا نے جواب دیا۔

"ان میں کوئی ایسا تو نہیں ہے جو کسی لالچ میں یا دھمکی میں آجائے، یا کسی طاقت میں زیرِ اثر آجائے۔؟"

"کوئی نہیں ہے۔" اینکا نے جواب دیا۔ اور میں خاموش ہو گیا۔

تب اینکا نے کہا۔ "اچھا تو تم آرام کرو کاسیس میں بندوبست کرنا ہے میں تم سے چند لمحات کے لئے اجازت چاہتی ہوں۔" اینکا نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

تب وہ مجھے قید خانے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ ایک بار پھر میں پریشان ہو گیا تھا۔ بجانے قسمت میں کیا لکھا تھا۔ اب کیا ہوگا۔ یوں تو میں اینکا کے پاس آگیا تھا لیکن کیا میری ساری زندگی یوں ہی گزر جاتی۔ کیا کبھی میں اپنی دنیا میں واپس نہ جا سکتا تھا، یوں وقت گزر گیا۔

رات ہو گئی۔ اینکا آ گئی۔ اس نے میری خاطر مدارت کے تمام بندوبست کیے تھے اور پھر اس نے اپنی ساری محنتوں کا صلہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر وہ تمام حشر سامانیوں سمیت میرے سامنے آگئی میں نے بھی کوئی تردد نہیں کیا خاص طور پر اس شکل میں جب کہ میں کاہن اعظم کے اثر سے نجات پا چکا تھا۔

چنانچہ میں نے اسے اس کی تمام رعنائیوں کے ساتھ قبول کر لیا اور اینکا کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔

بھرپور عورت تھی، ہماری مسرتیں طویل تر ہو گئیں، اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ اینکا کی معیت میرے لیے بے پناہ خوشی کا باعث ہے، عورت کی حیثیت سے وہ بہت بھرپور تھی اور اس کی معیت میں مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہ ہوا۔

میں باہر کا ماحول بھول چکا تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے علی رحمان بیگ یہاں آکر اپنی زندگی میں ساکت ہو گیا۔

یوں طویل عرصہ گزر گیا۔ اینکا مجھے باہر کی خبریں سناتی رہا کرتی تھی۔ اس نے مجھے مینی لوپی کے بارے میں بتایا۔

بات کچھ یوں شروع ہوئی تھی، میں نے ہی پینی لوپی کے بارے میں پوچھا تھا، ویسے تو میں عام طور پر باہر کی باتیں بھول گیا تھا لیکن ایک دن مجھے پینی لوپ کا خیال آیا اور میں نے اس کے بارے میں اینیکا سے پوچھ لیا۔ حالانکہ اوڈیسی مجھے بھول چکا تھا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے صبر بھی آگیا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ یہی ماحول میری زندگی ہے۔ پینی لوپی کے بارے میں جو کچھ اینیکا نے بتایا تھا وہ تعجب خیز تھا، بات کچھ یوں شروع ہوئی تھی۔

• تم نے سنا کائی سیس، اوڈیسی کے بارے میں کیا خبریں ملیں ہیں۔

• اوہ - کیا خبریں ملی ہیں -؟

• اس نے ٹرائے فتح کر لیا ہے۔

• خوب - کیا وہاں سے اطلاع آئی ہے۔

• ہاں - وہ وفد واپس آیا ہے جسے تم نے وہاں بھیجا تھا۔

• وہ وفد واپس آگیا۔ میں نے چونک کر پوچھا۔

• ہاں۔

• لیکن اس نے کافی طویل عرصہ لگایا۔

• ہاں۔

• اس نے کیا کہا۔

• بہت ہی عجیب سی خبریں ہیں، اس نے کہا کہ اوڈیسی نے طویل محاصرے کے بعد ٹرائے فتح کر لیا۔ لیکن اسے ٹرائے کی فتح پر کچھ غرور سا ہو گیا تھا اور اس غرور میں اس نے دیوتاؤں کو بھی نظر انداز کر دیا، اس نے سمندر کو کوئی چڑھاوا تک نہ دیا اور جب وہ واپس آ رہا تھا تو ایک طوفان آیا اور اوڈیسی اور اس کے لوگ غرق

• آہ - تو کیا اوڈیسی مارا گیا؟ میں نے غمناک لہجے میں پوچھا۔

• ہاں۔

• افسوس اوڈیسی مارا گیا۔

• اور یہ اطلاع روم تک پہنچ چکی ہے۔ اینیکا نے جواب دیا۔

• پھر اہل روم کا کیا رویہ ہے؟

• امراء میں سخت چپقلش ہو رہی ہے اور اس وقت روم ایک بحرانی ملک بنا ہوا ہے۔ ہر جگہ سازشیں اور چپقلشیں ہو رہی ہیں۔ امراء آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ روم اس وقت سازشوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے اور بے بچاری پینی لوپی۔

” ہاں تم پینی لوپی کے بارے میں بتا رہی تھیں۔“

• وہ سخت پریشان ہے - امراء نے اب کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے - غرطاش اور دوسرے لوگ آپس میں شمشیر زنی کر رہے ہیں وہ سب پینی لوپی کے کے خواہش مند ہیں جو بھی ایک دوسرے پر فتح پاتا ہے وہ پینی لوپی کو شادی کا پیغام بھجوا دیتا ہے، بہرصورت پینی لوپی نے اس کے لیے بھی ایک ترکیب نکالی ہے۔

• ترکیب۔ میں نے پوچھا۔

• ہاں۔ اینیکا مسکرائی۔

• کیا ترکیب؟

• اس نے ایک جگہ گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ وہاں وہ اپنے بچوں کے ساتھ مقیم ہے اور اس نے امراء کے سامنے ایک شرط پیش کر دی ہے۔ وہ چادر بن رہی ہے۔ اس نے کہا ہے جب یہ چادر بن کر تیار ہو جائے تب وہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ شادی کر لے گی۔

• اوہ - عجیب و غریب شرط ہے، کیا امراء اس بات پر تیار ہو گئے ہیں؟ میں نے پوچھا۔

• ہاں - وہ پینی لوپی سے خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں ہیں، کوئی بھی اس پر تشدد کرنا نہیں چاہتا۔

• خود پینی لوپی؟ میں نے پوچھا۔

• پینی لوپی کے دل کا حال کوئی نہیں جانتا، بہرصورت وہ ایک شوہر پرست عورت ہے اور میں نہیں کہہ سکتی کہ اس کا ذہن کیسا ہے۔

• ٹھیک ہے اینیکا۔ دیکھو اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ میں نے کہا اور اینیکا نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی۔

لیکن اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھا، روم میں شدت سے کشیدگی چلتی رہی، کبھی کوئی امیر زیادہ قوت کے ساتھ آتا اور حکومت پر قبضہ کر لیتا، لیکن دوسرے دن پتہ چلتا کہ اس کے تمام ساتھی قتل کر دیئے گئے اور دوسرا آدمی حاکم بن گیا ہے۔ پینی لوپی بے چاری بدستور چادر بنا رہی تھی، نجانے کیوں اس کی چادر تیار ہی نہ ہوتی تھی، یہ تو بعد ہی میں معلوم ہوا کہ دن بھر وہ چادر بنتی ہے اور رات کو ادھیڑ دیتی ہے۔ دوسری صبح وہ پھر چادر بننا شروع کر دیتی۔ یہاں تک کہ طویل عرصہ گزر گیا۔

اب تو میری شکل و صورت بھی بدل گئی تھی۔ کاہن اعظم کی حیثیت میں ختم کر چکا تھا، اب میرا حلیہ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ چنانچہ اینیکا نے یہ ہمت کر لی تھی کہ مجھے باہر لے آئے۔

باہر نکل کر میں نے روم کے حالات دیکھے۔ روم کی گلیاں اور بازار کھنڈر بن گئے، ہر جگہ ویرانی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اوڈیسی کی موت کے بعد جو سازشیں ہو رہی تھیں وہ عروج پا چکی تھیں۔ روزانہ درجنوں لوگ قتل ہو جاتے تھے۔ لیکن پینی لوپی خاموشی سے زندگی گزار رہی تھی۔

میں اب اس ماحول پر ان حالات پر قادر ہو چکا تھا، میں نے سوچ لیا تھا کہ اب یہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے، میری زندگی ہزاروں سال پیچھے آگئی ہے اور اب مجھے ہزار سال پہلے کی دنیا میں مرجانا پڑے گا

یہ چیز میرے ذہن میں بیٹھ چکی تھی، چنانچہ زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ آئندہ کے وسوسوں کو نظر انداز کر دیا جائے اسلئے میں نے خود کو اس ماحول میں ضم کرلیا اور اب میں باہر کی دنیا میں جانے کا خیال چھوڑ چکا تھا۔

علی رحمان بیگ مر چکا تھا اور اب میں کائی سیس کی حیثیت سے زندہ تھا اور اب میں اپنی شخصیت بھولتا جا رہا تھا۔

تب ایک دن مجھے ایک عجیب اطلاع ملی۔ یہ اطلاع مجھے اینیکا نے نہیں دی تھی۔ اینیکا تو اب گوشہ نشین ہو چکی تھی۔ وہ خاصی عمر رسیدہ ہو چکی تھی۔ اس کے بال سفید ہو گئے تھے اور اب اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا۔ ویسے یہ بات میں نے اچھی طرح جان لی تھی کہ عورت کی حیثیت سے وہ مکمل ہے اور میرے سوا کسی سے محبت نہیں کرتی۔ اور اب تو اس کی عمر بھی محبت کرنے کی نہیں رہی تھی میں بھی خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگا تھا، یا پھر علی رحمان بیگ مر چکا تھا۔ اسی وقت جب وہ اس عجائب گھر میں گھسا تھا۔ اب صرف کاہن اعظم زندہ تھا۔ اب اگر وہ کسی کو اپنے بارے میں بتاتا بھی تو دہرا سوائے مسکرانے کے علاوہ کچھ نہ کرتا۔

لیکن جو بات میری علم میں آئی وہ بہت ہی عجیب اور انوکھی تھی۔ مجھے پتہ چلا کہ اوڈیسی کا سب سے بڑا بیٹا افناس جس کی عمر تقریباً انیس یا بیس سال تھی اپنی ماں پینی لوپی کو لے کر پہاڑوں پر چلا گیا ہے۔

امراء نے اس فرار کو بڑی اہمیت دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اوڈیسی کا بیٹا کسی خاص مقصد کے تحت فرار ہوا تھا۔ امراء کے غلاموں کے جتھے اس کی تلاش میں دوڑ رہے تھے۔ تقریباً ایک ہفتے بعد ایک اور اطلاع ملی۔

وہ یہ کہ وہ جتھے جو افناس کی تلاش میں گئے تھے ختم ہو گئے، پہاڑوں پر ان کی لاشیں ملیں تھیں۔

گویا افناس کوئی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یہ بات لوگوں کے لیے کافی دلچسپی کا باعث بن گئی تھی۔ اہل روم اس سلسلے میں بڑی بڑی پیشن گوئیاں کر رہے تھے ان کا خیال تھا کہ افناس ایک بڑی قوت بن کر ابھرے گا۔ اور بالآخر اپنے باپ اوڈیسی کا تخت حاصل کر لے گا۔

اور وہی ہوا۔ تقریباً کچھ عرصے کے بعد افناس بے شمار گڈریوں کے لشکر کے ساتھ تیار ہو کر موجودہ حکومت پر حملہ آور ہوا اور اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن امراء سازشوں کا شکار تھے۔ افناس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور افناس تخت نشین ہو گیا۔

اس کے کچھ عرصے کے بعد سمندر پر اوڈیسی کے جہاز نظر آئے تھے اوڈیسی واپس آ گیا تھا، وہ بجانے کب تک دیوتاؤں کے عتاب کا شکار رہا تھا لیکن اب وہ واپس آچکا تھا اور اوڈیسی کی آمد کی خبر امراء پر بن کر گری۔

اوڈیسی ایک فاتح کی حیثیت سے روم میں داخل ہوا اور افناس نے اس کا استقبال کیا۔

مجھے اوڈیسی کی آمد کی اطلاع ملی تو میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی، میں نے اوڈیسی سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ بجانے کم بخت مجھے بھی الکھ سکتا ہے یا نہیں۔ بہر صورت روم پر اب اوڈیسی کا مقابل نہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو ہی تخت نشین کیا تھا۔

پھر ایک رات میں کوشش کر کے اوڈیسی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اینیکا کو بھی نہیں بتایا تھا کہ میرے ذہن میں کیا ہے۔

اوڈیسی اپنے خوبصورت محل کے ایک چھوٹے سے حجرے میں متفکر بیٹھا ہوا تھا کہ میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔

اس نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور اس کے ہونٹوں سے ایک پراسرار آواز نکلی۔ "علی رحمان بیگ"

"اوہ میں تمہیں یاد ہوں"

"کیوں نہیں۔ تم نے اوڈیسی کی زندگی کی تاریخ دیکھی، آؤ دا... چلیں، اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دفعتاً مجھے اپنا ذہن سوتا سا محسوس ہوا، ایک طویل عرصے کے بعد ہواؤں کی جانی بوجھی سنسناہٹ پھر میرے ذہن سے ٹکرائیں اور میرا ذہن سوتا گیا۔ اور پھر جب ہوش بحال ہونے تو میں اسی ... میں تھا اور مجسموں کی دبی دبی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں اوڈیسی کا مجسمہ میرے نزدیک ہی موجود تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

تاریخ

روم کا ایک باب میری آنکھوں کے سامنے کھلا تھا اور بند ہو گیا تھا۔۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا عالم ہوش و حواس میں دیکھا تھا جو کچھ سوچا تھا۔ پورے حواس میں رہ کر سوچا تھا لیکن یہ سب کیا تھا۔ یہ کیسا طلسم خانہ تھا جس میں موجود مجسمے زندہ تھے اور ان زندہ مجسموں کے آگے میرے بدن میں خوف کی تھرتھری پیدا ہو گئی تھی۔

نہ جانے صبح کب ہو گی۔ اوڈیسی کا سنگی بت اب بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ میرے بالکل قریب اپنا ہاتھ اسی طرح پھیلائے کھڑا تھا۔ میرے... کانوں میں مجسموں کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ طرح طرح کی باتیں۔ طرح طرح کی زبانیں۔ جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ اب کیا کروں۔ کیا اس میوزیم کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔ چوکیدار کو آوازیں دوں۔ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخوں لیکن اس کے بعد۔۔ اس کے بعد کیا نتیجہ ہو گا۔ پولیس مجھے گرفتار کر لے گی اور پھر۔۔ اور پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لئے آزادی مسلب ہو جائے گی۔

پولیس اتنے بڑے مجرم کو اس آسانی سے تو نہیں چھوڑے گی۔ ہاں مجھے یوں معاف تو نہیں کیا جائے گا۔۔۔ اور پھر بات ایک ملک کی نہیں تھی۔ بہت سے ممالک کی پولیس میری تلاش میں تھی۔ نہیں نہیں میں پولیس کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ صبح ہو گی اور محافظ دروازہ کھولیں گے۔۔۔ پھر میوزیم باہر سے آنے والوں کے لئے کھل جائے گا اور پھر میں ایک سیاح کی حیثیت سے ان چیزوں کو دیکھتا ہوا پروقار انداز میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔

یہی بہتر ہے ہاں یہی بہتر ہے۔ لیکن آہ اس خوف پر کیسے قابو پاؤں اس طلسم سے کیسے نجات حاصل کروں۔ یہ سب کیا تھا۔ میری زندگی اتنے پچھلے دور میں کیسے چلی گئی تھی۔ علی رحمان کی حیثیت سے میں نے کتنی بار اپنے بارے میں سوچا تھا لیکن لیکن وہ سب کچھ درست تھا۔ معبد میں رہنے والے کی شکلیں ان کے انداز۔ دیوی انیکا کی قربت۔ آہ۔ اس حسین کی عورت کی قربت۔ ابھی تک میرے بدن میں مہک رہی تھی پھر جب دور بدلا تو سب کچھ وہی تھا، وہی وہ جو میں چھوڑ کر گیا تھا۔ ہاں سب وہی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے صرف چند لمحات بیتے ہوں۔ صرف چند لمحات۔

ڈرتے ڈرتے میں دوبارہ اوڈیسی کے سنگی مجسمے کی جانب دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں میری جانب گھوم گئی ہوں۔ پھر اس کی بھنبھناتی ہوئی آواز ابھری۔

"کیا بات ہے میرے دوست۔ تم کافی پریشان نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں میں پریشان ہوں۔" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔۔۔

"پریشان یا خوفزدہ؟" وہ مسکرایا۔

"پریشان بھی خوفزدہ بھی۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"یہ طلسم کدہ۔ یہ حیرت کدہ۔ میرے لئے باعث پریشانی ہے میں اس جدید دور کا انسان بہت کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ بولو مجھے بتاؤ کونسی چیز تمہیں ناپسند ہے اور الجھن بنی ہوئی ہے؟"

"بیشمار خیالات، جن میں پہلا خیال یہ ہے کہ اس عورت میں مجھے کتنا وقت گزر گیا۔"

"اس (دوران) میں۔ میرا خیال ہے صرف چند لمحات۔" اوڈیسی نے جواب دیا۔

"صرف چند لمحات؟" میں تعجب سے بولا۔

"ہاں صرف چند لمحات۔"

"لیکن اوڈیسی تمہارے روم میں تو میں نے سالہا سال گزارے ہیں۔ پورے دس سال تم نے ٹرائے کا محاصرہ رکھا۔ تمہارا بیٹا میرے سامنے جوان ہوا۔"

"آہ نہیں میرے دوست۔ تم غلطی پر ہو۔ کائی سیس کا کردار تو صرف ۔۔ لے لیا گیا تھا کہ تم خود کو روم قدیم کا ایک فرد سمجھ سکو۔ اس وقت کی سیاست کے بارے میں یہاں کے ایک باشندے کی حیثیت سے سوچ سکو۔ وہ عمر تمہاری عمر میں شامل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو ماضی تھا۔ ماضی جو گزر چکا اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔ تمہاری عمر چند لمحات بھی نہیں بڑھی اور باہر کی فضا جوں کی توں ہے۔ چوکیدار کی گھڑی کی سوئیوں نے صرف تھوڑا سا فاصلہ طے کیا ہو گا۔"

"آہ۔ لیکن وہ عرصہ۔ وہ طویل عرصہ؟"

"وہ ماضی تھا جو گزر چکا ہے۔ وہ عرصہ اس حساب میں شامل نہیں ہو گا۔ اوڈیسی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا لیکن میرا ذہن اس کی منطق قبول نہیں کر رہا ہے۔ وہ ماحول، وہ لذتیں، وہ پریشانیاں، وہ سوچ، وہ واقعات سب دھوکا، صرف ایک بار کیسے ہو سکتے تھے۔ میں پریشانی سے گردن ہلا کر رہ گیا۔

"روم میں تم نے جو کچھ دیکھا۔ وہ اس تاریخ کا صرف ایک ورق تھا۔ آگسٹس کا روم۔ آہ لیکن ٹھہرو۔ کیا تم آگسٹس سے ملے؟"

"نہیں۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"آؤ۔ پھر میرے ساتھ آؤ میں تمہیں اس سے ملاؤں۔ تمہیں اس سے مل کر بے حد خوشی ہو گی۔ اس کا دور بھی۔۔۔ آؤ۔۔ میں تمہیں اس سے ملاؤں۔" اوڈیسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں نہیں میں اب کسی سے نہیں ملوں گا۔ میں اب . . .

"بڑے بدنصیب ہو۔ بڑے ناشکرے ہو۔ تاریخ کے ایسے ایسے اہم باب تمہارے سامنے بکھرے پڑے ہیں اور تم ان سے روگردانی کر رہے ہو۔ اگر تمہارے ہی دور کا کوئی تاریخ داں ہوتا تو پوری زندگی یہیں رہنے کو تیار ہو جاتا۔"

"مگر میں تاریخ داں نہیں ہوں۔" میں نے اس سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ لیکن سنگی مجسمے کی گرفت بہت سخت تھی۔

"آؤ بھی یار کیوں نخرے دکھا رہے ہو۔" اوڈیسی . مجھے گھسیٹا ہوا ایک اور پراسرار مجسمے کے سامنے لے گیا۔

"یہ اگسٹس ہے۔" اس نے مجسمے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور اگسٹس کا مجسمہ گھوم کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ کون ہے اوڈیسی؟" اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"ایک رات کا مہمان۔" اوڈیسی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تعلق نئے دور سے ہے؟"

"ہاں!"

"اوہ۔ تو پھر یہ ہم میں کیوں ہے۔" اچانک اگسٹس نے سخت لہجے میں کہا۔ "بہتر یہ ہے کہ اسے موت کی نیند سلا دیا جائے۔ ورنہ ہماری کہانی عام ہو جائے گی۔"

"نہیں اگسٹس۔ یہ ہمارا مہمان ہے ہم نے اسے مہمان تسلیم کر لیا ہے اور ایسا بھولا ہے کہ اگسٹس سے بھی واقف نہیں ہے۔ اگسٹس جو روم کی تاریخ کا ایک اہم باب کھولتا ہے۔"

"اگسٹس سے واقف نہیں ہے؟" اگسٹس کے مجسمے نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ پوچھ لو اس سے۔"

"تب یہ احمق ہے۔ حالانکہ اہل روم نے اپنے ماہ و سال تک میرے نام سے منسوب کئے ہیں۔ "کیا تو اگست" کے مہینے بارے میں نہیں جانتا یہ میرے نام سے منسوب ہے۔"

"تمہارے نام سے" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"آہ۔ واقعی یہ تو بھولا ہے۔ پیارے دوست تو مجھے نہیں جانتا۔ مجھے جس کے دور کو — ادب کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ ورجل، ہورلیس، اووڈ — جیسے عظیم شعرا کا — اور ان کا کلام — کہ تو مجھ سے بھی واقف نہیں ہے۔ میں جو — تاریخ کا ایک اہم انسان ہوں۔ عظیم شہنشاہ جولیس سیزر کی بہن کا پوتا۔ اس کا منہ بولا بیٹا اس کا وارث اور تو مجھ سے واقف ہے۔"

اگسٹس کی آواز میں غم کی لہریں بیدار ہو گئیں میرے ساتھ آ . . .

میں تجھے اپنے سنہری دور کی باتیں بتاؤں۔ آ میں تجھے اپنا دور دکھاؤں۔"

اس نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ اور میں بری طرح لڑکھڑا گیا۔ میں نے خود کو سنبھالنے کے لئے دونوں ہاتھ آگے کر لئے تھے۔ تب اچانک میرے کانوں میں بے پناہ شور ابھر آیا۔ اور میں نے سہمے ہوئے انداز میں گردن اٹھائی۔ تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور ایک بوڑھی عورت میرے نزدیک کھڑی تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"انگور کی لذت اس کے سڑے ہوئے پانی سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ سڑا ہوا پانی جو حواس چھین لیتا ہے۔ میں نے تجھے کتنی بار منع کیا ہے پینے سے۔ اب بول تجھے کیا سزا دوں؟"

"ارے۔ ارے۔ تت تم کون ہو۔ اور . . . اور یہ" میں نے تعجب سے منہ پھاڑ لیا۔

"ہاں ہاں۔ مجھے بھی مت پہچان نور چشم تو نے اپنی قسمت برباد کر لی ہے ورنہ سیزر کے دربار میں آج بھی تیرے باپ کو احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"نہ جانے کہاں کی ہانک رہی ہو بڑی بی میں . . . میں . . ." میں نے اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا اور بوڑھی نے پاؤں سے جوتی . . اتار لی۔

"اب میں بھرے بازار میں تجھے جوتے لگاتی لے جاؤں گی۔ کیا سمجھا ہے تو نے مجھے۔"

"میں کہتا ہوں یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے تم نے۔" مجھے غصہ آ گیا۔ لیکن بڑی بی کا جوتا میرے منہ پر پڑا اور میں بوکھلا گیا۔

"بول اب پہچانا تو نے مجھے؟" بوڑھی ناک پھلا کر بولی۔

"بب . . . بڑی بی۔ بڑی بی" میں پیچھے ہٹا۔ اور دوسرا جوتا میری کھوپڑی پر پڑا۔

"اس غلیظ شے نے تیرے حواس اس قدر چھین لئے کہ تو میرا احترام بھی بھول گیا۔ اس نے کئی اور جوتے میرے جڑ دیئے۔ میں بالکل حواس باختہ ہو گیا۔ میں نے بمشکل تمام اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ لیکن میرے چاروں طرف قہقہے ابل پڑے تھے۔ میں نے پریشان نگاہوں سے . . . چاروں طرف دیکھا میرے اردگرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ اور ہنس رہے تھے۔ میرا سر چکرانے لگا اور میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یقین کرو یقین کرو تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں میں . . ."

"ہاں ہاں کہہ دے تو لیپاس نہیں ہے۔ تو لیوتی اس کا بیٹا نہیں لیپاس نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں اسے پینا چھوڑ دے یہ تیرے بس کی چیز نہیں ہے ورنہ ایک دن اپنے آپ کو بھی بھول جائے گا۔ بوڑھی نے واویلا کرنے والے انداز میں کہا۔

"لیپاس کیا واقعی شراب تیرے اوپر اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ دوسروں کی تو یہ کیفیت نہیں ہوتی۔" ایک شخص نے ناصحانہ انداز میں کہا اور اب میں نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس طرح تو سرِعام بوڑھی کی جوتیاں کھا رہا اور یہ بھی ممکن ہے دوسرے بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ کیونکہ تقدیر کا چکر چل چکا ہے ایک بار پھر روم کی جانی پہچانی سرزمین نظر آ رہی تھی۔ اگسٹس مجھے ماضی میں دھکا دے چکا تھا اور تاریخ زبردستی میرے پیٹ میں آ گھسی تھی۔

چنانچہ یہ ضروری تھا کہ اس ماحول کو اپنی شخصیت کو قبول کر لوں اور اس کے بعد قسمت کے اور چکر دیکھوں۔ پہلا کی ضروری تھی اس لئے میں نے آنکھیں بند کیں اور سر کو جھٹکنے لگا۔

بوڑھی نے کسی چور کی مانند میرا بازو پکڑ کر رکھا تھا اور میری شکل دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے آنکھیں کھول دیں۔

"میں کہاں ہوں؟" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"جہنم کے قریب!" بوڑھی غصیلے لہجے میں بولی۔

"مادرِ مہربان۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اتر گیا نشہ؟" بوڑھی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آہ۔ کیا میں نشے میں تھا۔ آہ میں نے تم سے کوئی گستاخی تو نہیں کی مادرِ مہربان اور یہ تم نے جوتی کیوں اتار رکھی ہے؟" میں نے بالکل سنجیدگی سے کہا۔

"تیرا نشہ اتارنے کے لئے۔" بوڑھی بولی۔

"افسوس۔ میرے بُرے دوست میرے درپے آزار رہتے ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں پی۔ وہ لوگ مجھے دھوکے سے پلا دیتے ہیں۔"

"اور تو پھر ان کی آغوش میں جا بیٹھتا ہے۔ تجھ سے کتنی بار کہا ہے لیپاس کہ ان کے درمیان نہ جا جو تیرے دوست نما دشمن ہیں۔ اپنے باپ لیوتی آس کی حیثیت اس کے کارنامے یاد کر اور یہ سوچ کہ شاہ کے دربار میں اس کی کیا توقیر تھی اور تو اس کی نیک نامی کو کس طرح سرِعام اچھال رہا ہے۔" بوڑھی نے کہا۔

"میں آئندہ ان سے نہیں ملوں گا مادرِ مہربان۔" میں نے ندامت سے کہا۔ جان بچانے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

"اے تم لوگوں نے یہ مجمع کیوں لگا رکھا ہے۔ کیا تماشا دیکھنے جمع ہو گئے ہو تم سب۔ کیا بھوتی آس کا کوئی احترام نہیں رہا تمہارے دلوں میں؟"

اور لوگ چھٹنے لگے۔ تب بوڑھی نے ایک لڑکے سے کہا۔ "وہ درختوں کے دوسری طرف کھڑا ہے۔ اسے یہاں بھیج دے۔"

اور لڑکا ایک طرف دوڑ گیا۔ میں خشک ہونٹوں پر پھیر رہا تھا۔ پھر میں نے چور نگاہوں سے اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

میرے بدن پر قدیم رومی نوجوانوں کا لباس تھا۔ تقدیر نے مجھے ماضی کے ایک اور جزیرے میں لا پھینکا تھا۔ آہ نہ جانے کون سی بدنصیب رات تھی جب میں اس ملک آیا اور پھر اس عجائب گھر میں آ پھنسا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دیتا۔ کم از کم زندگی یوں تو کھلونا نہ بنتی۔ ۔ ۔

اب ۔ ۔ ۔ اب اگر مجھے یہاں سے رہائی ملی اور ایک بار پھر میوزیم پہنچ گیا تو سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخوں گا۔ مجسموں میں توڑ پھوڑ مچاؤں گا اور محافظوں کو اپنی طرف متوجہ کر دوں گا۔ بلا سے وہ مجھے پکڑ کے پولیس کے حوالے کر دے۔ لیکن یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال دیکھو نہ جانے کن مصیبتوں میں پھنسنا پڑے۔

بوڑھی گردن اٹھائے ایک جانب دیکھ رہی تھی۔

تب میں نے درختوں سے دوسری جانب سے ایک بگھی آتے دیکھی۔ ایک کوچوان دو گھوڑوں والی اس بگھی کو ہانک رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب آ کر رک گئی اور کوچوان احترام کے انداز میں نیچے اتر آیا اس نے اپنی ٹوپی اتار کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"مادام آس کے حکم سے حاضر ہو گیا۔"

"میرے بیٹے کو سہارا دے کر سوار کراؤ۔" بوڑھی نے حکم دیا۔

سوار ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بھاگ کر کہاں جاتا اور پھر تقدیر سے سمجھوتہ کر چکا تھا چنانچہ بگھی میں سوار ہو گئے۔ بوڑھی مادام آس میرے نزدیک آ بیٹھی تھی اور پھر بگھی چل پڑی۔

"جو کچھ ہوا اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن تو یہ بھی سوچ میرے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ تیرا باپ کس قدر نیک نام تھا اور ۔ ۔ ۔"

"میں معافی مانگ چکا ہوں مادر۔" میں نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اب میں تجھ سے جو کہہ رہی ہوں بڑے دل سے نہیں کہہ رہی۔" بوڑھی نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے مادر۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"شاہ کے دربار سے اب بھی تیرے بلاوے آتے ہیں۔"

"میں وہی کروں گا جو تو کہے گی۔"

"تیرے باپ نے تیرے بہترین استاد مقرر کئے تھے اور انہوں نے شب و روز کی محنت سے تجھے فولاد اور اپنے باپ کا صحیح جانشین بنا دیا تھا۔ لیکن تو کیا سمجھتا ہے کیا وہ لوگ جو خود کو تیرا دوست کہہ کر تیرے سامنے آتے ہیں تیرے دوست ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"تو مجھ سے سن۔" کیا عسورا تیرا دوست ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ سوارس کا بیٹا ہے۔ سوارس کے بارے میں تجھے کچھ نہیں معلوم؟"

"سوارس؟" میں نے مسمسے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ کیا وہ ہمیشہ دربار میں تیرے باپ کی مخالفت نہ کرتا تھا۔ کیا اس نے اسے اس کے مقام سے گرانے کی کوشش میں زندگی نہیں بسر کی۔ لیکن وہ ہمیشہ ناکام رہا اور اب وہ یہ کیوں چاہے گا کہ یعنی اس کا بیٹا اگسٹس کا ہم نشین بنے؟"

"اگسٹس؟" میں چیخ پڑا۔

"ہاں۔" بوڑھی نے میری آواز پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ سیزر کی یہی کوشش ہے کہ اگسٹس کے ہمنشیں وہ لوگ ہوں جو اچھا خون رکھتے ہوں اور جن کے اسلاف کے کارنامے منظرِ عام پر ہوں اور اس نے ان لوگوں میں تیرا شمار بھی کیا ہے۔"

"آہ۔۔" میں نے ایک سرد آہ بھری۔

"سو وہ لوگ تجھے خراب کرنے پر تل گئے ہیں تاکہ سیزر تیرا خیال چھوڑ دے۔"

"آہ۔ کاش وہ سچ مچ میرا خیال چھوڑ دے۔" میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"کیا مطلب؟" بوڑھی چونک پڑی۔ اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"مم میرا مطلب یہ ہے۔ اوہ۔ میرا ذہن پھر بہک گیا تھا۔۔۔۔ مادرِ مہربان۔"

"اس ذہن کو بھٹکنے سے روک۔ یہی تو ان لوگوں کی سازش ہے تیرے خلاف۔ بلکہ تیرے باپ یعنی اس کے خلاف!" بوڑھی نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا اور میں نے دل ہی دل میں اس زبردستی کے باپ کو ایک موٹی سی گالی دی۔ پھر خاموش ہو گیا۔

بگھی بہت سے بازاروں سے گزرتی ہوئی ایک خوبصورت طرز کے مکان کے سامنے جا رکی اور بوڑھی نیچے اتر گئی۔ کوچوان اس سے پہلے نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے سہارا دے کر پہلے بوڑھی کو اور پھر مجھے نیچے اتارا اور پھر ہم دونوں اس مکان میں داخل ہو گئے!

مکان کی سجاوٹ تو بہت خوب تھی۔ عمدہ فرنیچر اور قالین وغیرہ۔ گویا اچھا خاصا گھرانہ ہے اور میں اس کا ایک اہم فرد۔"

پھر ایک کمرے سے کچھ نقرئی قہقہے ابھرے اور میرا دل دھک سے ہو گیا۔ حسین آوازیں حسین چہروں کے ساتھ باہر نکل آئیں اور یہ حسین چہرے قابلِ دید تھے۔ مجھے اور بوڑھی کو دیکھ کر تینوں حسینائیں رک گئیں۔ ان کے چہروں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"تو یہ پکڑے گئے!" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہاں۔ روما کے گلی کوچوں میں خود سے بیگانہ پھر رہا تھا۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟ کیا یہ ان کے دوست نما دشمن کی چال نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن یہ اسے کون سمجھائے۔" بوڑھی نے کہا۔

"آپ!" لڑکی بولی۔

"کس طرح؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

"آپ کی محبت اور لاڈ پیار نے ہی انہیں بگاڑا ہے پھوپی۔ ورنہ ان کے لئے بہتر ہے کہ انہیں ناناجان کے ذاتی قید خانے میں رکھا جائے۔"

"ایں؟" بوڑھی چونک پڑی۔

"ہاں۔ اس وقت تک جب تک ان کے ذہن سے سارے دوستوں کا بھوت نہ اتر جائے۔ لڑکی نے جواب دیا اور شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"نہیں نہیں۔ اب اس نے کہا ہے کہ۔ خیر چھوڑو۔ آؤ لیباس۔۔۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔" بوڑھی نے کہا۔ میں ان تینوں لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا جو حسن و جمال میں یکتا تھیں۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ بہرحال میں بوڑھی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اور بوڑھی مجھے لئے ہوئے ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئی۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں لباس بدل کر آتی ہوں۔ تمہاری تلاش میں نہ جانے کب سے سرگرداں تھی۔ تھک گئی ہوں۔" وہ بولی۔ اور باہر نکل گئی۔ میں ایک نشست میں بیٹھ کر مقدر کو کوسنے لگا۔

بہت ہی بری گھڑی تھی جب میں اس میوزیم میں آیا تھا۔ اب نجانے کن کن مشکلات سے واسطہ پڑے گا۔ کمبخت روم تو مجھ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔ اوڈیسی کا طویل زمانہ کیا کم تھا کہ اب یہ اگسٹس بھی تشریف لائے ہیں اور نجانے اس میوزیم کون کون موجود ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری زندگی اسی مانند گزر جائے۔

حالانکہ وہاں کمبخت چند ساعتیں ہی ملتی تھیں، یہ طویل رات، کہیں انہی ہنگاموں کی نذر نہ ہو جائے، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ میں تو روایتی طلسم میں پھنس گیا تھا، ایسی کہانیوں میں تو پہلے کبھی سنی بھی نہ تھیں۔ پرانے زمانے کے لوگ قصہ طوطا مینا گل بکاؤلی اور نہ جانے کیا کیا سنایا کرتے تھے لیکن ان میں بھی ایسا سائنسی طلسم موجود نہیں تھا۔ یہ کیسی انوکھی زندگی تھی، یہ کیسا انوکھا راز تھا، لیکن دفعتاً میرے ذہن میں کچھ خیالات کلبلائے۔ اب جبکہ میں نے زندگی اس ہنگام گزارنی تھی تو فرار کیا معنی رکھتا ہے۔

اب جبکہ مجھے اس ماحول میں ڈھکیل دیا گیا ہے تو کیوں نہ میں خود بھی اس سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کروں، پچھلی بار جب میں اڈیسی کے روم میں آیا تھا تو میری محبوبہ انیکا کافی حسین اور خوبصورت تھی۔ اس نے مجھے جس انداز میں اغوا کیا تھا اور جس کے بعد میں نے جس انداز میں اس کے ساتھ زندگی بسر کی تھی میں اسے کسی بھی طور پر غیر دلکش نہیں کہہ سکتا تھا۔

ظاہر ہے اس زندگی میں مجھے اپنی پسند کی عورت حاصل تھی، اور اس کے ساتھ میں نے جو لمحات بسر کئے تھے، میں اگر غیر معمولی دل و دماغ کا مالک ہوتا تو شاید انہیں کبھی بھی بھول نہ سکتا۔ اور ہمیشہ انہیں یاد کرتا رہتا۔

لیکن چونکہ اڈیسی مجھے میری نئی دنیا میں واپس لے آیا تھا اس لئے میں نے سارے خیالات ذہن سے جھٹک دیئے تھے، اب میں پھر اسی ماحول میں آ پھنسا ہوں اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں پر بھی مجھے ایک کردار کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

لیپاس کا بیٹا جو کسی ایسے شخص کا بیٹا ہے جو شاہی دربار میں... نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

لیکن میں اگر چاہتا بھی تو اپنی اس حیثیت کی تردید نہیں کرسکتا تھا، تردید کرنے کا انجام جوتیوں کی شکل میں تو سامنے آ چکا تھا اور اب سمجھانے کون کون شکلیں اختیار کرتا، ہاں اسے نظر انداز کرنا ہی... بہتر تھا۔

لیکن میں اگر چاہتا بھی تو اپنی اس حیثیت کی تردید نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ تین حسین لڑکیاں۔ کیا ان میں کوئی انیکا بن سکتی ہے۔ میں نے سوچا۔

اور میرے خیالات آہستہ آہستہ بولنے لگے میں خود بھی اس ماحول میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وجہ کچھ بھی سمجھی جائے، یا پھر یہ کہ تقدیر سے سمجھوتہ، میں نے تردد، پریشانی اور فکر کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا تھا۔

یا پھر میرے اندر ہی کوئی ایسی فطرت جاگ اٹھی جس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ میں اب خود کو کافی بہتر سمجھ رہا تھا۔

ابھی میں اپنی نشست گاہ میں بیٹھا ہی تھا کہ وہی شریر لڑکی جس نے میرے بہت سے بدیاں دیئے تھے۔ دروازے سے اندر جھانکنے لگی۔ میں نے بغور اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی، میں نے اسے دیکھا اور وہ اندر آ گئی۔

"اب جبکہ تم نے مجھے دیکھ ہی لیا تو چھپنے سے کیا فائدہ؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں اچھی طرح دیکھ لیا ہے، تم مادرِ مہربان سے میری شکایتیں کر رہی تھیں۔"

"تو اور کیا کرتی، تم ہو ہی اس قابل۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیوں میں اسی قابل کیوں ہوں؟"

"کتنے دن سے غائب ہو تم گھر سے، صورت تک نہیں دکھائی۔" وہ ناز بھرے انداز میں بولی۔ اور میرا دل دھڑک اٹھا۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی گہرائی ضرور ہے۔ ورنہ یہ پیار بھرا انداز عام لوگوں کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔

"تمہارے خیال میں کتنے دن گھر سے غائب رہا ہوں؟"

"پورے پانچ روز ہو گئے ہیں جناب۔" وہ گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"اچھا، تو کیا تم نے مجھے یاد کیا تھا؟"

"یہ پوچھنے کی بات ہے، ہر وقت پریشان رہتے تھے سب لوگ۔ مادرِ مہربان تمہاری تلاش میں کہاں کہاں سرگرداں تھی، تمہیں تمہارے دوستوں کے ہاں دیکھ لیا گیا اور ہر جگہ دیکھ لیا گیا، آخر تم مادرِ مہربان کو مل کہاں سے گئے؟"

"ایک سڑک پر اور انہوں نے بے تکلفی سے جوتیاں برسانا شروع کر دیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا کیا انہوں نے، بہت اچھا کیا، تمہارے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیئے۔" وہ ہنس پڑی۔

"لیکن تم تم۔ ۔ ۔" میں نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور میرے ذہن میں اس کا نام آ گیا۔ اس کا نام نیساں تھا، "تم اپنی شرارتوں سے باز نہیں آؤ گی نیساں؟"

"میں نے کیا شرارت کی ہے؟" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"تم مادر سے میری شکایتیں کرتی رہتی ہو اور اس وقت بھی تم نے میرے خلاف انہیں بہت کچھ بتایا ہے۔"

"بالکل ٹھیک جناب۔ اب آپ ایسے ہی ٹھیک ہوں گے۔"

"خیر میں بھی دیکھوں گا۔" میں نے گھونسہ تانتے ہوئے کہا اور... نیساں ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

باہر شاید اس نے قدموں کی آہٹ سن لی تھی۔ میں نے بھی چند ساعت کے بعد دروازے پر کسی کو محسوس کیا۔ آنے والی بوڑھی عورت میری ماں تھی۔

"اٹھو میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کہا اور میں سعادت مندی

سے باہر نکل آیا۔
وہ بھی خاموشی سے باہر نکل آئی اور پھر پیچ در پیچ راہداریاں طے کرتے ہوئے اس مکان کے عقبی حصے میں پہنچ گئی۔ یہاں میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا تہہ خانہ بنا ہوا تھا اور اس پر موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔
کمرے کی اندرونی حالت بڑی عجیب سی تھی۔ پتھریلا سا کمرہ تھا اور اس میں ایک بستر بھی بنا ہوا تھا۔
دفعتاً میرے ذہن میں وہی خیال آیا جو اس بوڑھی عورت نے کہا تھا یعنی کسی ناماجان کے قید کی بات تھی۔
میں نے حیرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور بولا۔
"مادر مہربان! یہ۔ یہ کیا ہے؟"
"جو کچھ میں کر رہی ہوں وہی کرو۔"
"لیکن لیکن آپ یقین کریں مادر مہربان۔ میں آپ کے احکامات سے سرتابی نہیں کروں گا۔"
"ٹھیک ہے اس کا تجزیہ کر لیا جائے گا فی الوقت تم یہاں رہو گے۔" یہ بوڑھی عورت نے کہا۔
"مادر مہربان۔۔۔"
"یہ میرا حکم ہے کیا تم اسے ٹالنے کی جرأت رکھتے ہو؟"
"لیکن میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آپ کے سارے احکامات کی تعمیل کروں گا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔
"چنانچہ میرے پہلے حکم کی تعمیل میں اندر چلے جاؤ۔" بوڑھی نے حسب معمول سرد لہجے میں کہا۔ ایک لمحے کو میرا دل چاہا کہ ان بڑی بی کو پکڑ کر قید خانے میں دھکیل دوں اور خود یہاں سے فرار ہو جاؤں لیکن پھر یہ خیال ترک کر دیا۔ اب جب یہ ماحول مسلط ہی ہو گیا ہے تو پھر اس سے لطف اندوز کیوں نہ ہوا جائے۔
اس لئے میں خاموشی سے سلاخوں کے پیچھے چلا گیا اور بڑھیا نے دروازہ بند کر دیا اور اس میں تالا ڈال دیا۔ پھر اس کی چابی اپنی کمر سے بندھی چرمی تھیلے میں ڈال کر مجھے گھورتی ہوئی وہاں چل دی۔
بیٹے علی رحمان بیگ۔ اب سوچو اگر اس قید خانے میں زندگی کے بیس سال گزارنے پڑتے تو کیا کرتے۔ ممکن ہے تاریخ یہی کہتی ہو لیکن ممکن نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا اور اگر نہ ہوا تو۔۔۔ تو پھر دیکھا جائے گا۔
میں ایک گہری سانس لے کر بستر پر جا بیٹھا۔ بالکل دل نہیں لگ رہا تھا میں لیٹ گیا تب اچانک میں نے قدموں کی آہٹ سنی۔ گردن اٹھا کر دیکھا تو انہیں لڑکیوں میں سے ایک لڑکی آ رہی تھی میں نے اپنے ذہن میں اس کا نام تلاش کیا۔ اس کا نام ارگا تھا اور یہ بھی میرے ماموں کی بیٹی تھی تیسری لڑکی فرزانہ تھی۔ یہ میرے سالامون کی لڑکی تھی۔ یہی تینوں لڑکیاں میری ماموں زاد بہنیں تھیں۔ اور ہمارے ساتھ ہی رہتی تھیں۔ لیکن نیساں میری ماں کی منہ چڑھی تھی اور ماں اس کی بات بہت زیادہ مانتی تھی۔
ویسے یہ تعجب کی بات تھی جس وقت میں اڈیس کے روم میں آیا تھا۔ اس وقت کالی سیس کی حیثیت سے سارے راز منکشف ہو گئے تھے۔ لیکن میری اصل حیثیت بھی برقرار رہی تھی اور میں نے اپنے طور پر بھی سوچ سکتا تھا۔ اس وقت بھی وہی صورت حال تھی۔ اور میں دوسری شخصیت کا مالک بن گیا تھا۔
ارگا میرے نزدیک پہنچ گئی۔ یہ شوخ بھی تھی لیکن نیساں سے کم۔ وہ سلاخوں کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور پھر اس نے مجھے آواز دی۔
"لیپاس!"
"فرمائیے۔ کیا اب بھی آپ کو سکون نہیں ملا؟" میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔
"مگر اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے لیپاس۔"
"ارے وہ شیطان کی خالہ نیساں۔ تم دیکھنا تو۔ وہ تمہارے پیٹ میں بھی گھسی رہے گی اور ذبح بھی کرا دے گی۔"
"یہ سب اسی کی شرارت تھی۔" ارگا نے کہا۔
"اور اس نے میرے خلاف سازش کی۔ اور ادھر مادر سے کہتی تھی کہ ارگا اور فرزانہ مادر کے خلاف سازش کر رہی ہیں۔"
"نیساں نے کہا تھا؟" ارگا نے تعجب سے کہا۔
"ہاں۔ راستے میں مجھے مادر نے بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا نیساں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔"
"ہوں۔ اور وہ سازش کیا تھی؟"
"بس اس بارے میں اس نے نہیں بتایا لیکن اس کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ تم دونوں مجھے چاہتی ہو اور میرے ساتھ شادی کی خواہشمند ہیں۔ لیکن نیساں نے کہا وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔"
"وہ ہمیشہ کی کمینی ہے۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے رہم۔ حالانکہ خود اس کی کیا حیثیت ہے۔"
"بیشک وہ یہ کیوں سمجھتی ہے کہ میں اس سے شادی کروں گا۔"
"خود کو بے حد حسین سمجھتی ہے۔"
"حالانکہ تم دونوں کے خاص طور سے تمہارے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ یقین کرو اگر کبھی مادر نے مجھ سے پوچھا تو میں تمہارے حق میں فیصلہ دوں گا۔ کیا تم بھی اس بات کو پسند کرو گی ارگا؟" میں نے کہا

اور ارگا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

"میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔"

"سوچنا بھی نہیں چاہتیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں کیا کہوں یہ بات تو۔ ۔ یہ بات تو۔ ۔" وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ پھر دور سے نیساں آتی نظر آئی۔ اور ارگا کا منہ بن گیا۔

"اے ارگا۔ تو کیا سازش کر رہی ہے۔ کیا تم مادر کو بتاؤں کہ تم لیپاس کو رہا کرنے کی سازش کر رہی ہو؟" نیساں نے کہا۔

"جی نہیں۔ میں سازشیں نہیں کرتی۔ یہ کام تو آپ نے اپنے کاندھوں پہ رکھا ہے۔" ارگا نے ناک چڑھا کر کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ ۔ ۔

"کیا کہہ رہی تھی یہ۔ ۔ ۔" نیساں نے میرے قریب آ کر پوچھا۔ لیکن میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "بولتے کیوں نہیں۔" وہ بولی۔

"کیا یہ حقیقت ہے نیساں؟" میں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا حقیقت ہے؟"

"تم مجھے چاہتی ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"ارگا بتا رہی تھی۔" میں نے سکون سے کہا۔

"کیا بتا رہی تھی؟"

"اگر تم ایسا کر بھی رہی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں۔ ۔ خوش ہوں۔"

"لیپاس تمہیں دیوتاؤں کی قسم۔ مجھے بتاؤ یہ ارگا کیا کہہ رہی تھی؟" نیساں بالآخر میری چال میں پھنس گئی!

"اور نیساں تمہیں دکھ تو نہ ہوگا؟"

"ہرگز نہیں۔ تم بتاؤ۔"

"ارگا کہہ رہی تھی تم مجھے چاہتی ہو میرے ساتھ شادی کرنے کی خواہش مند ہو اور اس لئے تم مادر کے زیادہ نزدیک رہتی ہو۔ لیکن ارگا اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔"

"اور۔ اور کیا کہہ رہی تھی۔ ؟" نیساں کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔

"کہہ رہی تھی کہ تم ان دونوں کا حق چھیننے کی سازش کر رہی ہو لیکن ارگا یہ بھی کہہ رہی تھی۔ کہ وہ تمہاری سازش کامیاب نہ ہونے دے گی۔"

"اوہ ارگا۔ ۔ ۔ ارگا۔ ۔ ۔ وہ ہوتی کون ہے ایسی گفتگو کرنے والی۔ میں اسے ٹھیک کر دوں گی۔ میں ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔"

نیساں غصے سے سرخ ہو گئی۔

"ابھی ٹھیک کر دو نیساں۔ آخر ارگا ہمارے معاملات اچھالنے والی کون ہوتی ہے۔" میں نے ہوا دی اور نیساں بھی غراتی ہوئی چلی گئی۔

میں نے آنکھیں موند کر گردن ہلائی تھی اور کہ دو میرے خلاف سازشیں۔ میں منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور یہ بھی خوش بختی تھی کہ اسی وقت دور سے فرانا گزرتی نظر آئی۔

"فرانا" میں نے اسے آواز دی۔ اور وہ مسکراتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔

"آہ۔ لیپاس کاش تم مادر کی بات مان لیتے۔ میں تمہیں یہاں دیکھ دیکھ کر بہت دکھی ہوں۔" اس نے کہا۔

"میں جانتا ہوں فرانا۔ تم میری ہمدرد ہو۔ کیا تم اس وقت میرا ایک کام کر دو گی؟"

"کہو۔ کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"مادر کہاں ہے؟"

"باہر موجود ہیں۔"

"انہیں بلا دو۔ بہت ہی اہم کام ہے۔ بہت جلدی ورنہ دیر۔ ۔ ۔ ہو جائے گی!"

"ابھی گئی لیکن۔"

"براہ کرم فرانا میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔" میں نے کہا اور فرانا دوڑتی چلی گئی اور پھر مادر آ گئیں۔

"فرانا تم جاؤ مجھے ذرا تنہائی میں باتیں کرنا ہیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"جاؤ۔ ۔" مادر نے پر رعب آواز میں کہا اور فرانا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

"مادر" میں نے عاجزی سے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"کیا آپ میری ایک بات کا یقین کریں گی۔"

"کون سی بات؟"

"نیساں نے مجھے قید خانے میں بند کرنے کا مشورہ دیا تھا نا آپ کو؟"

"ہاں۔ اس نے ٹھیک کہا تھا۔"

"نہیں۔ مادر اس نے ٹھیک نہیں کہا تھا۔ دراصل اس میں اور ارگا میں رقابت چل رہی ہے۔"

"کیسی رقابت؟"

"دونوں مجھے لوٹ کا مال سمجھتی ہیں۔ میری کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھتیں۔ مادر نہ تو میں نے شراب چکھی اور نہ کبھی چکھوں گا۔ میں تو ان دونوں سے بچنے کے لئے گھر سے نکل گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"
"دونوں ہی مجھ سے شادی کرنے کی خواہش مند ہیں۔"
"کیا بکواس کرتے ہو۔ میرے سامنے یہ گفتگو کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"
"آتی ہے مادر لیکن مجبوری ہے۔ اگر میں آپ کو آگاہ نہ کروں تو وہ دونوں یونہی میرے خلاف سازشیں کرتی پھریں گی اور آپ ان کی سازش کا شکار ہو کر مجھے اذیتیں دیتی رہیں گی۔"
"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"
"انھیں میں سے کسی نے دھوکے سے مجھے شراب پلائی تھی۔"
"کس نے؟"
"یہ میں نہیں جانتا لیکن وہ دونوں۔"
"تمہیں کیسے معلوم؟" مادر نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ دونوں اکثر میرے لئے لڑتی رہتی ہیں۔ میں ابھی . . ."
میں نے دور سے قدموں کی آواز سنی اور سمجھ گیا کہ کھونچال آ گیا ہے۔ چنانچہ میں نے لجاجت سے کہا۔ "اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اس ستون کی آڑ میں چھپ جائیں تو خود ہی سن لیں گی۔"
بوڑھی کے چہرے پر میں نے غصے کے تاثرات دیکھے تھے لیکن پھر وہ خاموشی سے ستون کی آڑ میں چلی گئی میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اور پھر کھونچال میرے سامنے آ گیا۔ دونوں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔
"ہاں۔ اب بولو۔" نیساں نے کہا۔
"تم خود بولو۔" ارگا نے کہا۔
"میں لیپاس سے شادی کی خواہش مند ہوں اور تمہارے خلاف سازشیں کرتی رہتی ہوں۔ کیوں؟" نیساں غرائی۔
"یقیناً یہی بات۔" ارگا بھی غرا کر بولی۔
"تمہیں کیسے معلوم ہوئی یہ بات؟"
"تم سمجھتی ہو چھپی رہے گی۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ اوپر اوپر سے ملی رہتی ہو اور اندر سے۔ اندر سے تمہارے دل کی ساری باتیں مجھے معلوم ہیں۔"
"یہ بات ہے۔" نیساں غرائی۔
"ہاں۔ بالکل یہی بات ہے۔"
"تب ٹھیک ہے۔ یہی سہی۔ جو کچھ تم سے بگاڑا جائے . . ."
نیساں کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ بوڑھی مادرِ مہربان باہر نکل آئی تھیں۔ ان کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔
"تو تم لوگوں نے لیپاس کو شراب پلائی تھی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"پھوپھی۔ وہ۔ وہ۔ ۔ ۔" دونوں لڑکیاں بوکھلا گئیں۔
"آؤ۔ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" بوڑھی کا لہجہ بے حد سرد تھا اور دونوں لڑکیاں بھیگی بلی کی مانند اس کے ساتھ باہر نکل گئیں۔ اور میں ہنس پڑا۔ خوب رہی تھی۔ مجھے قید خانے میں بند کرا دیا تھا لیکن اب خود کی شامت آگئی تھی۔

پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک ملازم میرے پاس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں تہہ خانے کے دروازے کی چابی تھی۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"مادرِ مہربان نے آپ کو طلب کیا ہے۔"
"مجھے ان کے پاس لے چلو۔" میں نے ملازم سے کہا۔ اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا۔ ملازم مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ یہاں بوڑھی عورت ایک تخت پر بیٹھی تھی۔ اس کے انداز پر اس وقت کافی نرمی تھی۔ تب اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میں اس کے نزدیک تخت کے دوسرے کونے میں بیٹھ گیا۔ میری گردن جھک گئی۔
"قصور ان لوگوں کا بھی نہیں ہے۔ لڑکیاں سینوں میں عموماً ایسے راز چھپائے رکھتی ہیں۔ لیکن تمہارا مقام اور ہے۔"
میں خاموش رہا اور میں نے اس پر بوڑھی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔
"لیکن تم نے اس مقام کو فراموش کر دیا ہے۔"
"میں نہیں سمجھا مادر۔" میں نے لب کھولے۔
"کیا تمہیں لیونی اس کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔؟"
"میں جانتا ہوں۔"
"کیا تمہارے دل میں یہ خواہش نہیں ابھری کہ تم بھی اس کے نقشِ قدم پر چلو۔"
"ابھری ہے۔"
"غلط۔ اگر تم نے کبھی اس انداز میں سوچا ہوتا تو کوشش بھی کی ہوتی۔ اس کے برعکس تمہیں سڑکوں پر آوارہ گردی پسند ہے۔"
"پھر میں کیا کروں مادر؟"
"سیزر کے دربار میں اپنے باپ کے حوالے سے جاؤ اور وہاں اپنے لئے مقام حاصل کرو۔"
"اوہ" میں نے گردن ہلائی۔
"یہی لڑکیوں کی بات۔ تو ابھی کوئی جذباتی فیصلہ نامناسب ہوگا۔ ابھی تمہاری عمر کچی ہے۔ اور کچی عمروں میں اتنے سنجیدہ فیصلے نہیں کئے جاتے۔" ویسے میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں جواب

دو گے؟"

"جی ہاں" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم ان تینوں میں سے کس کو پسند کرتے ہو؟"

"جی؟" میں نے سوالیہ انداز میں بوڑھی کو دیکھا۔

"میری مراد ان تینوں لڑکیوں سے ہے؟"

"اپنی عزیزاؤں کی حیثیت سے وہ تینوں مجھے پسند ہیں۔"

"شریک زندگی کی حیثیت سے؟"

"کسی کو نہیں پسند کرتا۔"

"اوہ" بوڑھی گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے یہ سب تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ تمہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن بہتر ہوگا کہ تم۔"

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں مادر مہربان کہ وہ سنجیدہ فیصلے کیا ہیں۔ سنجیدہ فیصلے کرو۔"

"کیا تم سیزر کے دربار میں جانا پسند کرو گے، کیا تم اپنے باپ کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے؟"

"یہ سب تمہارے اوپر منحصر ہے، کل ہی تمہیں وہاں لے جاسکتی ہوں؟" مادر مہربان نے کہا۔

"میں تیار ہوں" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہوگئی اس کے چہرے پر مسکراہٹیں رقصاں کرنے لگیں۔ پھر اس نے میری پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کل ہی سیزر کے دربار میں لے چلوں گی اور۔۔۔" اور وہ خاموش ہوگئی۔ پھر چند ساعت کے بعد بولی۔

"اور تمہارے فیصلے سے ان تینوں کو آگاہ کر دوں گی" بوڑھی کی اس بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب وہ بولی۔

"اب تم جاسکتے ہو، اپنے کمرے میں آرام کرو" بوڑھی نے کہا اور میں اٹھ کر وہاں سے چلا آیا۔

مجھے معلوم تھا کہ میرا کمرہ کہاں ہے، بہت ساری باتیں ایسی تھیں جو خود بخود میرے ذہن میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ ابھی میرے کمرے میں پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً مجھے دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ کون آگیا؟ میں نے سوچا اور دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

وہاں نیساں کھڑی ہوئی تھی۔

لیکن اس کے چہرے کے نقوش مدھم تھے وہ مسکراہٹ وہ شوخی اس کے چہرے سے مفقود تھے جو اس کی فطرت تھی۔ اور جو میں اب تک دیکھتا رہا تھا میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور وہ میرے نزدیک آگئی۔

"تو تم نے مجھے بھی ٹھکرا دیا؟" وہ غمزدہ لہجے میں بولی۔

"میں نہیں سمجھا نیساں؟"

"اب تو منافقت نہ کرو لیپاس۔ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ تم نے مجھ سے بات کئے بغیر کر لیا۔ بہرصورت تمہاری مرضی، ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔ لیکن مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ ارگا اور فرزانا بھی تمہارے لئے ناقابل قبول تھیں۔"

"ہاں یہ ہی سمجھ لو۔"

"پھر کیا تم روم کی کسی اور حسینہ کو چاہتے ہو لیپاس؟"

"ہرگز نہیں" میں نے جواب دیا۔ "اگر میں چاہوں گا، تو وہ صرف تم ہو گی نیساں، ورنہ کوئی اور نہیں۔"

"اب ان باتوں کو رہنے دو لیپاس میرا خیال ہے مذاق کے لئے یہ وقت قطعی موزوں نہیں ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کی مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔" نیساں کرب آمیز لہجے میں بولی۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر میں نے آہستہ سے اس سے کہا۔ "میں رات کو اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"کیوں؟" اس نے غمناک نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"یہ اسی وقت بتاؤں گا" میں نے جواب دیا۔ "یہ میرے اس فیصلے کی ابتدا تھی جو میں نے کیا تھا، یعنی یہ کہ جب میں اس زندگی میں لا پھینکا گیا تھا تو کیوں نہ میں اس کی لذتوں سے اچھی طرح ہمکنار ہو جاؤں۔

نیساں تھوڑی دیر تک خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر واپس چلی گئی۔ اب شام تک کے لئے ماحول سازگار تھا۔ بوڑھی نے مجھے دوسرے دن جانے کا وعدہ لیا تھا اور پھر اب میرے اوپر کوئی پابندی بھی نہیں تھی۔ اس لئے میں پوری طرح مطمئن رہا تھا۔

ارگا یہ فرزانا میرے پاس نہیں آئیں۔ نہ جانے وہ کیا کر رہی تھیں۔ کیا سوچ رہی تھیں۔ البتہ شام کے کھانے پر سب اکٹھے تھے لیکن چونکہ بوڑھی مادر بھی دسترخوان پر تھیں اس لئے نگاہوں کا تبادلہ نہ ہو سکا۔

کھانا خاموشی سے ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ دیر مکان کے عقبی باغ میں چہل قدمی رہی جو شاید معمول تھا اور پھر جب رات بھیگنے لگی تو بوڑھی نے کہا۔

"اب تم آرام کرو۔ اور لیپاس۔ تم جلدی سونے کی کوشش کرنا تاکہ صبح کو کسلمندی نہ ہو۔ میں نے جواب بھجوا دیا ہے اور مجھے طلب کر لیا گیا ہے۔"

"بہتر مادر مہربان" میں نے جواب دیا۔ اور پھر پلٹ کر چل دیا۔

چلتے ہوئے میں نے ایک نگاہ نیساں پر ڈالی تھی۔ لیکن اس نے میری جانب نہ دیکھا اور پھر میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

لباس وغیرہ تبدیل کر کے میں لیٹ گیا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ علی رحمان بیگ کی حیثیت سے سوچ رہا تھا۔ خود کو تسلیاں دے رہا تھا۔ آخر اتنا مضطرب کیوں ہو؟ علی رحمان۔ آزاد دنیا میں بھی تمہارا کون ہے۔ کوئی بھی تو نہیں نہ کوئی عزیز نہ آشنا۔ ایسا کوئی جو تمہارے مضطرب ہو۔ پھر ۔۔۔ اگر ماضی میں یہ لطف اٹھا لو تو تمہارا کیا جاتا ہے۔ اڈیسی کے روم میں تمہیں یکتائے حسن ایک ملی تھی جو تمہاری طالب تھی اور جس نے تمہارے حصول کے لئے سازشیں کی تھیں۔ پھر جب تم اسے مل گئے تھے تو اس نے کس چاہت سے تمہیں اپنا قرب دیا تھا اور اب ۔ یہ تین حسین لڑکیاں ۔ تاریخ خود کو دوہرا رہی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہارا قصور تو نہیں ۔ نہ ہی تم گناہ گار کہلاؤ گے کیونکہ تاریخ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ یہ تو گزرے ہوئے واقعات ہیں۔ جو خود کو دوہرا رہے ہیں۔

” اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، اگر وہ لڑکیاں خود ہی تمہاری طرف مائل ہیں تو وہ ان کا اپنا فعل اپنا کام ہے۔ چنانچہ اس زندگی سے پوری طرح لطف اٹھاؤ۔ بجائے اس کے کہ تم مہذب دنیا میں پہنچ جاؤ، زندگی کے وہی جھمیلے ہوں، تمہیں بہت کچھ کرنا پڑے۔ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم روم کی قدیم تاریخ دیکھو۔ اور ان حسیناؤں کی قربت سے لطف اندوز ہو جن کا اب کوئی وجود نہیں ہے ۔ اور جنہیں تم طلب بھی کرنا چاہو تو کسی قیمت پر حاصل نہ کر سکو۔

یہ تو تمہاری خوش بختی ہے میرے دوست کہ تم قدیم دور میں ایک جیتے جاگتے کردار کی حیثیت رکھتے ہو۔ اس کے باوجود بھی تم اپنے ذہن سے بھی سوچ سکتے ہو جو دورِ جدید کا عطا کردہ ہے۔

اگر تمہاری سوچ بھی چھن جاتی تو تم کیا کر سکتے تھے بے شک تم اس وقت دنیا کے عجیب و غریب انسان ہو لیکن خود کو تبدیل نہ کرو۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاؤ۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اگر کبھی تمہیں مہذب دنیا میں واپس جانے کا موقع ملے تو تم مہذب دنیا کو اپنی کہانی سناؤ۔ چنانچہ میں نے خود کو اسی طرح دنیا سے لطف اندوز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اب مجھے نیساں کا انتظار تھا۔

نیساں، جس نے مجھ سے وعدہ تو نہیں کیا تھا کہ وہ آئے گی۔ لیکن جہاں تک ایک مرد کی حیثیت سے میرا خیال تھا میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں بلاؤں اور وہ نہ آئے یہ تعجب خیز بات تھی۔ وہ یقیناً آئے گی، یقیناً آئے گی۔ میں نے سوچا۔

لیکن رات تیزی سے گزرتی رہی۔ میرے کان دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے اور ہر لمحہ مجھے مایوسی ہوتی جا رہی تھی۔ کیا اس لڑکی نے یہ اندازہ کر لیا ہے کہ میں ان سے صرف کھیلنا چاہتا ہوں، میں انہیں کوئی خاص اہمیت نہیں دوں گا ۔ ہاں اس کا یہ سوچنا درست تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ مادر مہربان نے ان تینوں کو بتا دیا ہوگا کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے، یعنی الیاس ان تینوں میں سے کسی کو پسند نہیں کرتا۔

اگر یہ بات انہیں معلوم نہ ہوتی تو ان کے چہروں پر غم کے تاثرات نہ ہوتے۔ اس کا مقصد ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر خود کو سنبھال لیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ تینوں میری خواہش مند تھیں، ہاں اندازے سے تو یہی پتہ چلتا تھا۔ نجانے کب تک میں اس بارے میں سوچتا رہا، کافی دیر گزر گئی اور مجھے غنودگی سی محسوس ہونے لگی لیکن شاید نیند پلکوں کے راستے اندر نہیں گھسی تھی کہ مجھے دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں ایک دم سے چونک پڑا۔

میں اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور دروازے کی جانب دیکھنے لگا جسے میں نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ دروازہ پوری طرح کھل گیا آنے والی نیساں ہی تھی۔

میرا دل خوشی سے اچھل پڑا، گویا میری مراد پوری ہونے کو تھی میں دل ہی دل میں مسکرایا اور سیدھا بیٹھ گیا۔ نیساں نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ تب میں نے نیساں سے کہا۔ ” نیساں دروازہ بند کر دو۔“

نیساں چند ساعت اپنی جگہ کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر مڑی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

” کیا تمہیں یقین ہے نیساں کہ مادر مہربان سو چکی ہیں۔ میں نے پوچھا۔“

” ہاں۔ میں ان کے کمرے کی جانب سے آئی ہوں۔ اور میں نے اندر جھانک کر دیکھا ہے کہ وہ سو چکی ہیں۔“ نیساں نے جواب دیا۔

” دوسرے لوگ، میری مراد ملازموں وغیرہ سے ہے۔“

” کسی کے جاگنے کے آثار نہیں ملے۔“

” اور وہ دونوں لڑکیاں؟“

” ان کے بارے میں، میں ابھی نہیں کہہ سکتی۔“

” کیوں؟“

” مجھے یقین ہے کہ وہ بھی میری طرح تمہاری بے اعتنائی کی آگ میں جل رہی ہیں۔ اور انہیں بھی سکون نہیں ہے۔“

” بیٹھ جاؤ نیساں۔“ میں نے کہا۔ اور وہ میرے سے تھوڑے فاصلے پر ایک جگہ بیٹھنے لگی۔ ” وہاں نہیں یہاں آؤ۔“ میں نے کہا اور وہ میرے قریب آ گئی۔ اس نے میرے نزدیک بیٹھنے پر تعرض نہیں کیا تھا۔

” تم اداس کیوں ہو؟“

"مجھ سے یہ سوال کرتے ہو لیپاس ؟"

"ہاں!"

"جواب ضرور چاہتے ہو ؟"

"ہاں"

"لیکن جواب تمہارے لیے غیر متوقع نہیں ہوگا!"

"کیا مطلب ؟"

"میں تمہیں چاہتی ہوں بے پناہ - دیوانگی کی حد تک۔ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھے تھے۔ لیکن تم نے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔"

"کیوں - آخر کیوں ؟"

"کیا تم نے مادر مہربان کو جواب نہیں دیا کہ ہم میں سے کوئی تمہیں شریک حیات کی حیثیت سے قبول نہیں ہے" نیسان نے جواب دیا۔

"اوہ نیسان کیا اس جواب سے تمہاری دل شکنی ہوئی ہے ؟"

"نہ ہوتی ؟"

"ہاں - نہ ہونی چاہیئے تھی"

"کیوں ؟"

"اس لیے کہ میری زندگی میں ابھی اعتدال نہیں ہے۔ میں نے مستقبل کے لیے ابھی کچھ نہیں کیا ہے۔ ابھی میں اس سلسلے میں کوئی مطالبہ کس طرح کر سکتا ہوں۔ مادر مہربان مجھے سینزر کے پاس لے جا رہی ہے۔ میں وہاں پہنچ کر آگسٹس کی ہم نشینی اختیار کروں گا۔ اور اس کے بعد مجھے کوئی حیثیت ملے گی۔ تب نیساں۔ تب میں تمہیں حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کروں گا!"

"کیا - کیا یہ سچ ہے۔ کیا یہ سچ ہے لیپاس ؟"

"میرے دل میں تو یہی ہے"

"تو - تو تم نے مادر مہربان سے یہ بات کیوں نہ کہہ دی ؟"

"اس کی ایک وجہ ہے"

"کیا ؟" نیساں کے جذبات نمایاں تغیر نظر آگیا تھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ تم الجھن میں مبتلا رہو"

"کیسی الجھن ؟"

"کیا میرے یہاں سے جانے کے بعد۔ وہ دونوں لڑکیاں تم سے خوش رہتیں۔ اور کیا وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرتیں۔ اگر میں یہاں رہتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ تمہارے لیے ایک سہارا موجود ہے لیکن میں تمہیں تنہا ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ خاص طور سے ایسی شکل میں جب مادر مہربان تم سب سے یکساں محبت رکھتی ہیں۔ اور ان کے مزاج میں یہ بات بھی ہے کہ وہ یک طرفہ طور پر سوچ سکتی ہیں۔ ایسی حالت میں تم یہاں تنہا رہ جاتیں اور مجھے تمہارے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا۔ مطلب یہ کہ میرا یہ اظہار ان دونوں کو تم سے برگشتہ کر دیتا اور وہ دونوں یکجا ہو جاتیں اور تم تنہا رہ جاتیں۔ ایسی حالت میں میں تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتا تھا!"

"اوہ لیپاس۔ تم اتنی گہرائی سے بھی سوچتے ہو" نیساں بے اختیار ہو گئی اور میرے سینے سے آلگی۔

"کیوں نہیں نیساں جب میں تمہیں چاہتا ہوں تو تمہارے بارے میں سوچنا بھی میرا فرض ہے" میں نے کہا۔ نیساں بھی جذبات میں مجھ سے چمٹ گئی اور یہی تو میری خواہش تھی۔ میں نے اسے اپنے بستر پر گرا دیا اور اس پر جھک گیا۔

نیساں نے تعرض نہیں کیا تھا، وہ محبت کے جذبات میں اس قدر ڈوب گئی تھی کہ اسے ان منازل کے طے ہونے کا بھی احساس نہ ہوا جو بہر صورت طے نہیں ہونے چاہیئے تھے، اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ابھی مستقبل دور ہے، نجانے کب میں اس کی زندگی میں داخل ہوؤں اور اس سے پہلے اسے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیے لیکن وہ خود کو نہ سنبھال سکی، آخر لڑکی تھی۔ نوجوان تھی - اور میں - میری تو بات ہی نہ کی جائے، میں تو ایک عرصے سے آگسٹس سے انتقام لے رہا تھا۔ ان لمحات کا انتقام جو اس نے اپنی گرفت میں لیے تھے - مجھے بے بسی کے بستر پر دھکیل دیا اور اس کا انتقام میں نیساں کے بھرپور بدن سے لے رہا تھا۔

نیساں میرے نزدیک کسمساتی رہی، الجھتی رہی اور پھر پرسکون انداز میں گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ خود میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

یا پھر یوں کہنا چاہیے کہ میں نے اپنی زندگی کا ماحول پا لیا تھا جسے میں ماضی میں داخل ہو کر کھو چکا تھا۔

پھر جب صبح کی آمد آمد کا اعلان ہوا، مرغوں نے بانگ دینا شروع کی تو میں نے نیساں کو جھنجھوڑ دیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، اس کے چہرے سے شرم کے قطرات چمکنے لگے۔

"اوہ لیپاس لیپاس۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نیساں۔" میں نے اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"لیپاس تم میری زندگی میں کتنی دور تک پہنچ گئے۔" اس نے کہا۔

"تم اس قربت کے لیے خوفزدہ کیوں ہو نیساں۔ بالآخر تمہیں میری زندگی میں بھی داخل ہونا ہی ہے۔"

"آہ لیپاس اب انتظار کی شدت اور کٹھن ہو جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں ہے، تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا نیساں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں بے اختیار ہو جاؤں گی لیپاس۔ اب تو تم مجھے بے لیے یاد آؤ گے۔"

"میں تم سے زیادہ دور نہ رہوں گا، دیکھوں گا کہ حالات کس حد تک جاتے ہیں۔ میری اپنی رائے یہ ہے نیساں کہ تم بالکل اس انداز میں مجھ سے الگ رہو جیسے دوسروں کی مانند تم مجھ سے ناراض ہو۔ خبردار مجھ سے اپنی قربت کا اظہار کسی پر نہ ہونے دینا۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ کل تم میرے سامنے بھی نہ آؤ۔"

"لیپاس اگر تم یہ بہتر سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے میں تمہاری ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گی۔" نیساں نے جواب دیا اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

میرے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر میں بستر پر لیٹ کر اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک عورت کی حیثیت سے میری زندگی میں بہت سی عورتیں آئی تھیں۔ لیکن وہ عورت پن سے بہت دور تھیں۔ سب کی سب پیشہ ور۔ یا ایسی جن کو عورت کہنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے۔

بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ ڈیسی کے دور کی انیکا بھی بیباک تھی۔ اور اس میں اتنی نسائیت نہیں تھی جتنی ان لڑکیوں میں۔ اور اب جب تقدیر نے میری مرضی کے خلاف مجھے یہ موقع دیا تھا۔ تو میں فرشتہ بننے کی کوشش کیوں کرتا؟

میں اپنے بستر پر اینڈتا رہا۔ پھر چونکہ مادر مہربان نے مجھے صبح جلدی جانے کے لیے کہا تھا اس لیے میں نے سونا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھ گیا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے تیاریاں مکمل کر لیں۔

اور پھر جب سورج نکلا تو مادر مہربان نے میرے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا پا کر وہ اندر آ گئیں اور مجھے دیکھ کر مسکرا اٹھیں۔

"یہ ایک نیک شگون ہے۔" وہ بولیں۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں نے شگون لیا تھا۔ میں نے سوچا تھا اگر تم اس پر آمادہ ہو تو رات کو اس بارے میں سوچتے رہے ہو گے اور صبح کو مجھے جاگتے ہوئے ملو گے۔ اور اگر تم دل سے آمادہ نہ ہو گے تو۔"

"میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہ صرف جاگ رہے ہو بلکہ تیار بھی۔ منتظر ہوئے ہو۔ اور یہاں آ گئے ہو۔ میرا خیال ہے تم رات کو سکون سے سو بھی نہ سکے!" بوڑھی نے میری آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سیزر کے دربار کے بارے میں سوچتا رہا۔"

"وہاں تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ لیونی آکس کو سیزر نے اپنی خاص مہر دی تھی جو اب تمہارے کام آئے گی۔"

"خوب۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ بوڑھی عورت بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اور پھر وہ ضروری تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ میں تو تیار ہی تھا۔ ناشتہ کیا گیا جس پر تینوں لڑکیاں موجود تھیں۔ نیساں معصوم لگ رہی تھی۔ وہ بھی رات بھر جاگی تھی لیکن اس کے چہرے پر خمار کے بجائے نکھار تھا جبکہ دوسری دونوں لڑکیوں کے چہرے ستے ہوئے تھے۔

لیکن نیساں کی طرف کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔

پھر ناشتے کے بعد کوچوان نے آ کر اطلاع دی کہ بگھی تیار ہے۔ بوڑھی نے بھی عمدہ لباس پہنا۔ لیونی آکس کی بیوی کی حیثیت سے وہ بھی قابل احترام تھی۔ اور حیثیت کے مطابق جانا چاہتی تھی۔ تب ہم دونوں بگھی میں سوار ہو کر چل پڑے۔

اور تھوڑی دیر کے بعد میں روم کی اس قدیم عمارت پر پہنچ گیا جو ایک بار میں نے پہلے بھی دیکھی تھی۔ لیکن یہ دور اس دور سے بھی پہلے کا دور تھا اور اس عمارت کی شان کچھ اور بڑھی ہوئی تھی۔

سیزر کا دربار نہیں لگا تھا۔ اور لوگ جمع ہو رہے تھے۔ بوڑھی نے ایک معتمد کو سونے کی ایک مہر دی۔ اور معتمد اسے دیکھنے لگا پھر اس نے ادب سے گردن جھکا دی۔

"کیا حکم ہے؟"

"سیزر کی قدم بوسی چاہتی ہوں۔"

"کیا نام بتایا جائے؟"

"لیونی آکس کی بیوی۔"

"اوہ قابل احترام ہستی لیونی آکس۔ اور اس کی قابل احترام بیوی آئیں تجھے بیٹھنے کے لیے مناسب جگہ بتا دوں۔" معتمد نے کہا اور بوڑھی نے مجھے اشارہ کیا۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

دربار ہی کے ایک مخصوص حصے میں ہمیں بٹھا دیا گیا۔ حالانکہ ابھی یہاں دوسرے لوگ نہیں پہنچے تھے لیکن یہ خصوصی رعایت ہمیں

لیوتی اُس کی خصوصی مہر دیکھ کر دی گئی تھی ۔ میں بوڑھی عورت کے ساتھ بیٹھ گیا جو بے پناہ خوش نظر آ رہی تھی ۔ تب اس نے جھک کر مجھ سے کہا۔

"تو نے دیکھا لیوتی اُس نے مرنے کے بعد بھی ہمیں کتنی .. سہولتیں فراہم کر دیں اور یہ سہولتیں بلا وجہ ہی نہیں مل گئیں بلکہ اس کے لیے اس نے شدید محنت کی تھی ۔" اس نے خوشی سے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں مادرِ مہربان ۔" میں نے جواب دیا۔

"اور میں بھی چاہتی ہوں کہ تو اپنی اولاد کے لئے ایسے بہت سارے نشان چھوڑے ۔"

"جی ۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا حالانکہ دل ہی دل میں میں نے بوڑھی کو ایک موٹی سی گالی دی تھی ۔ میری اولاد ۔ بوڑھی بے وقوف میری اولاد تو جدید دنیا میں ہو گی ۔ تیری دنیا میں تو میں صرف مہمان کی حیثیت سے آیا ہوں ، یہ دوسری بات ہے کہ میں تم لوگوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ جاؤں ۔ لیکن میں یہ بات اس سے نہیں کہہ سکتا تھا سو میں انتظار کرتا رہا اور درباری آنا شروع ہو گئے ۔ پھر سیزر نمودار ہوا ۔ تاریخ کی وہ عظیم شخصیت جسے تقریباً سبھی لوگ جانتے ہیں میں نے بھی سیزر کے بارے کہیں تھوڑا بہت پڑھا تھا اور اس کے بارے سوچا بھی تھا بلکہ اپنی دنیا میں ، میں نے تو سیزر کو دو چار فلموں میں دیکھا بھی تھا اور آج تاریخ کا وہ کردار اپنے اصلی رنگ و روپ میں میرے سامنے موجود تھا ، کیسا عجیب لگ رہا تھا مجھے اور میں بڑے حیرت بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا ۔ سیزر کی شان ہی کچھ اور تھی اور جب وہ اپنے تخت پر بیٹھ گیا تو لوگوں نے اس کے سامنے حاضری دینا شروع کی ۔

حسب مراتب لوگ بیٹھ گئے اور پھر مختلف امور سیزر کے سامنے پیش کئے ۔ شہنشاہ روم ان امور پر فیصلے صادر کرنے لگا ۔ تب معتمد نے لیوتی اُس کی مہر اسے پیش کی اور شہنشاہ سیزر اسے دیکھنے لگا ، پھر اس نے پوچھا۔

" آں یہ مہر تو ہم نے اپنے جاں نثار لیوتی اُس کو دی تھی ۔"

"اس کی بیوی باریابی چاہتی ہے ۔"

"اس قابل احترام ہستی کو پیش کرو ۔" تب بوڑھی اٹھ کر اس کے سامنے پیش ہو گئی ۔" لیوتی اُس کی خدمات کے احترام میں ہم نے تجھے عزت دی ہے خاتون ۔ یہ مہر تمہیں کیوں پیش کی گئی ہے ؟" سیزر نے پوچھا۔

"میں کچھ طلب کرنے اور کچھ دینے آئی ہوں ۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

"ہم نہیں سمجھے ۔"

"لیوتی اُس کا بیٹا اب جوان ہو چکا ہے ۔ اور میں اسے تمہاری خدمت میں لے آئی ہوں تاکہ وہ بھی اپنے باپ کی جانشینی کرے ۔"

"خوب اور ہمیں یقین ہے کہ لیوتی اُس کا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح جاں نثار اور بہادر ہو گا ۔ کہاں ہے وہ ہم اس سے ملنے کے خواہشمند ہیں ۔"

تب مجھے سیزر کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اور وہ مجھے چاروں طرف سے دیکھنے لگا ۔" ہم توقع کرتے ہیں کہ ایک دلیر باپ کی اولاد اسی کی مانند ہو گی ۔ لیکن لیوتی اُس کو مہمات کی وجہ سے اپنے بیٹے کی تربیت کا موقع ملا ہے یا نہیں ، یہ ہمیں نہیں معلوم ، ہاں معزز خاتون تم اس بارے میں کیا کہتی ہو ؟" سیزر نے پوچھا۔

" ہاں وہ اپنے باپ کا صحیح جانشین ہے ۔" بوڑھی نے جواب دیا

"کیا اسی کی مانند نڈر اور جاں نثار ؟" سیزر نے جواب دیا

" ہاں ۔" بوڑھی پر عزم لہجے میں بولی ۔

"اور آگسٹس کو ابھی سے ایسے جاں نثاروں کے درمیان رہنا چاہیے جن پر وہ عملی زندگی میں آگے کے بعد پوری طرح بھروسہ کر سکے ۔ گویا اس کے جانے پہچانے وفادار اس کے ساتھ ہوں گے ۔ یہی تو ہماری خواہش ہے ۔ تو ہم اسے روانہ کر دیں گے آگسٹس کے پاس اور یہ بھی اس تعلیم حاصل کرے گا اور آگسٹس کا ہم نشین ہو گا ۔ تم اسے تین دن کے بعد ہمارے پاس لے آنا اس وقت تک ہم اس کی روانگی کا بندوبست کر لیں گے ۔"

میری ماں نے سیزر کا شکریہ ادا کیا اور سیزر نے وہ مہر اسے واپس کرتے ہوئے کہا ۔" اسے اپنے پاس رکھو ۔ لیوتی اُس کی خدمات اس قدر ارزاں نہیں ہیں کہ ہم اس کے بیٹے کی تقرری کر کے اپنے فرض کو پورا .. محسوس کریں ۔ اس سے بعد کے بارے میں سرکاری وصیت نامے میں درج ہے کہ اس کے عوض کسی بھی حیثیت میں کوئی بھی ضرورت اہلِ اقتدار پوری کریں ۔ تو میری ماں نے احترام سے اس مہر کو لے کر بوسہ دیا ۔ اور پھر مجھے ساتھ لے کر خوشی خوشی چل پڑی ۔ جس وقت وہ بگھی میں بیٹھی تو خوشی سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے ۔ چہرہ کھلا پڑتا تھا

اور وہ مسکرا رہی تھی۔
" دیوتاؤں نے میری سن لی۔"
" تم بہت خوش ہو مادر۔"
" کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ آج میرا لیوٹی اس پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔ آج اس کے بیٹے نے اس کا عہدہ سنبھالا ہے۔"
" ابھی کہاں ماں۔ ابھی تو سینر نے مجھے واپس بھیج رہا ہے۔"
" ہاں آگسٹس کے پاس۔ اور سینر نے آگسٹس کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ گویا جب وہ شہنشاہ بنے گا تب تو اس سے کوئی اہم منصب دار ہو گا اور صحیح معنوں میں وہی تو تیری جوانی ہوگی۔ یوں بھی میں تجھے ... ... " بوڑھی خاموش ہو گئی۔
" آپ کچھ کہتے کہتے رک گئیں مادر۔" میں نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
" بات ایسی نہیں۔ جو میں یوں کہہ دوں۔"
" میرے ذہن میں تجسس بیدار ہو گیا ہے۔"
" میرا خیال ہے کہ آگسٹس کی ہم نشینی میں اور اس کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں تجھے بہت کچھ حاصل ہوگا۔ تجسس کمزور ذہنوں کی پیداوار ہوتا ہے۔" بوڑھی نے کہا۔
" لیکن ابھی مجھے اس کی ہم نشینی نصیب نہیں ہوئی ہے۔"
" ہو جانے گی بہت جلد۔"
" اس وقت تک میں اپنے کمزور ذہن کو کہاں لے جاؤں۔" میں نے کہا اور بوڑھی مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
" کیا مطلب ہے تیرا؟"
" میرا کمزور ذہن اس بات کو جان لینا چاہتا ہے جو تم نے ادھوری چھوڑ دی ہے مادر مہربان۔" میں نے کہا اور وہ مسکرا دی۔
" میں تجھے ان لڑکیوں کے درمیان رہنے نہیں دینا چاہتی۔"
" کیوں۔"
" اس لیے کہ وہ تینوں۔ تینوں ہی تجھ سے شادی کی خواہش مند ہیں۔"
" ہونہہ۔ میں انہیں منہ نہیں لگاتا۔ اور پھر ان میں نیساں سب سے آگے ہے مادر۔ میرا خیال ہے تم اسے اپنے ساتھ رکھا کرو۔ وقت ناوقت مجھے پریشان کرتی رہتی ہے۔"
" کیا واقعی؟"
" ہاں مادر۔ لیکن براہ کرم اس سے ذکر نہ کرنا۔"
" تم نے بہتر کیا کہ مجھ سے تذکرہ کر دیا۔ ابھی جب تک تم یہیں ہو میں اسے اپنے کمرے میں سونے کی ہدایت ...۔"
" یہی بہتر ہے مادر۔" میں نے کہا اور بوڑھی خاموش ہو گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ممکن ہے پرانے دور میں میرا کردار ایسا بھی ایک فرد رہا ہو۔ اور ممکن ہے یہ روم کی تاریخ میں تحریک ہو لیکن میں یہ قوت رکھتا تھا تو پھر میں اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم گھر واپس پہنچ گئے۔ مادر نے مجھے اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے کہا۔ اور پھر ملازموں کو بلا کر میرے بستر کی خصوصیات کے بارے میں ہدایات کرنے لگی۔
" میں اب دوسری لاشوں پر سوچ رہا تھا۔ ارگا یا فرانا۔ دونوں میں سے کسی سے رابطہ قائم ہونا چاہیئے۔ نیساں کو تو میں نے ٹھکانے لگا ہی دیا تھا۔ گو اس کے ساتھ گزری ہوئی رات بہت دلکش تھی اور ابھی تو میں اس سے پوری طرح واقفیت ہی نہ حاصل کر سکا تھا
- ہاں مجھے کچھ اور روز ملے تو پھر شاید۔ لیکن دقت یہ تھی کہ وقت بہت کم تھا۔
مادر کسی کام سے کہیں چلی گئیں۔ اور جب ان کی بگھی مکان سے بہت دور نکل گئی تو میں ایک گہری سانس لے کر باہر نکل آیا۔ باہر میں نے ایک ملازم سے پوچھا۔
" نیساں کہاں ہے؟"
" وہ ارگا کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہے۔"
" اور فرانا۔" میں نے بے اختیار پوچھا۔
" عقبی باغ میں پھول چن رہی ہیں۔" ملازمہ نے جواب دیا۔
اور میری باچھیں کھل گئیں۔ یہ تو خوش بختی تھی۔ چنانچہ میں برق رفتاری سے باغ میں پہنچ گیا۔ دور ہی سے میں نے فرانا کو دیکھ لیا تھا اور اس نے بھی مجھے۔
وہ پھول توڑتے توڑتے رک گئی۔ اور میں اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔
" فرانا۔" میں نے اسے آواز دی۔
" ہوں۔"
" رک کیوں گئیں۔ اپنا کام کرو۔" میں نے کہا۔
" تم کیوں آئے ہو؟"
" تمہیں میرا آنا ناگوار گزرا ہے؟"
" نہیں!"
" پھر اتنی بے رخی کیوں برت رہی ہو؟"
" نہیں۔ بے رخی کی بات تو نہیں ہے۔ بس یونہی۔ تم نے۔ تم نے تو مادر سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ۔ کہ۔"
" اوہ۔ تو یہ بات تم تک پہنچ گئی۔"
" مادر نے اعلان کر دیا تھا کہ ...۔"
" فرانا۔ فرانا۔ تم بے حد معصوم ہو۔"
" کیوں۔" اس نے بھولے پن سے کہا۔
" میں نے ان دونوں کی شکایت مادر سے کی تھی۔ تمہیں معلوم ہے؟"

"ہاں۔"

"تمہاری تو نہیں کی۔"

"کیا مطلب؟"

"تم نے اس کی وجہ سوچی؟"

"نہیں۔"

"میں تمہارا راستہ صاف کرنا چاہتا تھا فرانا۔"

"اوہ۔ تو۔ تو کیا۔ لیکن۔" فرانا خوشی سے کانپنے لگی۔

"فرانا۔ کیا اس طرح باتیں کرنا مناسب ہے؟"

"اوہ تو۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی بھی ملازمہ، یا ملازم ان دونوں شیطان کی خالاؤں کو اطلاع دے سکتا ہے۔ یا پھر مادر کو بھی اس بارے میں پتہ چل سکتا ہے۔"

"اوہ۔ ہاں یہ تو ہے۔"

"رات کو فرانا۔ رات کو۔ میں اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کروں گا۔ رات کو فرانا۔ اس وقت جب سو جائیں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں وہاں نہ رکا۔ پھر رات کو فرانا کیوں نہ آتی۔ حسین لڑکی۔ نئی رات کی نئی ساتھی۔ نیساں کا میں نے پہلے ہی بندوبست کر دیا تھا۔ اس لیے آج اس کے آنے کا خطرہ نہیں تھا۔

فرانا کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"فرانا۔" میں نے جذبات سے بھرپور آواز میں کہا۔

"ہوں۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"مادر سو چکیں تھیں؟"

"ہاں۔ اور نیساں ان کے کمرے میں ان کے نزدیکی بستر پر کروٹیں بدل رہی ہے۔" فرانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ فرانا۔ میرے نزدیک آجاؤ۔" میں نے اسے بستر پر گھسیٹتے ہوئے کہا:

"تم کچھ باتیں کر رہے تھے لیپاس؟"

"ہاں فرانا مستقبل کی باتیں۔ یہاں سے جاتے وقت میں مادر سے کہہ دوں تاکہ وہ تمہاری نگہداشت میرے لیے کرے۔"

"اوہ لیپاس۔ میرے لیپاس۔" لڑکی بے اختیار ہو گئی۔ اور جب عورت بے اختیار ہو جائے تو پھر دوسروں کے اختیار میں آجاتی ہے۔ یوں دوسری رات فرانا کے ساتھ گزری۔ اور میں نے آگسٹس سے خوب انتقام لیا جو میری مرضی کے خلاف مجھے اپنے دور میں لے آیا تھا۔ اور اب تیسری موت ارگا کی تھی۔ لیکن ارگا، فرانا کی طرح معصوم نہیں تھی۔ اس پر خاصی محنت کرنا پڑی لیکن بہرحال عورت تھی۔ قوت کم ہو یا زیادہ۔ عورت شکست ضرور کھاتی ہے۔ اور ارگا کو بھی شکست کھانا پڑی۔ یوں تیسرا دن گزر گیا۔ چوتھی رات بھی مصروف تھی کہ اس رات کی صبح مجھے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ رات بھر بوڑھی کی نصیحتوں کو برداشت کرنا۔ نہ جانے کیا کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔ بمشکل صبح ہوئی اور بوڑھی مجھے لے کر روانہ ہوئی۔

چونکہ دوسروں کو ہدایت جاری کر دی گئیں تھیں۔ یعنی کوئی ٹالنے والی بات نہیں تھی۔ ایک قافلہ جانے کے لیے تیار تھا۔ امیر قافلہ نے مجھے خوش آمدید کہا۔ اس نے بتایا کہ سیزر کی طرف سے میرے لئے ہدایات جاری کر دی گئی ہیں۔"

چنانچہ میں قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ہر قسم کی سہولتیں فراہم تھیں لیکن مجھے روم چھوڑنے کا قلق تھا۔ یہاں جو وقت گزر گیا بہت دلچسپ تھا یعنی جو ہوا تھا وہ بہت خوب تھا اور اگر جاری رہتا تو شاید میں کوفت کا شکار نہ ہوتا۔

طویل سمندری سفر۔ بے مزہ اور غیر دلچسپ۔ اور اس سفر کے درمیان میں نے کئی بار آگسٹس کو کوسا اور اپنی تقدیر کو کوسا۔ تب میں اس درس گاہ میں پہنچ گیا۔ جہاں وہ موجود تھا۔ ہاں وہی جانا

پہچانا اگستس۔ لیکن نوجوان اور سنجیدہ۔ علم و دانش کا پیکر۔ ایک عجیب سا سحر تھا اس کی شخصیت میں۔

میرے بارے میں اس نے سنا اور مسکرا دیا۔ "تو تم ہمارے رفیق ہو اور رفاقت کا ایک طویل عرصہ ہمارے ساتھ گزارو گے۔" اس نے کہا۔

"ہاں میرا یہی ارادہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سو ہم نے تمہیں قبول کیا۔ اور ہمارے ہمدم کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو۔ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

دل تو چاہتا ہے کہ کر پکڑ کر زمین پر دے ماروں اور کہوں کہ سیدھی طرح مجھے میری دنیا میں پہنچا دو ورنہ اچھا نہ ہوگا لیکن ایسا بے جان ہوگیا تھا اس کے سامنے کہ کچھ نہ بول سکا۔ اور پھر اس کی ہم جلیسی تھی اور علم و دانش کے شب و روز۔ مختلف قسم کے علوم تھے اور ہم سب جن میں اگستس بھی تھا۔ لگے بندھے اصول۔ ایک مخصوص طرز کی زندگی۔ جو بری طرح بور کر رہی تھی۔ بھلا مجھے پڑی تھی کہ میں اس کے وفاداروں کے ساتھ زندگی بسر کرتا۔ لیکن بس ایک خامی تھی۔ کسی طور سے اس نے اپنے مطلب کی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ زبان بند ہو جاتی تھی۔ گنگ سم ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس کے سامنے۔

دوسری طرف اس کا یہ عالم تھا کہ میری موجودگی سے بے حد خوش ہوتا تھا۔ یوں نہ جانے کتنی بے کار زندگی گزر گئی۔ میں تو بعض اوقات خودکشی کر لینے پر غور کرنے لگتا تھا کہ جانے کب تک اس مصیبت میں گرفتار رہوں۔

لیکن ایک روز قسمت بدل گئی۔ خدا نے میری سن لی تھی۔۔۔ اگستس کو ایک اطلاع ملی اور وہ پریشان ہوگیا۔ پاگلوں کی طرح ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے کہا "میں روم جاؤں گا۔"

اور ایک عظیم الشان جہاز اسے لے کر چل پڑا۔ زندگی کا جمود ٹوٹ چکا تھا۔ راستے میں اطلاع ملی کہ سیزر کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا ایک پس منظر تھا جو اس وقت معلوم نہ ہو سکا۔

لیکن بہرحال یہ خوشخبری کم نہیں تھی۔ ایک بار پھر روم جانا نصیب ہو رہا تھا۔ روم جہاں رنگینیاں تھیں۔ سو ہم روم پہنچ گئے۔ اگستس ایک مضبوط حکمران کی حیثیت سے روم کا نظم و نسق سنبھالنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں اس کے دو ساتھی تھے۔ انطونی اور لیپی ڈس، ان دونوں کے ساتھ مل کر اس نے مجلس ارباب ثلاثہ بنائی اور پھر بروٹس اور۔۔۔ کائی سیس سے نبرد آزمائی کے منصوبے تیار ہونے لگے!

اگستس کے ایک قریبی ساتھی اور معتمد ہونے کی وجہ سے۔۔ مجھے کئی روز تک اپنے گھر کا رخ کرنے کی مہلت نہ مل سکی۔ لیکن جب اگستس ایک مرحلے سے فارغ ہوگیا۔ تو ایک دن اس نے مجھے طلب کیا۔

"میرے دوست، میرے رفیق! حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے، ایک معتمد کی حیثیت سے تمہیں اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ بروٹس اور کائی سیس کو شکست دینے کے لیے اہم تیاریاں کرنا ہیں جن میں تمہاری مدد بھی درکار ہوگی۔ میری رائے ہے چند روز تم سکون سے اپنے اعزہ میں گزار لو۔ اس کے بعد کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"درست ہے۔"

"تمہیں اجازت ہے۔" اگستس نے کہا۔ اور میں اس سے اجازت کے بعد اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ میری بوڑھی ماں کو میری آمد کے بارے میں علم ہوگیا ہوگا۔ اور یہ حقیقت تھی۔ وہ میرے لئے چشم براہ تھی۔

اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ "اوہ تو کتنا بدل گیا لیپاس میرے بچے کیسی تبدیلیاں ہوگئی ہیں تیرے اندر۔ اور تو نہ مانے گا لیکن تجھے دیکھنے والے تجھے لیونی اس کی شبیہہ ہی کہیں گے۔ بالکل اس جیسا۔"

"تمہاری کیسی گزر رہی ہے مادر مہربان؟"

"میں تمہاری آس پہ جی رہی تھی۔ مجھے علم ہے کہ تجھے اگستس کے عہد کا ایک اہم فیصلہ مل چکا ہے اور یہی میری خواہش تھی۔"

"تمہاری خواہش پوری ہو چکی ہے۔"

"ہاں۔ دیوتاؤں کی مہربانی سے۔"

"ارے ہاں وہ لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"کون؟" بوڑھی نے پوچھا۔

"نیساں وغیرہ۔"

"اوہ، تینوں گھروں اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں۔"

"اپنے اپنے گھروں میں؟"

"ہاں اپنے شوہروں کے گھروں میں۔"

"ارے تو کیا۔ تو کیا ان کی شادی ہوگئی؟"

"ہاں میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوگئی۔" بوڑھی نے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ بھی خوش ہیں۔" بوڑھی کے الفاظ سے میں خوش نہ ہو رہا تھا۔ بھلا اب اس ماحول میں کیا دلکشی رہ گئی تھی۔ اور اس گھر میں میں اب کیسے رہ سکتا تھا جہاں ان بڑی بی کے علاوہ اور کوئی اچھی شکل موجود نہ ہو۔

"تو کتنے دنوں کے لئے آیا ہے لیپاس؟" اس نے پوچھا

"دن کہاں گھنٹے کہو۔"

"کیا مطلب؟"

"بس مصروفیات ہیں۔ میں چلتا ہوں۔"

• آہ - پھر کب ملاقات ہوگی - کب واپس آئے گا؟"

"شاید کبھی نہیں" میں نے دل کر سوچا - لیکن بوڑھی کا دل رکھنے کے لیے میں نے کہا "کچھ نہیں کہہ سکتا یہ تو حالات پر منحصر ہے - اور پھر تھوڑی سی فضول باتوں کے بعد میں وہاں سے چلا آیا - میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں - اگسٹس دربار سے مجھے رخصت مل گئی تھی لیکن یہ دن میں کسی طور یہاں تو نہیں گزار سکتا تھا - میرا بھلا ان خاتون سے کیا رشتہ تھا - میں تو بلاوجہ ان کی پھنسا تھا - اور اب ضروری تھا کہ یہاں .. ہی نہیں رہتا۔

ایک دل نے کہا کہ ایک گمنام شخص کی حیثیت سے روم کی .. گلیوں کو دیکھوں اور وہاں کی ان حسیناؤں میں زندگی گزاروں جو بہت مشہور ہیں اور اچھے محلے میں پائی جاتی ہیں - لیکن بدبختی یہ تھی کہ اگسٹس کے ہم مجلس ہونے کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانا جاتا تھا اور اس طرح میرے بارے میں کسی بھی وقت اگسٹس تک اطلاع پہنچ سکتی تھی۔

پھر کیا کروں - اس کم بخت سے تو یہ بھی نہیں کہے بنتی کہ مجھے میری دنیا میں واپس پہنچا دے - زبان ہی نہیں کھلتی تھی - ناچار واپس چل پڑا - اور پھر اگسٹس کے محل ہی میں اپنے لئے دلچسپیاں تلاش کرنے لگا۔

لیکن اس کی بھی زیادہ مہلت نہ ملی - اگسٹس وقت سے پہلے جنگ پر آمادہ ہو گیا تھا - اور اس جنگ میں مجھے بھی شریک ہونا تھا - یا الٰہی کس مصیبت میں پھنس گیا تھا - جدید دنیا کا ایک باسی جس کا ایسی جنگوں سے کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا - قدیم طرز کی جنگوں میں پھنس گیا تھا - پہاڑ، دریا، دلدلیں پار کیں - دن اور رات گھوڑوں کی پشت پر سفر کیے - اور پھر ایک خون ریز معرکہ - الامان الحفیظ - صرف تاریخی فلموں ایسے مناظر دیکھے تھے جو آج نگاہوں کے سامنے تھے - گھوڑوں کی ٹاپیں ان کے ہنہنانے کی آوازیں - سپاہی کی زندگی اور پھر جنگ و جدل، قتل و غارت گری - دماغ ساتھ چھوڑ دیتا تھا - پاگل پن طاری ہو جاتا تھا - لیکن یہ بدبختی تھی کہ اس عالم میں، میں ایسے کارنامے انجام دیتا تھا کہ خود اگسٹس رہ جاتا تھا - دل چاہتا تھا کہ ہاتھ جوڑ کر کہوں۔

• بھائی - خدا کی قسم میں ایک مسلمان آدمی ہوں - تمہاری ان جنگوں سے میرا دور کا واسطہ نہیں ہے - میدان جنگ میں میرے حواس ساتھ چھوڑ جاتے - اس عالم میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اسے قابل اعتنا نہ سمجھا جائے - عقل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا - لیکن اسی عالم میں کبھی کسی تلوار کا شکار نہ ہو جاؤں - دنیا میں کوئی نہ .. جان سکے گا کہ جدید دنیا کا ایک شریف انسان کہاں مارا گیا - اللہ کے واسطے مجھے میری دنیا میں چھوڑ آؤ - وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا اور کبھی اسمگلنگ نہیں کروں گا - اب کوئی برا کام نہیں .. کروں گا جس کی سزا اتنی سخت ہو - لیکن سے کہتا، کس سے کہتا . . .

اگسٹس اپنی کوششوں میں مصروف تھا - وقت ملتا تو مسکرا کر میرے کارناموں کو سراہتا، کئی بار کہہ چکا تھا۔

" تمہارے اسلاف کا خون تمہاری رگوں میں کچھ اور سرگرم ہو گیا ہے - لیوی اس کے کارنامے ہم نے بچپن میں سنے تھے لیکن آج ان کی اصلی شکل دیکھ لی - اگسٹس کی فتح میں تمہارا نام سربلند رہے گا لمپاس یہ "

"ارے اس سر فہرست کی ایسی تیسی اور تمہاری بھی - میرا دل چیخ اٹھتا لیکن زبان - یہ کم بخت تو اس سلسلہ میں ہمیشہ کے لیے ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

بروٹس اور کائی سیس کو شکست فاش ہوئی تھی اور روم میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں - اس دوران پھر اپنے گھر آنے کا موقع ملا تھا - لیکن یہاں ایک اچھی یا بری خبر منتظر تھی یعنی والدہ محترمہ صاحبہ انتقال فرما گئی تھیں۔

ظاہر ہے مجھے کیا صدمہ ہو سکتا تھا - لیکن وہ تینوں موجود تھیں یعنی نیساں، ارگا، اور مرانا - ان کے خاوند اور ان کی اولادیں بھی تھیں ....

تینوں نے اپنے شدید جذبے کا اظہار کیا میں تو ان کی شکلیں دیکھ کر ہی بوکھلا گیا تھا گو اب بھی خوبصورت تھیں جوان تھیں لیکن اب میں ان کے بارے میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

نیساں ہمیشہ کی تیز تھی یہ گو غم کا انداز ہی سہی لیکن وہ میرے پاس تنہائی میں پہنچ گئی تھی۔

" بلاشبہ اب تم ایک بڑے انسان بن گئے ہو۔ لیکن میں وہ رات نہ بھولوں گی جب تم ایک چھوٹے سے بچے کی مانند میرے سینے میں سر چھپائے ہوئے تھے۔ تمہاری لمس آج بھی مجھے یاد ہے۔ کیا تم اسے بھول گئے ہو؟"

" بہت سی باتوں کا بھولنا ہی اچھا ہوتا ہے نیساں"

" ہاں کچھ باتیں کوشش کے باوجود نہیں بھولی جا سکتیں"

" مثلاً"

" مادام نے بتایا تھا کہ تم ہم میں سے کسی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے"

" چھوڑو نیساں۔ کیا تم اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہو؟"

" خوش" اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

" کیا۔ کیا وہ اچھا انسان نہیں ہے؟"

" ہے۔ لیکن۔ بس تمہاری یاد دل سے نہیں نکلتی۔ تم نے ہم پر طلسم کیا تھا پیاس۔ تم نے۔۔۔"

" اوہ دیکھو ارگا آ رہی ہے" میں نے کہا۔ نیساں نے پیچھے دیکھے بغیر برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی حالانکہ ارگا کا دور دور تک وجود نہیں تھا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس گھر میں تو کچھ نہ تھا۔ تھا چنانچہ میں دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا اور اس کے بعد میں نے دوبارہ گھر کا رخ نہیں کیا۔ اور واپس اگسٹس کے دربار میں پہنچ گیا یہاں سکون تھا۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد اگسٹس نے اپنی بہن.. اوکٹاویا کی شادی انطونی سے کردی۔ اس شادی کے اہتمام میں، میں بھی شریک تھا۔ انطونی اپنی بیوی اوکٹاویا کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اور شب و روز یونہی گزرتے رہے کہ جانے کیوں روم کی رومان پرور فضا میرے لئے ناسازگار ہو گئی تھی۔ لاتعداد لڑکیاں تھیں لیکن مجھ سے دور ہی رہتی تھیں۔

پھر حالات بدلے۔ انطونی اور اگسٹس میں اختلاف ہو گیا۔ انطونی مصر پہنچ گیا تھا اور قلوپطرہ کا نام تھا۔ قلوپطرہ کی کہانیاں روم میں گونج رہی تھیں۔ اور اگسٹس اور انطونی کے اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔

تب۔ اگسٹس نے اعلان کر دیا "ہمارے جنگی بیڑے اب مصر جائیں گے۔ انطونی کو سبق دیا جانا ضروری ہے"

مجھے بھی تیاری کا حکم دیا گیا۔

سرزمین مصر کی دلکش داستانیں میرے کانوں سے دور نہیں تھیں کلوپیٹرہ کے قصے روم کے لوگوں کی زبان پر بھی تھے۔

ناچار مجھے بھی تیاریاں کرنا پڑیں۔ اور پھر اگسٹس کا جنگی بیڑہ پوری طرح دھن میں غرق ہو کر مصر کی جانب چلا گیا۔ میں اس بیڑے کے چند جہازوں کی کمان کر رہا تھا۔ سب سے پہلی جھڑپ مصری جہازوں سے میرے بیڑے کی ہی ہوئی تھی۔ میں نے مصری جنگی جہازوں کو آگ کے ڈھیر میں بدل دیا اور پیچھے سے آنے والے اگسٹس نے مجھے بڑے خطابات سے نوازا۔ گو مجھے یہ خطابات بالکل پسند نہ تھے لیکن۔ یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔ بعض اوقات تو دل چاہتا تھا کہ سمندر میں چھلانگ لگا کر ساری مصیبتوں کا خاتمہ کر لوں۔ لیکن افسوس یہ بھی تو نہیں کر پاتا تھا۔

عجیب مصیبت میں زندگی گزر رہی تھی۔

بالکل آخر ہم مصر پہنچ گئے۔ یہاں انطونی اور کلوپیٹرہ نے زبردست جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں تو محض دکھاوا تھیں۔ یہاں ایک زبردست جنگی بیڑہ ہمارے استقبال کے لیے تیار تھا۔ پتہ چلا کہ وہ چھوٹے جہاز تو صرف ہماری طاقت کم کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اور اب اصل جنگ یہاں کرنا تھی۔

دونوں بیڑے آمنے سامنے آ گئے۔ اور تھوڑے عرصے کے لیے میں اپنی مصیبت بھول گیا۔ اب ساری توجہ جنگ پر تھی۔ کلوپیٹرہ اپنے خوبصورت جنگی جہاز میں خود بیڑے کی کمان کر رہی تھی۔ اور اس کے جہاز آگ برسا رہے تھے۔ کہیں دو بدو جنگ ہو رہی تھی۔ جہاز ڈوب رہے تھے۔ سمندر پر آگ ہی آگ پھیلی ہوئی تھی۔

لیکن اگسٹس کو اپنے لوگوں میں دیوتا کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے ایک اشارے پر وہ آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے۔ اور شاید اسی حیثیت نے انطونی کے جنگی جہازوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ دن رات جنگ ہو رہی تھی اور قلوپطرہ کے جنگی جہاز کم ہوتے جا رہے تھے۔

یہاں تک کہ آخری جنگی جہاز بھی جل کر سمندر کی تہہ میں بیٹھ گیا۔ تب رومن فوجیں مصری زمین پر اتر گئیں۔ اور دو بدو جنگ اور قتل و غارت ہونے لگی۔ بالآخر قلوپطرہ کو شکست فاش ہوئی اور یہ معرکہ ختم ہو گیا۔

رومن سینٹ کی جانب سے گسٹس کو "اگسٹس" یعنی واجب تعظیم کا خطاب ملا۔ اور یوں اگسٹس کی سرگرمیاں جیسے ختم ہو گئیں۔ ہاں ایک فائدہ ہوا تھا۔ مصری قیدی عورتوں میں سے کچھ حسیناؤں کو میری خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا۔

اگسٹس نے اپنے کمرہ خاص میں مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا "معزز مہمان۔ اب بزم کا دور شروع ہوتا ہے۔ اور یہ مصری لڑکیاں۔ مجھے یقین ہے یہ تمہاری خوب خدمت کریں گی اور تم عیش کرو گے۔"

میرے چہرے پر کوئی تغیر نہ ہوا۔ تب اگسٹس آگے بڑھا اور اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"لگتا ہے اس ماحول سے زیادہ خوش نہیں ہو۔"

"ہاں میں زیادہ خوش نہیں ہوں۔" نہ جانے کس طرح میں نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اب تم رزم کے دور سے بزم کی جانب آ جاؤ۔ لیکن جیسے تم پسند کرو۔" اس نے مجھے زور سے دھکا دیا۔۔۔ اور میں گرتے گرتے بچا۔ کسی نے مجھے تھام لیا تھا۔

اور سب کچھ تاریک ہو گیا۔ مجھے تھامنے والا میرا سنگی دوست اڈیسی تھا اگر وہ مجھے سہارا نہ دیتا تو یقیناً میں نیچے گر پڑتا۔

لیکن اڈیسی اس دور میں کہاں سے آ گیا۔ اور یہ تاریکی۔ یہ۔ بھنبھناہٹ۔ آہ میں۔ میں۔ واپس آ گیا تھا۔ ہاں یہ اگسٹس کا سنگی بت ہی تھا جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور نجانے کیوں میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم مجھے واپس لے آئے؟"

"ہاں میرا سنہری دور تم نے دیکھ لیا۔ وہی دور میری زندگی کا بہترین دور تھا اور اس کے بعد تو صرف میں نے حکومت کی۔

لیکن میں نے بھی اپنے دور سے پورا فائدہ اٹھایا اور تمہارے دور کی تین لڑکیوں کو خوب بے وقوف بنایا۔

"نہیں میرے دوست۔ تم نے کچھ نہیں کیا جو کچھ ہوا اس میں ایک لمحے کی تبدیلی نہیں تھی۔ تم نے وہی کیا جو اس دور کی تاریخ تھی۔

اور تاریخیں کبھی نہیں بدلتیں۔" اگسٹس نے جواب دیا۔

"فوجی کردار میں، میں حلول کر گیا تھا اس کا یہی عمل تھا؟"

"سو فیصدی۔" اگسٹس نے جواب دیا۔

"بہرحال تمہارے دور سے بھی مجھے مایوسی ہوئی۔ لیکن رات کا کیا عالم ہے؟"

"صرف چند لمحات کھسک گئی ہے۔ ابھی تو صبح بہت دور ہے۔ آؤ تمہیں کچھ اور دوستوں سے ملاؤں۔" اڈیسی نے کہا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اس بار اگسٹس کا سنگی مجسمہ بھی دوستانہ میں میرے ساتھ چل رہا تھا۔

اور میں سوچ رہا تھا۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے میں اس طلسم خانے میں آ پھنسا ہوں۔ رات بہت لمبی ہے۔ صبح کے آثار دور دور تک نہیں ہیں۔ یہاں سے نکلنے کی کوششیں بھی موت کے مترادف ہیں۔ پھر کیوں نہ تاریخ کے گہرے بھنور میں چھلانگیں لگاتا رہوں۔ وہاں میری زندگی محفوظ ہوتی ہے۔ یہ بیزاری ختم کر کے دیکھوں تو سہی۔ تاریخ کے خزانوں میں کیا کیا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا ہے بے رنگ نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے ان دونوں کی ہم نشینی اختیار کر لی۔ سنگی مجسموں کی بھنبھناہٹ اب بھی جاری تھی۔ نہ جانے کہاں کہاں کے قصے دوہرائے جا رہے تھے۔

تب میرا سب سے پہلا دوست اور تاریخ کا رہبر اوڈیسی ایک جگہ رک گیا ـــــ وہ ایک حسین عورت کا مجسمہ تھا جس کے خدوخال بھرپور اور جسمانی طور پر وہ بے حد سُبک اور چُست نظر آ رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں شوخی تھی اس نے ہماری طرف دیکھا اور پتھریلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

" آہ! تاریخ کے دو اہم انسان ایک اجنبی شکل کے ساتھ ـــــ لیکن کیوں اس میں قدرت کی بُو نہیں آ رہی۔ ہاں میں اس کے سنگی بدن پہ ماضی کے نشان بھی نہیں پا رہی، ہمارا یہ دوست یہ اجنبی دوست کون ہے۔ ؟

نئے دور کا نیا انسان۔" اوڈیسی نے کہا۔

" کیا مطلب۔ کیا یہ اپنے وقت کا کوئی محقق، کوئی تاریخ داں یا ایسی شخصیت کا مالک ہے جس نے اس دور کی تاریخ میں جگہ حاصل کر لی ہے"۔ میرا اس سے تعارف تو کراؤ۔" حسین اور دلکش عورت نے متجسس انداز میں کہا۔

" ضرور ہم دونوں تمہارے پاس اسی لئے آئے ہیں اٹالانٹا اَب تک بے جان پتھروں کی تاریخ ہمارے ذہنوں میں پوشیدہ تھی۔ ہم صرف ایک دوسرے کے شناسا تھے لیکن یہ وہ ہیں، جنہوں نے ہمیں ہماری شکلوں میں تراش کر ہماری پذیرائی کی ہے اور جب اس دور کا ایک زندہ انسان ہماری وقتی زندگی کا رازداں بن گیا ہے۔ تو کیا ہم اس کی پذیرائی نہ کریں۔ پہلے میں اور پھر آگسٹس اسے اپنے دور سے روشناس کرا چکے ہیں اور اَب تمہاری باری ہے اٹالانٹا۔"

" ارے ـــــ پتھر کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش ابھر آئے ـــــ یہ زندہ ہے ـــــ یہ مجسمہ نہیں ہے۔"

" نہیں اٹالانٹا ـــــ اس کا جسم پُر گوشت ہے اور یہ ابھی زندگی کی چاشنی سے ہمکنار ہے۔" اوڈیسی نے کہا۔

" لیکن جب یہ زندوں کی دُنیا میں جائے گا تو کیا انہیں ہماری زندگی کی کہانی نہ سُنائے گا۔ ؟"

" اس بات کا امکان تو نہیں ہے لیکن اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ ہماری لمحاتی حیات کے رازداں زندہ انسان تو نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ اپنی دنیا میں واپس جا کر ہماری کہانی سنائے گا تو لوگ اسے خبط الحواس تصور کریں گے۔ کوئی یقین کرے گا کہ کسی عجائب گھر میں سجے ہوئے مجسموں کو زندگی بھی مل سکتی ہے۔ اس لئے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن تم نے یہ ذمہ داری میرے اوپر کیوں ڈال دی۔ یہاں دوسرے بھی تو ہیں۔

" یہ ہم سب کا مہمان ہے اور ہم اس سے تعاون کر رہے ہیں۔"

جیسی تمہاری مرضی ـــــ اٹالانٹا نے کہا۔

اوڈیسی نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

" نوجوان ـــــ اَب تم قدیم دور کی ایک لازوال داستان سے روشناس ہونے جا رہے ہو۔ جاؤ قدیم سرزمین یونان کو دیکھو ـــــ جب یونان پہ دیوی اور دیوتا مہربان تھے۔ اٹالانٹا کا دور یونان کی متبرک دیوی انرڈوائٹ کا دور تھا۔ اور تمہاری آنکھیں اگر یونان کی مشہور دیوی کو دیکھیں گی تو تم اسے بھلا نہ سکو گے۔"

میرے اندر سے کوئی آواز نہ نکلی کیونکہ تاریخ کا جو عظیم سرمایہ میرے ذہن میں جمع ہو رہا تھا ـــــ کاش! اس کا کوئی صحیح قدر داں ہوتا ـــــ لیکن یہ عظمت تو میرے مقدر میں لکھی گئی تھی۔ میں جو کسی طور اس کا اہل نہ تھا۔

اوڈیسی اور آگسٹس نے مجھے اٹالانٹا کے سپرد کیا۔ اور اپنی جگہ واپس لوٹ گئے۔ تب پُرکشش عورت نے میری جانب دیکھا اور گہری سانس لے کر بولی۔

" تمہارا نام کیا ہے ؟"

" علی رحمٰن بیگ۔" میں نے جواب دیا۔

" کیا میں تمہیں صرف علی کہہ کر مخاطب کر سکتی ہوں۔"

" کیوں نہیں۔"

" تو علی ـــــ میں تمہیں اپنے دور میں لے جا رہی ہوں لیکن اس دور میں میرا وجود نہ ہو گا۔ کیونکہ میں تو ماضی کے اوراق اُلٹوں گی اور تمہیں ابتداء سے اپنی کہانی سناؤں گی۔ میرا دور بدبختی کا دور ہے۔ آؤ میں تمہیں قدیم یونان کی سرزمین کی آن گہرائیوں میں لے چلوں جو ابھی تک جدید دُنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے میرے مقبرے تک ابھی دُنیا والوں کی رسائی نہیں ہوئی ہے جہاں میرے اور ہیپولس کے وہ مجسمے موجود ہیں جو انرڈوائٹ کے عتاب کے شکار ہیں۔ لیکن براہ کرم آنکھیں بند کر لو کیونکہ تمہاری آنکھیں تاریخ کے تجزیے سے بے نور ہو جائیں گی۔ ماضی کے اس تجزیے میں کائنات کے وہ راز پوشیدہ ہیں جنہیں دُنیا کی نگاہوں سے روپوش ہی رہنا چاہیئے۔ ورنہ کائنات کی ترتیب اُلجھ جائیگی اور ان کی تشہیر کسی طور بہتر نہیں ہو گی۔ آنکھیں بند کر لو نوجوان

تم تحت الثریٰ کا سفر کر دگے

اٹالانٹا کی آواز ایک حکم بنی جا رہی تھی اور نہ جانے اس کی آواز میں کیا سحر تھا کہ میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ پھر مجھے کسی لمس کا احساس ہوا۔ اور وہی جانی پہچانی آوازیں۔ وہی ہوا اور شور۔ ماضی کے جزیرے کا سفر جو میں دو بار کر چکا تھا۔ وہ سفر جو چند لمحات کے لئے زمین کے تمام خلئے منتشر کر دیتا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ سکون ہوتا گیا۔ آوازیں معدوم ہو گئیں اور ایک گہرا سناٹا۔ تب اٹالانٹا کی آواز سنائی دی۔ آنکھیں کھول نوجوان اور اس ماحول کو دیکھو۔ میری آنکھیں خود بخود کھل گئیں بڑی پُراسرار جگہ تھی۔ ایک گول عمارت انتہائی عجیب طرز کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی دروازہ نظر نہیں آیا تھا لیکن گھٹن بھی نہیں تھی۔ ہوا کا کوئی گزر نہیں ہوتا تھا لیکن جانے ہوا کہاں سے آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ عمارت میں ہلکی ہلکی روشنی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس روشنی میں گول مقبرہ صاف نظر آ رہا تھا

اس مقبرے میں صرف دو مجسمے تھے ایک سنگی شیر اور دوسری شیرنی ـــــ دونوں ایک دوسرے کے نزدیک کھڑے تھے اور اُن کے چہروں پر خشونت کے بجائے محبت کے آثار تھے۔

"یہ انجام ہے ـــــ اٹالانٹا کی آواز سنائی دی۔ میں نے گھوم کر اس کی جانب دیکھا۔ لیکن وہ کہاں تھی ـــــ کہیں بھی تو نہیں۔ اس پراسرار مقبرے میں شیر اور شیرنی کے جوڑے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اٹالانٹا کی صرف آواز یہاں موجود تھی: اور برابر سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"ہاں یہ انجام ہے لیکن ہر اجنبی آغاز کا متلاشی ہوتا ہے سو تم بھی ہو گے۔ دیکھو اس دیوار کی جانب وہ آغاز ہے۔ ہاں ـــــ یہ آغاز ہے ـــــ اٹالانٹا کی آواز معدوم ہوتی گئی؛

اور مقبرے کی ایک دیوار ٹرانسپیرنٹ ہوتی گئی۔ اس سے باہر کے مناظر نظر آنے لگے۔

ایک خوبصورت سا شہر نظر آیا تھا۔ عمارتیں، دیواریں، گلیاں بازار ـــــ یہ یونان تھا ـــــ قدیم یونان۔ ارسطو، ڈائٹ اور ہیوبس کا یونان ـــــ اور پھر مجھے یوں لگا جیسے گلیوں، کوچوں، بازاروں میں موجود ہوں۔ میرے کانوں میں ان لوگوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ میں قدیم یونانی زبان سے بخوبی واقف معلوم ہو رہا تھا۔ میری حیثیت اجنبی نہیں تھی میں خود کو یونان کے ماحول میں ضم پا رہا تھا۔

لیکن اس بار پہلے کی طرح نہیں ہوا تھا۔ اوڈیسی مجھے اپنے دور میں لے گیا تھا تو میں اس دور کے کلیسا کا اسقف اعظم تھا۔ اور اینکا میری محبوبہ میرے محسوسات زندہ تھے اور میں ان لوگوں کی زندگی سے قریب تر تھا۔ پھر اگسٹس کے روم میں گیا اور وہاں ایک مشفق ماں نے جو نون سے استقبال کیا تین لڑکیوں نے بیک وقت عشق ـــــ لیکن اٹالانٹا نے مجھے اپنے دور کا تماشائی رکھا تھا۔ میں نے علی رحمٰن بیگ کو کسی اجنبی بدن میں نہیں پایا تھا۔ بلکہ وہ صرف دیکھ رہا تھا۔ وہ صرف دیکھنے والوں میں تھا۔

یونان کے گلی کوچے طے کرتا ہوا میں کسی مخصوص سمت بڑھا جا رہا تھا۔ پھر مجھے ایک مکان کا دروازہ نظر آیا جو میرے لئے وا ہو گیا۔ میں مکان میں اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ میرے ذہن میں خیال بھی نہیں آیا تھا کہ کسی اجنبی مکان میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے میں مکان کی مخصوص طرز کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

تب میں ایک ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک پُرخشونت شخص بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کے نزدیک چند افراد سر جھکائے کھڑے تھے۔ گہری خاموشی طاری تھی اور اس قدر سکوت تھا کہ سانسوں کی آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔

میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ خاموشی کیوں طاری ہے سب لوگ سحر زدہ سے کیوں کھڑے ہیں یہاں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تو میں اور آگے بڑھ گیا۔ اور ایک دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں عورتیں تھیں۔

یونان کے مشہور عالم حسن کی مالک۔ یونانی عورتیں۔ ایک خوبصورت اور حسین عورت مسہری پر سُرخ چادر میں لپٹی لیٹی تھی۔ اس کے چہرے پر درد و کرب کے آثار تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دو تین عورتیں اس کے گرد کھڑی تھیں اور ایک درمیانی عمر کی عورت اس کے پیروں کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔

"مشایہ! ہر عورت پر یہ وقت آتا ہے تم اس قدر ہراساں کیوں ہو رہی ہو۔ تمہاری آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے ہیں۔ یہ وقت تکلیف کا ضرور ہوتا ہے رونے کا نہیں۔ چند ساعت کے بعد تمہارے گرد خوشیاں بکھر جائیں گی۔ آنے والے کی معصوم آوازیں تمہارے بدن سے ایک ایک دُکھ کھینچ لیں گی ہمت سے کام لو۔

"آہ ـــــ دایہ ماں ـــــ آہ ـــــ تم میرے درد کو نہیں سمجھ سکتیں۔ عورت نے بیدردی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"واہ بھئی واہ —— یہ خوب کہی تم نے کہ میں تمہارے درد کو نہیں سمجھوں گی۔ بی بی عرصہ سے یہ کام کر رہی ہوں اور خود بھی سات بچوں کی ماں ہوں۔" دایہ نے ہنس کر کہا۔

"آہ! دایہ ماں —— یہ بات نہیں ہے"

"پھر کیا بات ہے"، دایہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

تمہارے کتنے بیٹے اور کتنی بیٹیاں ہیں۔"؟

"تین بیٹے، چار بیٹیاں۔ اب تو سب ہی جوان ہو چکے ہیں۔" دایہ نے جواب دیا۔

"آہ دایہ ماں کاش میرے بھی تین بیٹے اور چار بیٹیاں ایک ساتھ پیدا ہو سکتیں۔" اُس نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"کیا بک رہی ہو۔ کہیں ایسا بھی ہوا ہے۔؟"

"کاش ایسا ہو جاتا دایہ ماں ——"

"لیکن کیوں ——؟"

"بس تم نہیں سمجھتیں، تم نہیں سمجھتیں دایہ ماں —— کاش، ایسا ہو جاتا ——"۔ اُس نے کرب سے گردن پٹختے ہوئے کہا۔

دایہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی لمحہ بہ لمحہ عورت کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار تیز ہو گئی تھی پھر اُس نے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر اُس کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔

دایہ کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اور قریب کھڑی عورتیں اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں۔ وہ سب دایہ کے اشاروں پر کام کر رہی تھیں۔ —— تب ایک معصوم بچے کے رونے کی آواز فضا میں گونج اُٹھی —— اور عورت کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اُس کے چہرے پر سکرات کا سا عالم طاری تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دُنیا تھم گئی ہو۔ اور وہ کچھ جاننے کی منتظر ہو۔ وہ ہوش میں تھی لیکن بے ہوشی کے عالم میں اُنجانے اُس کے کان کیا سُننے کے منتظر تھے۔

دوسرے تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اس کے بدن میں ہلنے کی سکت نہ رہی تھی پھر اُس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور دایہ کی طرف دیکھا۔

"دایہ ماں —— اُس نے کراہ سی آواز میں کہا۔

"بیٹی ہوئی ہے"

دایہ نے جواب دیا۔

اور عورت کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ اُس کی آنکھیں اِس انداز میں پھٹی رہ گئیں تھیں۔ جیسے اس کی رُوح عالم بالا میں پرواز کر گئی ہو —— اس کے چہرے پر موت کی سی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور وہ عجیب سی نگاہوں سے چھت کو تک رہی تھی۔ دوسرے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بچے کے رونے کی آواز شاید باہر بھی سُن لی گئی تھی کیوں کہ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور پرخشونت شخص کی بھاری آواز سُنائی دی۔

"کون ہے؟ باہر آؤ۔!"

اور عورت نے آنکھیں کھول کر بے بسی سے دروازے کی جانب دیکھا اِس کی ذہنی حالت کچھ اور خراب ہو گئی تھی۔ تب دایہ مسکراتی ہوئی باہر پہنچی۔

"مبارک باد ہو —— آپ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔"

"کیا بکواس کرتی ہو" —— قوی ہیکل آدمی نے غراتے ہوئے لہجے کہا۔

"ہاں بیٹی —— بیٹی دیوتاؤں کی رحمت ہوتی ہے" دایہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن دوسرے لمحے پرخشونت قوی ہیکل آدمی کا بایاں ہاتھ اُس کے منہ پر پوری قوت سے پڑا۔ اور دایہ کمرے کے فرش الٹ پڑی۔ تمام عورتیں حیرانی سے اِس کی شکل دیکھنے لگی تھیں۔ وہ شخص اندر گھس آیا تھا۔

اندر آنے کے بعد اُس نے قہر آلود نگاہوں سے عورت کی جانب دیکھا اور بھاری لہجے میں بولا۔

"تو تمہارے ہاں بیٹی ہوئی ہے۔"

ہاں —— ہاں —— عورت کے منہ سے ہیجانی انداز میں نکلا۔

"لیکن تم جانتی ہو کہ مجھے بیٹی کے نام سے نفرت ہے۔ اِس شخص نے گردن سے دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن عورت کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی تھی، تب اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اِستراز —— اِستراز اندر آؤ —— اور ایک شخص اندر داخل ہو گیا۔

سُنا تم نے اِستراز —— ایردن کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے —— ایردن جسے لڑکیوں کی پیدائش سے نفرت ہے، اِستراز ایردن اب بھی یہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی بیٹی کا باپ کہلائے مجھے بیٹیوں سے بے پناہ نفرت ہے، میں ایک لمحے کے لئے بھی اس لڑکی کا وجود اِس مکان میں برداشت نہیں کر سکتا —— تو

تم جانتے ہو کہ اس وقت تمہارا فرض کیا ہے ——"
آنے والے نے ادب سے گردن جھکائی اور نرم لہجے میں
بولا —— "مجھے حکم دیا جائے۔"
"حکم —— کیا اس وقت کسی حکم کی ضرورت ہے استراز
اس لڑکی کو لے جاؤ اور کسی دور دراز علاقے میں لے
جاکر پتھروں سے کچل کر ہلاک کر دو۔ جہاں کسی کا کوئی انسانی گزر
نہ ہو، جہاں اس کی لاش کو جانور نوچ کر کھا جائیں۔"
"جو حکم —— استراز نے گردن جھکاتے ہوئے کہا
اور پھر وہ عورت کی جانب بڑھنے لگا۔
"نہیں —— نہیں یہ مناسب نہیں —— یہ اچھی بات
نہیں ہے ——" عورت دونوں ہاتھ پھیلا کر بے بسی سے
چیخی۔
لیکن ایرون اس کے سامنے جا کھڑا ہوا —— "میری
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر شانیہ، کیا تو مجھے بیٹی کا باپ
بنانا چاہتی ہے، کیا یہی وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے" ایرون خونخوار
لہجے میں کہا۔
"دیکھو دیکھو —— یہ ہمارے اپنے بس کی بات نہیں
ہے سنو میں اسے تم سے کہیں دور لے جاؤں گی وعدہ کرتی ہوں
اسے کبھی بھی تمہارے سامنے نہیں لاؤں گی لیکن اسے زندہ
رہنے دو —— اسے زندہ رہنے دو۔
"بکواس مت کرو، بہرصورت یہ ایرون کی بیٹی کہلائے
گی اور ایرون یہ نہیں چاہتا کہ وہ زندگی کے کسی بھی حصے میں کسی
بیٹی کا باپ کہلائے —— اور استراز تم اپنا کام انجام دو۔"
"جو حکم ہو —— استراز نے کہا اور بچی کو اٹھانے کے لئے
آگے بڑھا۔
"نہیں —— عورت پھر کربناک انداز میں چیخی "نہیں
اسے مت لے جاؤ، میں اسے تم سے دور لے جاؤں گی۔ بہت
ہی دور ——"
"استراز تم اپنا کام انجام دو، یہ عورت ہے 'ناقص العقل'
ہمیشہ غلط باتوں کا مشورہ دینے والی، ہمیشہ غلط حرکت کرنے
والی ہے ——"
اور استراز نے جھک کر ننھی بچی کو اپنے قوی ہیکل ہاتھوں
میں دبوچ لیا۔ اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر دروازے کی طرف
بڑھ گیا۔
نہیں —— رک جاؤ —— رک جاؤ —— عورت
نے اٹھنے کی کوشش کی اور مسہری سے گر کر بے ہوش ہو گئی
اس کی پیشانی سے خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں۔

دیکھنے والی آنکھ یہ مناظر بخوبی دیکھ رہی تھی لیکن مجھے
اپنا وجود کہیں بھی محسوس نہ ہوتا تھا —— ہاں میں نے اس
وقت بھی خود کو کسی عالم میں نہ پایا جب آسمان پر سرمئی دھند
گہری ہوتی جا رہی تھیں اور وہ چار دن گھوڑے برق رفتاری
سے کسی نامعلوم منزل کی جانب دوڑ رہے تھے۔
ایک گھوڑے پر دو سوار تھے جن میں سے ایک گھ
کو ہانک رہا تھا۔ اور دوسرا ایک معصوم بچی کو گود میں لئے
بیٹھا تھا۔
ان سب کی منزل نامعلوم تھی کم از کم میرے لئے یہ معلوم
تھا کہ ان کے ذہن میں کسی منزل کا تعین ہو۔ لیکن دیکھنے وا
آنکھ صرف انہیں دیکھ رہی تھی اور گھوڑے برق رفتاری سے
دوڑ رہے تھے۔
نجانے وہ کتنی دور نکل آئے تب میں نے دیکھا کہ تاریکی
کچھ اور گہری ہو گئی، وہ سب ایک انتہائی ویران علاقے میں
رک گئے تھے —— چاروں جانب گھنے جنگل پھیلے ہوئے
تھے، پہاڑی چٹانیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں چاروں طرف
ہو کا منظر تھا۔ تب وہ سب گھوڑے روک کر نیچے اتر آئے۔
نیچے اترنے کے بعد استراز نے اپنی گود میں لپٹی ہوئی بچی
کو زمین پر رکھ دیا اور پھر دوسرے شخص سے بولا۔
"توراز کیا تم اس بچی کو پتھروں سے کچل سکتے ہو ——
میں تو یہ کام انجام نہ دے سکوں گا۔"
دوسرے آدمی نے گھبرائی ہوئی آنکھوں سے استراز
کو دیکھا اور بولا —— "تم کیا مجھے درندہ سمجھتے ہو، میری
خود دو بیٹیاں ہیں۔
"اوہ —— کیا ہم میں سے کوئی ایسا ہے جو ایرون کا یہ
حکم سر انجام دے سکے، ایرون ہمارا آقا ہے، اس نے ہمیں حکم
دیا کہ اس بچی کو جنگلوں میں لے جا کر پتھروں سے کچل دیا جائے تو
کیا اس کے حکم سے انحراف کیا جائے۔"
"دیکھو استراز! ایرون صرف اسے فنا کرنا چاہتا تھا
اس معصوم سے وجود کو جس نے ابھی آنکھیں بھی نہیں کھولیں،
جس نے ابھی روشنی کی چند جھلکیاں دیکھی ہیں پتھروں سے کچل
کر ہلاک کر دینا کیا اس کے ساتھ انصاف ہوگا ——"

"ہرگز نہیں ———"

"تو پھر کیا کیا جائے ——— ؟"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی اسے اپنے گھر لے جائے اور اپنی بچی کی حیثیت سے اس کی پرورش کرے۔"

"نہیں ——— امیرون سنگ دل ہے وہ حکم عدولی کو کبھی پسند نہیں کر سکتا، نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم خود ہلاکت میں پڑ جائیں گے ———"

"تو پھر کیا کیا جائے ——— ؟"

"کیا ضروری ہے کہ اسے پتھروں سے کچلا جائے، جنگل میں مسموم فضائیں، وحشی درندے، جنگلی جانور اسے گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اپنے پیٹ میں ٹھونس لیں گے۔ چنانچہ اسے اسی طرح چھوڑ دو دیکھو اس کی قسمت اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔

"اوہ ——— ظاہر ہے یہ معصوم سی بچی کسی قابل نہیں ہے یہ واپس نہیں جا سکتی اور جنگل کے اس حصے میں کسی انسان کا گذر نہیں ہے، چنانچہ ایسی صورت میں یہ کسی درندے کی غذا بننے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہے۔

"ٹھیک ہے ——— ہمیں کم از کم یہ دکھ تو نہ ہوگا کہ ہم نے اس معصوم اور بے ضرر کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا، باقی قسمت اگر اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہتی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں تو بہتر ہے اسے یہیں چھوڑ دیا جائے اور ہم لوگ واپس چلتے ہیں ———"

دوسرے شخص نے کہا اور سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا۔

"امیرون سے یہی کہا جائے گا کہ بچی کو ہلاک کر دیا ہے، استراز نے دوسروں کو ہدایات دیں اور وہ سب گھوڑوں پر بیٹھ کر واپس چل پڑے۔

لیکن دیکھنے والی آنکھ وہیں متعین تھی، مجھے ان واپس جانے والے گھوڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، میں تو صرف اس بچی کا حشر دیکھنا چاہتا تھا۔ جو لاوارث اور بے بس اس ویرانے میں تنہا پڑی تھی۔ دنیا سے ناواقف کہ دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد محبت کرنے والا ہاتھ، چومنے والے ہونٹ پیار کرنے والی آواز اور وہ چوڑا سینہ جو گرمی پہنچاتا ہے بھی ہوتے ہیں ——— وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ دنیا میں آنے کے بعد بے بسی، جنگل اور کھردری زمین، یہی سب کچھ انسان کا مقدر ہوتا ہے لیکن انسان کی سوچی ہوئی بہت ساری باتیں پیچھے رہ جاتی ہیں ——— اور نظر نہ آنے والے ہاتھ وہ کر تے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں ———"

سو دن گذر گیا اور رات ہو گئی۔ میری آنکھیں ہاتھ پاؤں مارتی ہوئی خوب صورت بچی کو دیکھ رہی تھیں جو ماحول سے بے خبر۔ اپنی بے بسی سے لاپرواہ اطمینان سے لیٹی ہوئی تھی۔ اسے کھردری زمین کا احساس بھی نہیں تھا۔ نہ ہی جنگل کے سناٹے کا جہاں شام ہونے کے ساتھ ہی وحشی جانوروں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

بلاشبہ جنگل میں خوفناک درندے بکثرت تھے گو وہ ابھی شکار کی تلاش میں اپنی کمین گاہوں سے نہیں نکلے تھے لیکن اپنے جاگنے کا اعلان کر رہے تھے۔ اور جنگل کے وہ ہوشیار چھوٹے جانور دم دبا کر اپنے ٹھکانوں کو بھاگ رہے تھے جو شکار کرنے والے جانوروں سے بخوبی واقف تھے۔

گویا جنگل پر رات چھاتی جا رہی تھی۔ پھر شیر کی دھاڑ ساری آوازوں پر بھاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے جنگل پر سناٹا چھا گیا۔ جیسے شاہ جنگل کی آواز کے جواب میں آواز نکالنے کی جراءت کسی میں نہ ہو کہ اس کے عتاب کا شکار ہو جائے۔

پر ہیبت آواز دیر تک گونجتی رہی اور پھر صبح ہوتی گئی تب جانوروں نے آزادی کی سانس لی اور پھر اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

میرا دل بول رہا تھا اب اس بچی کا کیا ہوگا۔ اس کے باپ نے تو اس سے صبر کر لیا تھا مگر ماں کبھی صبر نہ کر سکے گی لیکن اس کا کیا قصور ہے جو دنیا میں بس قدم رکھتے ہی نفرتوں کا شکار ہو گئی۔ کیا اس کا وجود صرف چند لمحات کے لئے ہی دنیا میں آیا تھا۔

لیکن بچانے والے ہاتھ اس کے نگہبان تھے۔ اور ان ہاتھوں کے کھیل عجیب ہوتے ہیں عجیب اور ناقابل یقین۔ یہ بھی تو عقل سے بعید بات تھی۔ لیکن جو ہوا میرے سامنے ہی ہوا تھا۔ سیاہ اور لمبے جانور جن کے بدن پر کافی لمبے لمبے بال تھے، جھومتے ہوئے اور سونگھتے ہوئے ادھر ہی چلے آ رہے تھے۔ شاید کپڑوں کے اس کلبلاتے ڈھیر نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ یہ ریچھوں کا ایک جوڑا تھا جو بالآخر لڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

پہلے تو وہ بدلے ہوئے انداز میں خطرات کو نگاہ رکھتے ہوئے دور دور سے اسے سونگھتے رہے پھر ریچھ کی مادہ آگے

بڑھی اور بچی کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔ بند آنکھیں ہر ترب سے بے نیاز تھیں۔ نہ ہی اِس سے خوفزدہ ہو سکتی تھی کیونکہ ابھی کوئی احساس اِس کے ذہن میں جگہ نہیں پا سکا تھا۔

لیکن جب مادہ ریچھ نے اِسے مُنہ میں دبایا تو میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ گویا بچی کی کہانی ختم۔ میرے دِل میں ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن نہ جانے میرا وجود کہاں تھا۔ نہ جانے کہاں سے مَیں اِس تمام منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے میرا فاصلہ بہت کافی ہو۔ اور میں یہ سب کچھ صرف دیکھ سکتا ہوں۔ اِس میں کوئی حصّہ نہیں لے سکتا تھا۔

بمشکل تمام میں نے آنکھیں کھولیں۔ ریچھوں کا جوڑا بہت دُور نِکل چکا تھا۔ میری نِگاہ نے اُن کا تعاقب کیا۔ پھر میں نے عجیب سا محسوس کیا۔ ریچھنی بڑے پیار سے اُسے مُنہ میں دبائے لئے جا رہی تھی۔ اَب وہ اُسے زخمی نہ ہونے دینا چاہتی ہو۔ یہ عجیب بات تھی وحشی اور آدم خود جانور ایک آدم زادی کے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے۔

وہ اُسے لے کر اپنی بھٹ میں پہنچ گئے اور بچانے والے ہاتھ نے یہاں بھی اَپنا معجزہ دکھایا۔ اِس نے وحشی درندے کو اِنسانی اوصاف سے مالا مال کر دیا۔ ریچھنی نے اُسے اپنے دُودھ سے لگا لیا۔ اور بھوکی بچی چپڑ چپڑ کر کے اِس کا دودھ پینے لگی۔ میں نے ایک گہری سانس لی گویا کسی کو بچّی کی زندگی مقصود ہے۔ بیشک بچانے والے کے ہاتھ عظیم ہوتے ہیں۔

بچی میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ اِس وقت بھی مَیں اِس سے دُور نہ تھا۔ جب وہ ریچھنی کا دودھ پی رہی تھی۔ پھر اِس وقت بھی مَیں نے اس کو بالکل قریب سے دیکھا۔ — جب وہ اپنے ننھے ننھے پیروں سے ریچھ کی بھٹ سے باہر نِکلی۔

تب ہی اچانک میں نے اَپنے آپ میں تحریک محسوس کی مجھے ایک شکل مِل گئی تھی۔ ایک حیثیت مِل گئی تھی اور میں اِس کے قریب پہنچ گیا۔

بچی نے اپنی معصوم آنکھوں سے مجھے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن بے معنی آوازیں نِکالنے کے سوا کچھ نہ کر سکی اور میں نے اسے گود میں اُٹھا لیا پیار کیا اور شاید اُسے میری بُو مانوس معلوم ہوئی۔ اور وہ مجھ سے چمٹ گئی —— اور اس کا لمس میرے لئے ایک انوکھے جذبے کا حامل بن گیا۔

تب میرا معمول بن گیا۔ ریچھنی بچی کے لئے غذا فراہم کرتی جو عموماً دودھ یا شکار کئے ہوئے کسی جانور کے کچے گوشت پر مشتمل ہوتی۔ اور جب بچی اِن کی نگاہوں سے اُوجھل ہوتی تو مَیں اِس کے نزدیک پہنچ جاتا۔ دِن یا رات کا کوئی لمحہ ہو —— وہ میری نگاہوں سے اُوجھل نہیں ہوتی تھی اور جب وہ میرے پاس ہوتی تو بہت خوش ہوتی —— اور مَیں اِسے زبان کا اِستعمال بتاتا —— اس کے حلق سے نِکلنے والی بے معنی آوازیں اَب الفاظ کی شکل میں بدلنے لگی تھیں —— اَب وہ بولنے لگی تھی —— مَیں نے اُسے دماغ کا اِستعمال بھی سکھایا تھا۔

چنانچہ جب اُس کے سینے پر ننھے ننھے اُبھار نمایاں ہوئے تو مَیں نے اُسے لباس کے بارے میں بتایا۔ اِس کے لئے اِس وقت مُردہ جانوروں کی کھال ہی اِستعمال کی جا سکتی تھی۔ لڑکی نے لباس قبول کر لیا۔ اَب اِس کی خواہشات اِس کی رہنمائی کرنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں جوانی کا خمار اُترنے لگا تھا اور اِس خمار نے اِسے اپنے بدن کو ڈھکنے کا احساس کچھ زیادہ ہی دِلا دیا تھا۔ غالباً بدن کے تقاضے وہ ماحول سے چھپانا چاہتی تھی۔

کل کی سی بات تھی —— وہ کپڑوں میں لپٹی ہوئی بے بس پڑی تھی۔ لیکن آج وہ مضبوط ٹانگوں والی ایک نوخیز حسینہ تھی جس کا چہرہ گلاب کے تازہ پھول کی مانند تھا۔ اور جس کے بدن کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والی نِگاہ کبھی منزل نہیں پا سکتی تھی۔ وہ اُونچے اُونچے درختوں پر لنگور کی مانند چڑھ جاتی اور وہاں سے پھل توڑ کر کھاتی تھی۔ میری بھی غذا ہو جاتی تھی اور یوں یہ لڑکی پروان چڑھی۔

جنگل کے سفید گھوڑے اُسے پسند تھے اکثر وہ جنگلی گھوڑوں کو وہ پہلے تو خوفزدہ کرتی اور جب وہ دہشت سے ہنہناتے ہوئے بھاگتے تو اِن کے پیچھے دوڑتی اور اِن کے آگے نِکل جاتی اِس کے پاؤں اتنے مضبوط تھے کہ گھوڑے کسی طور اِس سے جان نہیں چھڑا سکتے تھے۔ وہ کبھی اُچھل کر اِن کی پُشت پر چڑھ جاتی اور جب گھوڑے اِسے گرانے کی کوشش میں تھک جاتے تو وہ ہنستی ہوئی نیچے اُتر آتی۔

حُسن کی سادگی، نزاکتوں اور لطافتوں کے ساتھ وہ ایک بھرپور حسینہ تھی۔ ہر پوچھنے والے کو اپنا نام ٹالاسا بتاتی تھی جو نام میں نے اُسے دیا تھا جب کہ اِس دوران خود میرا کوئی نام

نہیں تھا۔ میں تو اس وقت سے اِس کا نگران تھا جب اِس کے شفیق القلب باپ نے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ اور چند جنگلی جانوروں نے اِس کی پرورش کی تھی

اگر میں نہ ہوتا تو شاید وہ اِنسانوں کے وجود اور اِنسانی زمین سے بھی ناآشنا ہوتی۔ لیکن میں نے اِسے سب کچھ سکھایا تھا۔ اکثر وہ مجھ سے پوچھتی۔

"تم اِنسان ہو نا ۔۔۔ اور تمہاری آبادیاں ہوتی ہیں "

" ہاں کیوں ؟

" میرے دِل میں اِن آبادیوں کو دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"

" تو تم آبادیوں میں چلی جاؤ ۔۔۔"

" نہیں ۔۔۔۔ مجھے خوف آتا ہے "

"کیوں ۔۔۔ ؟"

ابھی میں نہیں جانتی ۔۔۔ اتنے سارے اِنسان مِل کر کیا کرتے ہوں گے۔ کیا جنگلی جانوروں کی طرح لڑتے نہ ہوں گے۔ "

" لڑتے ہیں ۔۔۔۔ "

" تب تو نہ لڑنے والے بہت گھبراتے ہوں گے۔ "

" وہ عادی ہو چکے ہیں۔ "

" لیکن اگر اِن میں کوئی اجنبی پہنچ جائے تو وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔؟ "

" یہ اُن کی مرضی پر منحصر ہے۔ "

" اگر میں اُن کے درمیان پہنچ جاؤں تو وہ مجھ سے کیسے پیش آئیں گے ۔ ؟ "

" میرا خیال ہے اچھی طرح سے "

کیوں ؟ تمہیں یقین کیوں ہے۔

اِس لئے کہ تم خوبصورت ہو ۔۔۔ جوان ہو ۔۔۔ ان کے دِلوں میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے گی۔ "

"خوب صورت ۔۔۔۔ جوان ۔۔۔۔ یہ دونوں لفظ آج تم نے نئے بتائے ہیں۔ یہ کیا ہوتا ہے۔ اُس نے سوال کیا اور میں چکرا گیا۔

نہ تو میں اُس کی جوانی کی تشریح کر سکتا تھا اور نہ ہی اُسے اُس کی خوبصورتی کا احساس دلا سکتا تھا ۔۔۔۔ لیکن یہ اُس کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی لفظ سُنتی تو اُس وقت تک سکون سے نہ بیٹھتی جب تک اُسے سمجھ نہ لیتی ۔۔۔۔ چنانچہ اُس سے پیچھا نہیں چھوٹ سکتا تھا۔

"اناطام ! میری بتائی ہوئی باتوں پر تم نے کبھی تنہائی میں بھی غور کیا ہے۔ "

میں نے اس سے سوال کیا۔

"کیوں نہیں ۔۔۔"

" جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے تم نے اسے سمجھا ہے ۔۔۔ یا اپنے طور پر بھی اِس بارے میں کچھ سوچتی ہو۔ "

نہیں ۔۔۔۔ جب تم اجنبی باتیں سُناتے ہو۔ وہ بتاتے ہو جو میں نے کبھی نہیں دیکھا تو میرے ذہن میں بہت سے خیالات اُبھرتے ہیں۔ ایسی ایسی باتیں جو پورے طور سے میری سمجھ میں نہیں آتیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے حقیقت ہوں۔

"مثلاً ۔۔۔ ؟

میں نے پوچھا

مثلاً ۔۔۔ !

وہ غور کرنے لگی۔ پھر بولی۔

" مثلاً انسانوں کی آبادی کے بارے میں ۔۔۔ تم کہتے ہو کہ میں بھی اِنسان ہوں ۔۔۔۔ اور بلاشبہ میں اُن سے مختلف ہوں جنہوں نے میری پرورش کی ہے ۔۔۔۔ یہ بھی سوچتی ہوں کہ میں اِن میں کیوں ہوں ۔۔۔۔ ؟

" تم نے ان بچوں کو دیکھا جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔"

" ہاں چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے اُن کے بال بے حد ملائم ہیں اور جب میں اُنہیں پیار کرتی ہوں تو وہ میرے بدن سے مُنہ رگڑنے لگتے ہیں لیکن وہ میری مانند بول نہیں سکتے۔

" اِس سے قبل وہ نہ تھے۔ "

" ہاں وہ نہیں تھے ۔۔۔ "

" یہ فطرت ہے۔ نمو نر اور مادہ کے مِلاپ سے ہوتی ہے اور یہی کیفیت اِنسانوں کی ہے۔ وہ بھی اِسی طور اپنی نسل بڑھاتے ہیں۔ "

نر ۔۔۔ مادہ ۔۔۔ عادی ۔۔۔ محبوب "

اُس نے کہا۔

" ہاں ۔۔۔۔" میں نے جواب دیا۔ یہ الفاظ میں نے اُسے پہلے ہی سکھا دیئے تھے۔ "

" لیکن انسانوں میں، میں کون ہوں ۔؟ عادی یا محبوب"

اُس نے دلچسپی سے پوچھا۔

محبوب ۔۔۔۔" میں نے جواب دیا۔

" اور تم ۔۔۔۔۔" اُس نے بڑا ٹیڑھا سوال کیا۔

" عا ۔۔۔۔ دی ۔۔۔۔" میں نے بمشکل جواب دیا۔

" تو کیا ہمارے ملاپ سے ایسے بچے وجود میں آسکتے ہیں جو انسانوں کے بچے ہوں۔ اور جن کے بال بے حد ملائم ہوں۔ ؟ "

" ہمارے ——— میں نے گھبرا کر کہا۔ ہاں لیکن انسانوں میں کچھ باتیں جانوروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ "

" ہوتی ہوں گی ——— مجھے انسانوں کے بچے بہت پسند ہیں کیا تم میری مدد کر سکتے ہو ——— "

وہ دل چسپی سے بولی۔ ———

اور میں یعنی علی رحمان بیگ ———

میں کوئی فرشتہ صفت انسان نہیں ہوں اور میرے سامنے جو بھی وہ ایک سنگی مجسمے کی حیثیت سے مجھے مل سکتی تھی اس وقت میری حیثیت کا کوئی تعین نہیں تھا اور وہ اس عالم میں تھا کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ نہ مجھے اپنے وجود کا احساس تھا۔ نہ مجھے خوراک کی ضرورت محسوس ہوتی تھی نہ نیند آتی تھی نہ نہ پیاس لگتی تھی۔ گویا کہ میں اس عالم میں گرفتار تھا کہ دیکھتے اور سنتے ہوئے بھی حالات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میرے اپنے اندر اس کے حسن کا تاثر ضرور تھا لیکن میری نگاہ اس انداز میں اس پر کبھی نہ پڑی تھی کہ میں اس کا طالب ہوتا ——— اور پھر ایک انسان کی حیثیت سے میں اس لڑکی کا قرب بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا جو میرے سامنے تولد ہوئی اور ایک گدڑی میں لپیٹ کر پھینک دی گئی۔ نہیں نہیں میرا ضمیر کسی طور یہ گوارا نہیں کر سکتا۔ وہ معصوم ہے انجان ہے لیکن میں سمجھ دار ہوں ٹھیک ہے میں کسی طلسم کا شکار ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہوش و حواس سے عاری نہیں ہوں۔

میری سوچ پر میرے ضمیر نے وار کیا ——— اور میرے ذہن سے الجھن رفع ہو گئی۔

" تم نے جواب نہیں دیا ——— وہ بے چینی سے بولی

" نہیں انالانا ——— تم معصوم ہو میں تمہارا مددگار نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر تم انسانی آبادی میں چلی جاؤ تو تمہارے بہت سے مددگار مل سکتے ہیں اور اس کے بعد ———

" نہیں ——— میں ان کے درمیان نہیں جانا چاہتی لیکن تم نے وہ لفظ بتائے تھے ——— خوب صورت اور جوان ——— میں ان کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں "

" پھر کبھی بتاؤں گا ——— میں نے جواب دیا۔

اور وہ خاموش ہو گئی۔ یہ اس کی اچھی عادت تھی۔

ویسے بھی وہ اپنے مشاہدات مجھے بتا کر بہت خوش ہوتی تھی ——— وحشیانہ فطرت کی یہ لڑکی میرے لئے بہت عجیب تھی۔

ایک دن اس نے پُرمسرت لہجے میں کہا کہ اس نے کچھ انسان دیکھے ہیں وہ بہت سے تھے اور عجیب عجیب لباس پہنے ہوئے تھے۔

" تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔ "

" پہاڑوں کے اس طرف اور وہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ بڑے ہی انوکھے لگے مجھے ——— میں نے دور تک ان کا تعاقب کیا تھا ——— لیکن اس طرح ان میں سے کوئی مجھے نہ دیکھ سکا ——— اور میں اس میں کامیاب رہی۔ ———

یعنی ان میں سے کسی نے تمہیں نہیں دیکھا۔

نہیں ——— لیکن اب ——— میں انسانی آبادی کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔

" تو پھر کسی آبادی کا رخ کرو ——— اور یوں بھی بقیہ زندگی یہاں نہیں گذار سکتیں۔

" وہ کیوں ——— "

وہ اس لئے کہ تمہارے ذہن میں تمہارا فطری جذبہ جاگ اٹھا ہے۔ اور وہ خاموش ہو کر اس جذبے پر غور کرنے لگی۔

" میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ اس نے کسی انسانی آبادی کا سراغ لگا لیا تھا ——— اور اب اس کے بارے میں سوچ رہی تھی ——— پھر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھا کہ وہ ایک، آبادی کے قریب پہنچ گئی لیکن ایک ایسی آبادی کے قریب جو، خوف و ہراس کا شکار تھی۔ اور یہ خوف و ہراس آبادی کے قریب تر جنگل میں وارد ہونے والے ایک کلیسائی سور کی وجہ سے تھا۔ یہ قوی ہیکل اور خونخوار سور آبادی کے بیشمار افراد کو ہلاک کر چکا تھا۔ ابتدا میں اس نے جنگل کے کنارے آباد لوگوں کے گھروں پر حملہ کیا اور نوجوان اسے ہلاک کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان بارہ نوجوانوں کی اس ایک ٹولی نے اسے گھیر لیا لیکن سخت جان سور ان کے نیزوں سے زخمی تو ہو گیا لیکن اس نے ان میں سے آٹھ نوجوانوں کو خاک کر دیا اور پھر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد وہ وقفے وقفے سے نمودار ہوتا تھا اور سرحدی آبادی کے مکانات خالی کر دیے وہ اندر دفنے آبادی میں چلے گئے تب سور نے بھی اپنا دائرہ بڑھا دیا۔ اور اس کی چیرہ دستیاں بڑھتی گئیں زخموں نے اسے پاگل کر دیا تھا اور آبادی کے لوگوں نے اسے ناقابل تسخیر قرار دے دیا

تھا۔

سو پھر یوں ہوا کہ ایک شام بستی والوں نے اس کی آہٹ پائی۔ اور لوگ گھروں کو دوڑنے لگے۔ ایک کہرام مچ گیا تھا۔ کیونکہ دن کے وقت یہ ناقابلِ تسخیر سور پہلی بار نظر آیا تھا۔ اور روشنی میں اسے دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کا ہلاک کرنا ناممکن ہے۔ خوف و ہراس سے لوگ اس بلا کی تباہ کاری کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن وہ اجنبی حسینہ بھی ان کیلئے تعجب خیز تھی۔ کیونکہ بستی کی کوئی نوجوان لڑکی نہ تو اس لباس میں کبھی نظر آئی تھی اور نہ کوئی اس کی ہم پلہ تھی۔ اور اتفاق تھا کہ اس کا ظہور بھی اسی جانب سے ہوا تھا جدھر سے وہ سور آتا نظر آیا تھا۔!

اتنے قریب پہنچ گئے وہ دونوں کہ بستی کے لوگ چیخ پڑے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ اجنبی حسینہ اس سور کا شکار ضرور ہو جائے گی۔ اور جب سور نے اس کی جانب رخ کیا تو بستی والوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس منظر کا انتظار کرنے لگے کہ اب وہ حسینہ سرخ گاڑھے خون میں نہائی ہو گی۔

لیکن جن کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں انہوں نے وہ تعجب خیز منظر بھی دیکھا کہ لڑکی سور کے سینگ کی زد میں نہیں آئی بلکہ اچھل کر ایک طرف ہو گئی۔ بجائے اس کے کہ وہ سور کی گردن نہ مڑ سکنے سے فائدہ اٹھاتی ——— وہ خود بھی غرانے لگی اور اس کے خد و خال پھیل گئے۔ اس کی آنکھوں میں جنون نظر آنے لگا! اور وہ سور کے دوسرے حملے کا شکار ہو گئی۔

لیکن ——— اُسے سور نے اپنے سینگ پر اچھال لیا تھا۔ لڑکی دور جا گری اور سور رک کر اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا لڑکی نے ایک پتھر اٹھا لیا تھا۔ اور پھر اس نے وہ پتھر سور کی پیشانی پر دے مارا۔

بڑی موثر ضرب تھی۔ شاید پہلی بار سور زمین پر گرا۔ اور اس کے منہ سے چنگھاڑیں نکلنے لگیں۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن لڑکی نے پتھر دوبارہ اٹھا لیا اور اس بار وہ پتھر سور کے جبڑے پر پڑا چنگھاڑیں تیز ہو گئیں۔ اور سور آتش فشاں ہو گیا ——— وہ اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن پاؤں کی ایسی کاری ضرب کس نے کب دیکھی ہو گی جو ایک دیو ہیکل سور کو گرا دے۔ لیکن یہ بات تو میں جانتا تھا کہ اٹالانٹا کے پاؤں گھوڑے سے زیادہ مضبوط ہیں۔ جنگلی جانور کے دودھ سے پرورش پائی ہوئی لڑکی اور جنگل کے وحشت ناک ماحول میں پروان چڑھی ہوئی، ہر خوف سے بے نیاز تھی۔

سور پھر گر گیا ——— اس بار اٹالانٹا نے پتھر دونکے قریب پہنچ کر پوری قوت سے اس کے منہ پر دے مارا ——— اور سور کے دماغ کی ہڈی چٹخ گئی۔ اور پھر پتھر کی تین چار ضربوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔ اس سے قبل نوجوانوں نے خوف کے عالم میں سور کے جسم پر زخم لگائے تھے۔ لیکن اٹالانٹا نے کیونکہ ابتداء ہی سے اس کے سر کو نشانہ بنایا تھا اس لئے بے پناہ طاقت ور سور اس کا شکار بن کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

تب بستی والے دوڑ پڑے وہ سب خوشی کی آوازیں نکال رہے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ خوشی میں اٹالانٹا کو اٹھا لیتے۔ لیکن اس کے چہرے کی وحشت دیکھ کر ان کی ہمت نہ پڑی۔ تاہم وہ خوشی کا بے پناہ اظہار کر رہے تھے۔

پھر بستی کے ایک معزز آدمی نے آگے بڑھ کر اسے اس کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ اور تحسین کے کلمات کہے۔

"تم نے اس بستی کے باشندوں کو موت کی وادیوں سے گھسیٹ لیا ہے۔"

"لیکن تم کون ہو۔؟

"کہاں سے آئی ہو۔

"ہماری بستی کی تو نہیں ہو ——— بہت سے لوگ سوالات کرنے لگے۔!

"وہ کوئی بھی ہے۔ ہماری محسن ہے۔ اور اس نے ایک خوفناک جنگ لڑی ہے۔ سو بہتر یہ ہے کہ تم اپنے سوالات سے اسے پریشان نہ کرو۔ اس کی خاطر مدارت کرو۔ اے محسن حسینہ ——— کیا تو میرے ساتھ میرے گھر میں قیام کرے گی؟"

اور اٹالانٹا نے اس پہ آمادگی ظاہر کر دی۔ سو لوگوں کا ہجوم تھا اس کے پیچھے اور یوں بوڑھا معزز شخص اسے اپنے خوب صورت مکان میں لے گیا۔ اور لوگوں کا ہجوم اس کے مکان پر جا کر منتشر ہو گیا لیکن بوڑھے کے گھر کے افراد اس حسینہ کو دیکھنے لگے۔ جن میں عورتیں بھی تھیں، نوجوان لڑکے بھی ——— اور سب اس پر نثار ہو رہے تھے۔

تب اٹالانٹا نے انہیں بتایا کہ اس کی زندگی جنگلوں میں گزری ہے۔ اور اس نے پہلی بار انسانی آبادی دیکھی ہے۔ اور اس نے یہ بھی بتایا کہ لمبے بالوں والے جانوروں نے اسے پرورش کیا ہے۔ اور وہ انہیں کا دودھ پی کر جوان ہوئی ہے۔

لوگ اس کی باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئے لیکن نوجوانوں کے دلوں میں اس کیلئے بے پناہ پسندیدگی کے جذبات تھے۔ اور وہ چور نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر اس وقت تو اٹالانٹا کا حسن

بے مثال ہو گیا جب بوڑھے میزبان نے اپنی بیٹیوں کے یونانی لباس سے اُسے ڈھک دیا اور اس کے حسن کے چرچے عام ہو گئے۔

کلیدانی سور کی ہلاکت آفرینی کی داستانیں دور تک پھیل گئی تھیں چنانچہ بادشاہِ وقت نے ایک فوجی دستے کو روانہ کر دیا تاکہ بستی والوں کی مصیبت دُور کرے ——— لیکن فوجی دستہ ابھی اس بستی سے دُور تھا کہ اس کے سالار کو سور کے ہلاک ہونے کی اطلاع ملی جسے اٹالانٹا نامی لڑکی نے ہلاک کر دیا تھا۔

نوجوان سالار کے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش بیدار ہو گئی اور وہ منزلیں طے کرتا ہوا اس بستی میں پہنچ گیا۔ سالار افراملوس اس لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اور بوڑھے میزبان کے مکان پر پہنچ گیا۔ جہاں اس کی پذیرائی کی گئی۔ کیوں کہ وہ شاہِ وقت کا ہرکارہ تھا۔ تب اس نے مدعا بیان کیا۔

"ہاں اٹالانٹا ہمارے گھر میں موجود ہے، لیکن وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ عجیب لڑکی ہے بستیوں کے ماحول سے ناآشنا۔ کبھی اس کی فطرت میں انسانیت جھلکتی ہے اور کبھی وہ صرف ایک وحشی دکھائی نظر آتی ہے۔ میں اسے تمہارا پیغام دے دوں۔؟"

"ضرور ——— میں اس کا مشتاق ہوں۔ اور اس سے ملاقات کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" بوڑھے نے اٹالانٹا کو اس نوجوان کی آمد سے آگاہ کیا۔ اور اسے سالار کے بارے میں تفصیل بتائی تو وہ اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی۔

پھر جب سالار نے اس یونانی حسینہ کو دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گیا وہ اپنی حیثیت کو ذہن سے نکال بیٹھا۔ اور سب کچھ بھول گیا۔ بس اس کی آنکھوں میں یونان کا حسنِ بے مثال رہ گیا تھا۔ یونانی حسینہ آنکھوں کے راستے دل میں اتر گئی تھی ——— اور وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کس سلسلہ میں اس سے ملنے آیا تھا۔ لیکن اٹالانٹا کی آنکھوں میں اس کیلئے کوئی خاص جذبات نہ تھے، اس نے ابھی نوجوانوں سے متاثر ہونا نہیں سیکھا تھا۔

گو میں جانتا تھا کہ ایک بار اس نے ایک خواہش ضرور ظاہر کی تھی۔ لیکن وہ خواہش ایک عجیب سے جذبے پر منحصر تھی۔ اس میں محبت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ عشق و محبت کے سلسلے میں اس کے جذبات کس حد تک پرورش پا چکے ہیں۔

بہر صورت میں نے سالار کی آنکھوں میں جو کچھ دیکھا، اس نے مجھے خاصی دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ تب وہ آگے بڑھا اور اس نے اٹالانٹا کے سامنے سر جھکا دیا۔

"یونانی حسینہ میں نے تیری بہادری کے چرچے سنے، اور تیرا حسنِ بے مثال بھی دیکھا۔ بلا شبہ تو نے وہ کام کیا ہے جس کو کرنے کیلئے شاہِ یونان نے ہمیں یہاں تک بھیجا تھا۔ ہاں اس بات کی خوشی ہے کہ اگر ہم وہ کام نہ کر سکے تو ہمارا نعم البدل یہاں موجود تھا وہ کام جو اس بستی کے دلیر جوان نہ کر سکے تو نے کر دکھایا۔ یہ قوت، یہ جذبہ تجھ میں کہاں سے آیا ——— ؟

"میں نہیں جانتی اور تیری باتیں بہت زیادہ میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔ تو نے جو کچھ کہا ہے اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ میں نے ایک درندے کو ہلاک کر دیا ہے جو ان لوگوں کو نقصان پہنچاتا تھا تو بہر صورت یہ ٹھیک ہے کہ اسے ہلاک کرنے میں مجھے دقتیں پیش آئیں لیکن میں نے اسے مار دیا۔ ان لوگوں کو اس سے فائدہ ہوا تو یہ اچھی بات ہے۔"

"میں شاہِ یونان کو تیرے اس کارنامے کے بارے میں بتاؤں گا، اس لئے میری درخواست ہے کہ تو میرے ساتھ چل۔"

"کہاں ——— ؟" اٹالانٹا نے پوچھا۔

"مرکز پر، ہمارے شاہ کے دارالحکومت میں جہاں تیری صحیح پذیرائی ہو سکے، تجھے تیرا صحیح مقام مل سکے۔"

"کیا وہ بھی ایسی ہی بستی ہے جیسی یہ ہے۔"

"ہاں ——— اس سے کہیں زیادہ حسین اور خوبصورت۔"

"تب تو میں تیرے ساتھ چلوں گی۔" اٹالانٹا نے آمادگی ظاہر کر دی اور سالار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

لیکن بوڑھے میزبان کے دو نوجوان بیٹوں کے چہرے پر اداسی کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

اٹالانٹا سالار کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئی۔ اور سالار کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ——— میں نے ان دونوں نوجوانوں کی گفتگو بھی سنی جو آپس میں اٹالانٹا کیلئے کر رہے تھے

"فوجوں کے سالار کی نگاہیں اچھی نہیں ہیں وہ اس وحشی حسینہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے ——— ایک نوجوان نے دوسرے سے کہا۔

"ہاں ——— اور یہ کسی طور ممکن نہیں ہے۔"

"وہ کیوں ——— ؟" دوسرے نے پوچھا۔

"اس لئے، اس لئے ———" پہلا کوئی جواب نہ دے سکا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"کک۔ کیا جانتے ہو۔؟"

"تم بھی اس کی تیرِ نظر کے شکار ہو۔"

"لیکن سالار نے جو کچھ کیا ہے وہ تو بہتر نہیں ہے" پہلے نے جواب دیا۔

"کیوں نہ ہم بھی اس کے ساتھ ہی چلیں، اور قسمت آزمائی کریں" دوسرے نوجوان نے کہا۔

"اوہ لیکن ہمیں اس کی اجازت کیسے ملے گی۔؟"

"اجازت لینا ہوگی۔" نوجوان نے کہا۔

"لیکن میرے بھائی، کیا تم بھی اسے اتنا ہی پیار کرتے ہو جتنا کہ میں۔"

"ہاں —— بلکہ تم سے بھی کچھ زیادہ۔"

"نہیں —— یہ ممکن نہیں۔"

"خیر اس بات کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے —— نہ وہ میری دسترس میں ہے اور نہ تمہاری —— لیکن ہم دونوں اسے سالار کی دسترس میں بھی نہ جانے دیں گے، وہ معصوم ہے سالار اسے پھسلانے کی کوشش کرے گا، اور ہم اس میں مداخلت کریں گے۔"

"سوچ لو —— ایک بہت بڑی ذمہ داری ہم پر آپڑے گی"

"ٹھیک ہے بھائی، زندگی میں اس قسم کی ذمہ داریاں لینی ہی پڑتی ہیں —— ہم اسے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ اور یہ بات ہم اپنے مقدر پر چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم میں سے کون اسے اپنا سکے گا۔"

"ٹھیک ہے، تیاریاں کرو۔ لیکن بابا سے کیا کہیں گے؟"

"بابا سے کچھ نہیں کہیں گے۔ جب یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوگا تو ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے مرکز تک پہنچ جائیں گے۔"

دوسرے نوجوان نے جواب دیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اٹالانٹا کی جوانی نے بستی کی نگاہوں میں [illegible] حیثیت اختیار کرلی تھی، جس کی میں نے پیش گوئی کی تھی۔ سر صورت دیکھنا یہ تھا کہ اب اس کی زندگی کا اگلا حصہ کیا ہے۔ [illegible] کی زندگی کا نیا موڑ کون سا ہوگا۔؟

ویسے مجھے علی رحمان بیگ اچھی طرح یاد تھا، میں اپنے آپ کو بھولا نہیں تھا۔ گو اس ماحول میں، میں ایک عجیب حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ لیکن بہرحال اب اٹالانٹا کے حالات سے مجھے پوری پوری دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اس بار بیزاری نہیں تھی جو پچھلے دو واقعات کے دوران رہی تھی۔ مجھے ہر لمحے تجسس رہتا تھا کہ دیکھا جائے کہ اٹالانٹا کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ وہ بچی جس کا باپ اسے ویرانوں میں چھوڑ گیا تھا، زندگی کا کوئی محور کس انداز میں حاصل کرتی ہے

چنانچہ جب قافلہ روانہ ہوا اور وہ دونوں نوجوان قافلے کے پیچھے چھپ کر سفر کرنے لگے۔ تو میں بھی ان سے دور نہیں تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے سفر کا ذریعہ کیا تھا۔ ہاں جس دیکھنے والی آنکھ کا میں بار بار ذکر کرتا رہا ہوں۔ وہ ہر نظر ہر ماحول کو بخوبی دیکھ رہی تھی، یوں لگتا تھا جیسے میں ہواؤں میں تحلیل ہوں جیسے میری روح فضاؤں میں پرواز کر رہی اور اٹالانٹا کے گرد چکرا رہی ہو، میں جو کچھ دیکھ سکتا تھا، دیکھ رہا تھا۔ ہر بات کو محسوس کر رہا تھا لیکن اس بار میں عملی اور جسمانی حیثیت میں سامنے نہیں آیا تھا۔

یوں یونان کی پرخار وادیاں، چٹیل میدان، کھردرے پہاڑی علاقے طے کرتا ہوا سالار اٹالانٹا کو لے کر مرکز میں داخل ہوگیا۔

اور پھر اس نے خوبصورت لڑکی کو اپنے مکان میں ٹھہرایا بلاشبہ مرکز اُس بستی سے کہیں زیادہ حسین تھا۔ اور میں یونان کا قدیم شہر دیکھ رہا تھا۔

اس کا طرز تعمیر جو میں نے کہانیوں اور فلموں میں دیکھا تھا وہی تھا۔ اور اس کی گلیاں، کوچے اور بازار پُررونق تھے۔

سالار نے جس مکان میں اٹالانٹا کو ٹھہرایا تھا وہ بڑا ہی خوب صورت تھا۔ —— میں نے اندر داخل ہو کر دیکھا۔ نوجوان سالار کی ماں اور بہن اور دوسرے افراد خانہ اٹالانٹا کی خدمت گزاری میں مصروف تھے۔ اور انہیں بھی وہ لڑکی حسب معمول بہت پسند آئی تھی۔

تو اب یہ دیکھنا تھا کہ اٹالانٹا کی زندگی کس طرح آگے بڑھتی ہے۔ نوجوان سالار اس کے آگے بچھ رہا تھا۔

لیکن اس نے تحمل سے کام نہیں لیا۔ جنگلی سور کی ہلاکت کی داستان شاہِ یونان کے دربار تک پہنچ گئی اور شاہ نے اس کی خوب پذیرائی کی۔ اٹالانٹا مرکز کا حیف ماحول دیکھ کر مبہوت تھی، اور جب شاہِ یونان نے اسے طلب کیا تو میں بھی زیادہ دور نہ تھا۔

"حیرت ہے ——" بوڑھے شاہ نے جوان حسینہ کو دیکھ کر کہا۔ "تم نے وہ کام کر دکھایا جو ہشیار نوجوان نہ کر سکے۔"

"میں اب اس تذکرے سے تنگ آگئی ہوں"

"اس کے علاوہ تمہارے بارے میں اور بھی باتیں سنی ہیں"

"وہ کیا ——" اٹالانٹا نے پوچھا۔

"یہی کہ تمہاری پرورش جنگلوں میں ہوئی ہے،"

"ہاں ——" "میں نے آبادی پہلی بار دیکھی ہے"

"پوری زندگی جنگلوں میں گزاری ہے تم نے۔؟"

"ہاں۔"

"لیکن انسانی ماحول اور اس گفتگو سے کس طرح واقف ہو۔؟"

"ایک عظیم فطرت میری رہنمائی کرتی رہی ہے اور اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اس نے میری ہر قدم پہ رہنمائی کی ہے۔

"کیا وہ کوئی انسان تھا۔؟

"ہاں"

"اب وہ کہاں ہے۔؟

"میں نہیں جانتی ——— اٹالانٹا نے کہا۔ اور شاہِ یونان کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بلاشبہ تمہاری شخصیت یونان کی عورتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ دیوی انروڈائٹ اِسبات سے بہت خوش ہو گی کہ اس کی صفت کی کوئی اور عورت بھی یہاں موجود ہے۔

"انروڈائٹ کون ہے ——— ؟ اٹالانٹا نے پوچھا۔

"تم تو دیوی اور دیوتاؤں کے بارے میں بھی نہیں جانتیں۔ میں تمہیں انروڈائٹ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور سیاہ حسینہ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جنگلوں کی زندگی اختیار نہ کرو بلکہ شہر میں رہ کر اپنی بقیہ زندگی گزار دو۔ کیا تمہیں یونان کی عورتیں پسند نہیں ہیں جو خود کو کسی نوجوان سے وابستہ کر لیتی ہیں۔

"پسند ہیں ——— لیکن میں ان کی مانند زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"کیوں۔؟

"اسلئے کہ مجھے کھلے علاقے پسند ہیں۔ میں ایک انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی خواہش مند ہوں۔

"لیکن تم اتنی حسین ہو کہ بیشتر نوجوان تمہارے طلب گار ہو سکتے ہیں۔"

"مگر میں کسی کی طلب گار نہیں ہوں۔"

"یونان کے اصول کے مطابق نوجوان لڑکی کو کسی کو اپنانا ہی ہوگا۔ کیا میں ان نوجوانوں کو پکار سکتا ہوں جو اٹالانٹا سے شادی کے خواہش مند ہوں۔

اور جواب میں اس نے بیشمار ہاتھ دیکھے۔ ان میں سالار کا ہاتھ بھی تھا۔ شاہِ یونان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے دیکھا ——— اس نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن میں ان میں سے کسی سے بھی متاثر نہیں ہوں یہ میرے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

"وہ کس طرح

"میں ان سے زیادہ طاقت ور ہوں، میں ان سے برتر ہوں ان نوجوانوں کیلئے میری ایک شرط ہے۔ اٹالانٹا نے کہا۔

"خوب ——— اور وہ شرط کیا ہے۔؟"

"ان میں سے کوئی نوجوان مجھے دوڑ میں شکست دیدے گا تو میں اس سے شادی کروں گی۔ لیکن اگر کوئی مجھے شکست نہ دے سکا اور میرا مقابلہ ہار گیا ——— تو میں اسے قتل کر دوں گی۔!

"واہ۔" شاہِ یونان نے اس شرط کو پسند کیا۔ "تو ٹھیک کہتی ہے۔ کم از کم اس نوجوان کو تیری یہ شرط قبول کرنی ہی چاہیئے، جو تیرا شوہر بننے کا خواہش مند ہو ——— میرا خیال ہے تیرا مطالبہ جائز ہے۔ چنانچہ میں یہ اعلان کر دوں گا اور اس کے بعد ——— واہ یونان کے شب و روز میں کافی دلکشی پیدا ہو جاتے گی۔!

اور پھر اٹالانٹا شاہ یونان کی مہمان بن گئی۔ دوسرے دن یہ اعلان پورے علاقے میں کر دیا گیا۔" اٹالانٹا اس نوجوان سے شادی کرے گی جو اسے دوڑ میں شکست دے گا۔" اور نوجوان غول در غول آنے لگے۔ انھوں نے اٹالانٹا کے امیدواروں میں اپنے نام درج کرا دیئے تھے۔ اور ان کی ٹولیاں مقرر کر دی گئیں۔

ان نوجوانوں میں یونانی سالار اور بوڑھے کے دونوں بیٹے بھی شامل تھے۔ وہ سب اٹالانٹا کو جیتنے کیلئے جان کی بازی لگانے پہ تیار ہو گئے تھے۔

نوجوانوں کی تعداد اتنی تھی کہ ان کی ٹولیاں بنا دی گئیں۔ اور پہلی دوڑ شروع ہوئی۔ اس دوڑ کو دیکھنے کیلئے دیوی ازوڈائٹ بھی موجود تھی۔ اور اس نے حسد کی نگاہ سے اس حسینہ کو دیکھا جس کے طلب گار اس کیلئے جان دینے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ بڑے میدان میں پہلے نمبر پر آنے والے نوجوانوں کی ٹولی پہنچ گئی ——— اٹالانٹا اپنی بھرپور روحانہ فطرت کے ساتھ یہاں موجود تھی۔ اس کے بدن پر کھالوں کا لباس تھا۔ اور اس کے خوبصورت بال فضا میں لہرا رہے تھے۔ نوجوانوں کے دل خون ہو رہے تھے۔ دیکھنے والوں میں سے بہت سے نوجوانوں نے اس امید پر اپنے نام درج کرانے کا فیصلہ کیا کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی نوجوان اٹالانٹا سے دوڑ میں مقابلہ کر کے نہ جیت سکے۔ اور ان کی باری بھی آجائے۔ اس کے حسن نے نوجوانوں کو اسی انداز میں متاثر کیا تھا ——— لیکن اس وقت انہیں بڑی مایوسی ہوئی جب دوڑ شروع ہوئی۔

نوجوان جان توڑ کر بھاگے۔ لیکن اٹالانٹا کے بارے میں

وہ کوئی کچھ نہ جانتے تھے، جتنا کہ میں جانتا تھا ——— کہ تیز رفتار جنگلی گھوڑے بآسانی اس کے ہاتھ میں آجایا کرتے تھے، اور وہ دوڑ کر انہیں پکڑ لیا کرتی تھی، یا پھر انہیں اتنا پیچھے چھوڑ دیا کرتی تھی کہ وہ اس تک نہ پہنچ پاتے ——— اور بہرصورت گھوڑے اور انسانوں میں تو فرق ہوتا ہے۔

چنانچہ اٹالانٹا میدان کے ایک سرے پر نظر آئی اور پلک جھپکتے میں دوسرے سرے پر، اور دوسرے نوجوان ابھی اس میدان کا چوتھائی حصہ بھی پار نہیں کر پاتے تھے۔ وہ دوسرے سرے پر کھڑی ہنس رہی تھی۔

اور دوڑنے والے نوجوان آدھے میدان ہی میں رُک گئے۔ انہیں پتہ چل چکا تھا کہ اس نے جو شرط پیش کی ہے وہ بڑی بھیانک ہے اور اب انہیں اپنی زندگی کی فکر تھی۔ لیکن موت نوجوانوں کا مقدر بن چکی تھی۔ دوڑنے والوں میں سالار بھی تھا اور وہ دو نوجوان بھی تھے جن کا ذکر پہلے آیا تھا اس میدان میں ان تمام نوجوانوں کی گردنیں ان کے جسموں سے علیحدہ کر دی گئیں۔

لیکن اٹالانٹا کو ان میں سے کسی کی پرواہ نہیں تھی وہ قتل و غارت گری کا یہ منظر دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ تب اس نے دوسری ٹولی کو طلب کیا۔

لیکن اس میں سے کچھ نوجوان پہلے ہی کھسک گئے تھے ٹھیک ہے عشق اپنی جگہ، لیکن زندگی ہو تو عشق بھی ہوتا ہے ورنہ بہت سی نگاہوں میں عشق اور زندگی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی بچ جائے گی تو عشق بھی ہو سکتا ہے ——— اٹالانٹا نہ سہی کوئی اور ہی سہی، چنانچہ کھسک جانے والے نوجوان تماشائیوں میں شامل ہو گئے۔

لوگ انہیں پہچانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے چہرے بھی چھپا لئے تاکہ انہیں ان کے نام سے نہ پکارا جاتے۔ لیکن اب بھی کچھ سرپھرے ایسے تھے جو اٹالانٹا کے ساتھ دوڑنے پر آمادہ تھے۔ اسی دن دوسری دوڑ بھی ہوئی جس میں کچھ اور نوجوان کام آ گئے۔ اور نوجوانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ جنہوں نے اسے دوڑتے ہوئے دیکھا انہیں اندازہ ہو گیا کہ مرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ چھلاوے کے بھلا پاؤں کہاں ہوتے ہیں، اس کو تو پراسرار قوتیں دوڑاتی ہیں۔

چنانچہ اٹالانٹا کے بے شمار عاشقوں کی تعداد کم ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اور شاہ یونان بھی کیونکہ اب اکثر دوڑ کے مقابلے ہوتے، نوجوان شکست کھاتے اور خون بہتا۔ لیکن اٹالانٹا کے حسن کی کہانیاں نوجوانوں کو کھینچ کر لاتیں وہ اسے ایک نظر دیکھ کر دیوانے ہو جاتے۔ اور پھر میدان میں خون آلود ہونے کیلئے پہنچ جاتے۔

اٹالانٹا اب اپنی جیت اور بستی میں رہنے والوں کے ذہن سے بخوبی واقف ہو گئی تھی۔ اسے بھی اس کھیل میں لطف آتا تھا۔

لیکن ——— دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا ہی تھا۔ میں تو اسے اس کھیل سے روک بھی نہیں سکتا تھا کیوں کہ وہ ماضی تھا جو گزر چکا تھا۔ اور میں اسے وہی کچھ سمجھا سکتا تھا جو اُسے سمجھایا گیا تھا۔ ماضی میں تبدیلی کس طور ممکن ہے؟ ہاں حالات خود اپنی راہ کا تعین کرتے ہیں۔ سو اٹالانٹا کے لئے بھی ایک راستہ مقرر تھا یعنی وہ جو گزر چکا تھا ——— وہ جو ماضی تھا۔!

اور ہوا یوں کہ انزوڈائٹ نے شاہ یونان کو اپنے حضور طلب کر لیا۔ دیوی کے بلاوے پر کسی کی مجال تھی کہ نہ جاتا۔ شاہ یونان انزوڈائٹ کے حضور پہنچ گیا۔

"کس نے اجازت دی تھی اس لڑکی کو کہ وہ یونان کے نوجوانوں کو، میرے بیٹوں کو یوں موت کے گھاٹ اتار دے؟" انزوڈائٹ نے بگڑتے ہوئے تیور سے کہا۔ اور شاہ یونان ساکت رہ گیا۔

"وہ وحشیوں میں پروان چڑھی ہے اس کی یہی خواہش تھی۔ اور نوجوان اس کے حصول کے لئے بے چین ہیں۔ میں کیسے روکوں۔" شاہ یونان نے مظلومانہ انداز میں کہا۔

"گویا تمہیں نوجوانوں کا قتل عام پسند ہے۔" انزوڈائٹ نے ترچھی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہرگز نہیں ——— لیکن نوجوان بھی تو باز نہیں آتے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ وہ بے پناہ تیز دوڑتی ہے۔ اتنی تیز کہ کوئی اسے پا بھی نہیں سکتا لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوڑ کر اپنی قسمت آزمانا چاہتے ہیں۔ اس کے حسن نے انہیں دیوانہ کر دیا ہے۔" شاہ یونان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں اس کا غرور توڑ دوں گی"!

"آہ۔ دیوی تم دیوی ہو، بلاشبہ تمہاری قوتیں اس سے بے پناہ بڑھ کر ہیں۔ لیکن کیا اس نوجوان لڑکی کو اپنی پسند کا نوجوان چننے کا حق نہیں ہے۔"

"یہ ——— مزہ ہے" ——— دیوی انسرڈائٹ نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا۔ "اور میں اس سلسلے میں صرف ایک تبدیلی کرنا چاہتی ہوں۔ ———"

"میں نہیں سمجھا ——— شاہِ یونان نے جواب دیا۔

"ایک شخص اس کے ساتھ دوڑے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ راستہ اتنا طویل ہو کہ دوڑنے کا لطف بھی آ سکے۔ جس میدان میں لوگ دوڑتے ہیں وہ میدان اتنا مختصر ہے کہ اس میدان میں دوڑنے والا اپنی قوت دکھا ہی نہیں سکتا۔ لڑکی جو انتہائی تیز دوڑنے کی ماہر ہے ان سے جیت جاتی ہے۔

"آہ ——— تو گویا دیوی کی اجازت ہے۔ شاہِ یونان نے پوچھا۔ !

"ہاں ——— تم اپنا کھیل جاری رکھ سکتے ہو۔" انسرڈائٹ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ اور شاہِ یونان نے خاموشی اختیار کر لی۔

وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ انسرڈائٹ کیا چاہتی ہے۔ اور اسے اس کیلئے کیا حکم ہے ——— چنانچہ اس نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کی پھر انسرڈائٹ سے پوچھا ——— "تو مجھے کس لئے طلب کیا گیا تھا۔ ——— ؟

"اس لئے یونان کے شاہ کہ میں اب مزید نوجوانوں کا قتل عام نہیں چاہتی۔ اور اس مغرور لڑکی کو شکست سے روشناس کرانا چاہتی ہوں۔"

"کس کی مجال کہ دیوی کی قوتوں سے ٹکرائے۔" شاہِ یونان نے کہا۔

"تم اس میدان کا انتخاب کرو جہاں دوڑ ہو گی۔ اور اٹالانٹا کو اس بات سے آگاہ کر دو کہ اس بار اسے طویل دوڑ لگانی ہو گی

"میں اسے بتا دوں گا۔"

"لیکن خبردار ——— اس پر اظہار نہ کرنا، ہم اس کے مخالف ہیں۔"

"ایسا ہی ہو گا ——— شاہ نے جواب دیا۔ ——— اور پھر اس نے اٹالانٹا سے یوں گفتگو کی۔

"تم خود کیا چاہتی ہو نوجوان لڑکی۔ ——— کیا تمہیں زندگی کیلئے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں۔ کیا تم ہمیشہ ہی ایسی زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ ؟"

"ہاں ——— ! اٹالانٹا نے جواب دیا۔

"پھر اس خونی کھیل سے کیا فائدہ۔ ؟"

"کیا تم اس سے اکتا چکے ہو۔"

"ہاں۔ اس لئے کہ میرے وطن کے نوجوان موت کا شکار ہو رہے ہیں۔"

"وہ اپنی غرض سے موت اپناتے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم حسین ہو۔ ——— کسی نوجوان نے تمہیں شکست دی تو کیا ہو گا۔

"میں اپنی شرط پوری کروں گی۔

"یعنی اس سے شادی کر لو گی۔

"بیشک ——— اٹالانٹا نے غرور سے کہا۔ اور شاہ یونان گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب جو نوجوان آئے گا اٹالانٹا کی شکست لے کر آئے گا۔ چنانچہ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا

"لیکن نوجوانوں کو ایک شکایت ہے۔"

"وہ کیا۔ ؟ اٹالانٹا نے کہا۔ ؟

"نوجوانوں کا کہنا ہے کہ وہ فاصلے بہت کم ہوتے ہیں جہاں انہیں دوڑنا ہوتا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر فاصلہ طویل ہو تو وہ اس رفتار سے دوڑ سکیں جس سے اٹالانٹا کو شکست دی جا سکے۔"

"اوہ ——— تو اس میں تو کوئی بات نہیں ہے۔ فاصلے حسب منشا بڑھائے جا سکتے ہیں۔ اٹالانٹا نے بے خوفی سے کہا۔

"ہاں ——— اور میں نے یہی طے کیا تھا کہ اس بار نوجوانوں کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہ ہو۔ اور وہ تمہارے ساتھ اس طویل فاصلے تک دوڑ سکیں۔ جو انہیں خود پسند ہوں" شاہِ یونان نے کہا۔

"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اٹالانٹا نے پھر بے خوفی سے کہا۔ اور شاہِ یونان نے گردن ہلا دی۔

بہر صورت اب اس دلچسپ مقابلہ میں ایک تلخ پہلو بھی آ گیا تھا، انسرڈائٹ جس شے کو ناپسند کرتی تھی تو اسے جاری رکھنا تقریباً ناممکن تھا اور اس کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہو ہی جانا چاہئے تھا۔ ———"

چنانچہ وہ انتظار کرنے لگا، ان ناموں کی فہرست کافی طویل ہو گئی تھی۔ جو اٹالانٹا کے ساتھ دوڑنے پر تیار تھے۔ نوجوان بھی دیوانگی پر آمادہ تھے۔ نجانے انہیں اس لڑکی میں کیا نظر آیا تھا کہ وہ اس کے قرب کی خواہش میں جان دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے

لیکن جو شخص شاہِ یونان کے پاس پہنچا وہ حسن و جمال، صورت و شکل میں انوکھا تھا۔

اس نے اپنا نام ہیولنس بتایا تھا ——— "میں اٹالانٹا کے ساتھ دوڑنا چاہتا ہوں" اس نے کہا۔ "اور مجھے دیوی انرو ڈائٹ نے بھیجا ہے۔"

اور شاہِ یونان مستعد ہو گیا تھا۔ جس شخص کو انرو ڈائٹ نے بھیجا ہو وہ بلاشبہ قابلِ احترام بھی تھا۔ اور اس کے سامنے آنے کے بعد یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے وہ اب فتح سے ہمکنار ہو جائے۔ اور بہر حال ہیولنس کو کامیاب ہونا ہی تھا ——— کیونکہ اسے دیوی انرو ڈائٹ کی پشت پناہی حاصل تھی۔

شاہِ یونان نے اس کی اجازت دے دی۔ اور ایک دن مقرر کر دیا ——— میرے ذہن میں بھی دلچسپیاں جاگ اٹھی تھیں۔ ہیولنس دیوی انرو ڈائٹ کا بھیجا ہوا تھا۔ نجانے وہ اس لمبے مقابلے میں کیا کارنامہ دکھائے، ممکن تھا وہ جیت جاتا، کیونکہ دیوی کا مسئلہ تھا۔

بہر صورت ایک طویل فاصلے کا انتخاب ہوا، اور دوڑ کا دن آ گیا شاہِ یونان اور یونان کے بے شمار باشندے اس منظر کو دیکھنے کیلئے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ جتنا فاصلہ انہیں طے کرنا تھا وہ اتنا طویل تھا کہ وہاں تک آدمی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بہر صورت ہیولنس اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں سے اسے مقابلے میں جیتنے والوں کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ اور دیکھنے والی آنکھ بھی اس سے زیادہ دور نہ تھی۔ تب میں نے دیکھا کہ نوجوان ہیولنس اٹالانٹا کے سامنے آیا اور اسے دیکھ کر مبہوت سا رہ گیا۔

"تو تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔" اٹالانٹا نے فخریہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں ——— اب تو دل و جان سے ہوں۔"

"اب تو سے تمہاری کیا مراد ہے۔" اٹالانٹا نے پوچھا۔

"میں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ لیکن اس وقت جب میں نے دوڑ میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت تجھے نہیں دیکھا تھا اور جس مقصد کے تحت میں نے دوڑنا تھا وہ مقصد صرف میری نگاہ میں قابلِ احترام تھا لیکن تجھے دیکھنے کے بعد اب تو میری آرزو بھی بن گئی ہے۔ کوشش کروں گا کہ تجھے شکست دے سکوں ——— نوجوان نے جواب دیا۔

"بہت خوب ——— اور یہ بھی سن لے کہ اگر تو نے مجھے دوڑ میں شکست دے دی تو میں تجھے خوش دلی کے ساتھ قبول کر لوں گی۔ اس وقت میرے دل میں یہ بات نہ ہو گی کہ میں شکست کھا گئی۔ ہاں البتہ میں نے جو شرط لگائی ہے اس میں میں کوئی تعرض نہ کروں گی۔ اور اس بھرپور انداز میں دوڑوں گی جو میرا خاصہ ہے۔ اور جس کے تحت نوجوانوں کو شکست ہوتی رہی ہے۔ اور اگر تو مجھ سے شکست کھا جائے گا تو مجھے تیری موت پر تھوڑا سا افسوس ہو گا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ تو اب بھی سوچ ——— "

"نہیں اٹالانٹا ——— میری زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ میں تجھے مقابلے میں شکست دوں۔ اور میرا خیال ہے میں اس میں کامیاب بھی ہو جاؤں گا۔"

"جسے میں تسلیم نہیں کرتی،" اٹالانٹا نے جواب دیا۔ اور پھر وہ مقابلے کیلئے تیار ہو گئی۔

نوجوان ہیولنس نے اپنے لباس میں کچھ چیزیں ٹٹولی اور پھر انتظار کرنے لگا۔ ——— مقابلے کی اجازت ملی

اور اٹالانٹا اتنی تیزی سے دوڑی کہ نوجوان اس سے کافی پیچھے رہ گیا۔ لیکن اسی وقت نوجوان نے اپنی جیب میں سے ایک سیب نکالا اور اسے پوری قوت سے آگے لڑھکا دیا، یہ سنہرے رنگ کا ایک عجیب و غریب سیب تھا۔ بلاشبہ اس نے جس قوت سے اسے پھینکا تھا وہ اٹالانٹا کی دوڑ سے تیز تھا، اور سیب اٹالانٹا کے سامنے آ گیا۔ اٹالانٹا کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ چونک گئی۔ لیکن دفعتاً اسے خیال آیا کہ ہیولنس پیچھے آ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ نصف فاصلہ طے کیا گیا تھا کہ نوجوان نے پھر ایک سیب آگے لڑھکا دیا۔ یہ سیب بھی اٹالانٹا کے قدموں کے قریب سے گزر گیا۔ اٹالانٹا اس سیب کو اٹھانے کے لئے جھک گئی تیسری بار جب مقابلے کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا تھا نوجوان نے پھر ایک اور سیب پھینک دیا۔ یہ تینوں سیب دیکر انرو ڈائٹ دیوی نے اسے مقابلے کیلئے بھیجا تھا۔ اس کی ہدایت تھی کہ دوڑ کے دوران وہ انہیں باری باری لڑھکا دے اور پھر تماشہ دیکھے

اٹالانٹا نے تیسرا سیب بھی اٹھا لیا اور تعجب سے پیچھے دیکھنے لگی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سیب کہاں سے آ رہے ہیں۔ لیکن جیسی خوبصورت اور حسین چیز تھی اس نے اٹالانٹا کی فطرت کو اجاگر کر دیا تھا۔ اس نے باری باری ہر سیب کو غور سے دیکھا۔ لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا اور اس نے اپنے پیچھے دیکھا لیکن ہیولنس کا کہیں پتہ نہیں تھا اس نے بدحواسی سے سامنے دیکھا ہیولنس اس جگہ پہنچ رہا تھا۔ جہاں سے شاہِ یونان اس کے نزدیک تھا

لیکن شاہ یوُنان جانتا تھا کہ جس شخص کو دیوی ازروڈائٹ نے بھیجا ہے وہ یقینی طور پر فتح سے ہمکنار ہوگا۔ اُس کا زاویہ کیا ہے اور اُس نے کس انداز میں یہ مقابلہ جیتا ہے اِس کے بارے میں نہ تو شاہ یوُنان کو پتہ تھا اور نہ دوسرے لوگوں کو، ہاں جب اٹالانٹا وہاں تک پہنچی تو اِس نے وہ تینوں سیب اپنے لباس میں چھپائے ہوئے تھے، مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر بھی گویا اسے اپنی شکست کا کوئی دُکھ نہ تھا۔

گویا آج تمہاری شرط پوری ہوگئی، اور تم شکست سے ہمکنار ہوئیں، شاہِ یوُنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ——— مجھے اعتراف ہے ——— اٹالانٹا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اصول کے مطابق تمہیں ہپونیس سے شادی کرنا ہوگی اور مجھے اجازت دو کہ میں اِس کا اعلان کر دوں ——— اُس نے کہا۔

نوجوان ہپونیس کی آنکھوں میں خوشی کے جذبات تھے۔ وہ دل وجان سے اِس لڑکی پر فریفتہ ہو گیا تھا ——— حالانکہ دیوی ازروڈائٹ نے اسے ایک مشن پر بھیجا تھا، نجانے اِس کا مقصد کیا تھا۔ لیکن نوجوان سارے مقاصد بھول چکا تھا، وہ اِس لڑکی سے شادی کرکے خوبصورت زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ازروڈائٹ کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اور شاہی محل میں ٹھہر گیا تاکہ اِن دونوں کی شادی ہو سکے۔

اور چونکہ شاہِ یوُنان کو بھی نہیں معلوم تھا کہ دیوی ازروڈائٹ نے اِس نوجوان، یعنی ہپونیس کو کون سے مقاصد کے کر بھیجا ہے اِس لئے وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

دیوی ازروڈائٹ کی طرف سے بالکل خاموشی اختیار کر لی گئی تھی۔ اور اِس کی طرف سے اِن تیاریوں میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی ——— جس پیمانے پر اِس شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اُس کا اندازہ یہی تھا کہ جیسے شاہ یوُنان اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہو۔

نوجوان ہپونیس بھی بے حد خوش تھا۔ نوجوان اِس کی تقدیر پر رشک کر رہے تھے۔ اور اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ اِس انوکھی حسینہ کی قسمت کا مالک بن گیا۔

اور مجھے موقع مل گیا اور میں اٹالانٹا کی خلوت میں ایک عملی حیثیت سے پہنچ سکوں۔ چنانچہ میں اِس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا میں تجھے یاد ہوں۔" میں نے اس سے پوچھا۔

"واہ میرے رہبرِ اعظم ——— میں تجھے کس طرح بھول سکتی ہوں۔ تو جس نے مجھے اِس زمین اور اِس پر بسنے والوں سے روشناس کرایا۔

"میں تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"بسر و چشم"

"کیا تو ہپونیس سے شادی کرکے خوش رہے گی۔؟"

"ہاں۔"

کیا تیرے ذہن سے جنگل کی محبت نکل گئی ہے۔؟"

"نہیں درختوں کی آغوش میں کبھی نہ بھولوں گی کیونکہ مجھے اُن سے مادرِ مہربان کی آغوش کی بو آتی ہے اور اب انسانوں کے درمیان رہ کر مجھے اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"کیا؟"

میں نے پوچھا۔

"یہی کہ میں نے کسی ریچھنی کے پیٹ سے جنم نہیں لیا۔ انسان انسان ہوتے ہیں اور جانور، جانور مکمل حد تک جانور ——— لیکن میں حیران ہوں کہ میں اُن جانوروں میں کیسے پہنچ گئی۔

"میں تیرے اِن سوالات کے جواب دیدوں گا۔ مگر مجھے تم سے کچھ سوال پوچھنے ہیں۔ جواب دو گی

"ضرور پوچھو۔ میں جواب دوں گی۔؟"

"کیا تیرے دِل میں خواہشات ابھر آئی ہیں ——— کیا تو یونانی عورتوں کی مانند زندگی گذارنے کے لئے تیار ہو گئی ہے

"ہاں"

"اِس کا محرک کیا ہے؟"

میری فطرت ——— میں عورت ہوں ——— انسان ہوں، جنگلوں میں تنہا زندگی گذارنا مجھے پسند نہیں ہے، ہر انسان کا ایک محور ہوتا ہے ——— اور تنہا زندگی کے راستے پر دوڑتے ہوئے ہر شخص کو کسی نہ کسی منزل کی تلاش ہوتی ہے۔

"ہپونیس تیری منزل ہے۔"

ہاں ——— اب منزل بن چکا ہے۔

"کیا مطلب ———؟"

گھوڑ دوڑ کے ساتھ دوڑنے کے لئے اکثر میرا دِل چاہتا۔ اِن میں سے کوئی آگے نکل جائے جو مجھے پسند بھی ہو ———

لیکن ——— میں نے کبھی بد دیانتی نہیں کی اور اس کا محرک بھی ایک وجہ تھی۔
"وہ کیا ؟"
"جب میں نے یہ شرط عائد کی تھی اس وقت میرے ذہن میں منزل کی طلب نہیں ابھری تھی۔ اور وہ سب کچھ میرے لئے ایک کھیل تھا۔ لیکن پھر مجھے بہت جلد احساس ہو گیا کہ میرا کھیل وحشیانہ ہے اور اپنے ہم جنسوں کی جان لینا کوئی اچھی بات نہیں۔"
"لیکن اس کے باوجود تو اس کھیل میں حصہ لیتی رہی۔"
"ہاں"
"لیکن کیوں۔؟"
"اس لئے کہ مجھے منزل کی تلاش تھی۔"
"تو یہ کھیل ختم نہیں کر سکتی۔"
"وہ کس طرح۔"
"اپنی پسند کے کسی نوجوان سے مقابلے میں ہار کر۔"
"وہ بد دیانتی ہوگی"
"کیوں ——— ؟"
میرا ضمیر اس پہلے نوجوان کے لئے مجھے معاف نہ کرتا۔ جو میرے وحشیانہ کھیل کا شکار ہوا تھا۔ اگر ہارنا ہی تھا تو اس کے لئے وہ پہلا نوجوان ہی مناسب تھا۔
"خوب ——— ! تو صرف اپنے ضمیر کی آواز پر دوسروں کی زندگی لیتی رہی ہے۔"
"ہاں اور اس وقت کا انتظار کرتی رہی جب یہ کھیل دیانت داری سے ختم ہو جائے۔"
"انوکھا خیال ہے ——— لیکن کیا تو جانتی ہے کہ تجھے اس نوجوان نے کس طرح ہرایا۔"
"وہ کسی طرح دوڑ میں بہت آگے نکل گیا تھا۔"
"لیکن کس طرح"
"یہ میں نہیں جانتی۔"
"تجھے وہ سنہری سیب یاد ہیں جو اس نے لڑھکائے تھے وہ کس نے ؟"
"اسی نوجوان نے جو اب تیری تقدیر کا مالک ہے"
"تو کیا وہ سیب اس نے لڑھکائے تھے۔ اٹالانٹا نے تعجب سے پوچھا۔
ہاں ——— تاکہ تو رکے، انہیں اٹھائے اور تیز رفتار نوجوان تجھ سے سبقت لے جائے [illegible] میں ڈوب گئی۔

اٹالانٹا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ اس میں اس کی غلطی تو نہیں ہے ——— یہ بات تو اس کی چالاکی اور ذہانت پر مبنی ہے ——— میں خود کیوں رکی۔ اس لئے کہ سنہری سیب کی خوبصورتی نے مجھے متاثر کیا تھا۔
"بس بات ختم ہو گئی ———" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
"کیا مطلب ؟" اٹالانٹا نے پوچھا۔
"تو اب ایک مکمل عورت ہے جس نے اپنا محبوب کا انتخاب کر لیا ہے۔
ہاں۔ شاید ——— اور میں اس پر شرمندہ نہیں ہوں لیکن کیا تو اب بھی میری مدد کر سکتا ہے ——؟"
"مجھے یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں اور اس جنگل میں کیسے پہنچ گئی۔ کیا میری کوئی ماں نہ تھی۔ کیا میرا کوئی باپ نہ تھا۔"
"دونوں تھے۔"
"پھر میں جنگل میں ان جانوروں کے رحم و کرم پر کیوں تھی"
اس لئے کہ تیرا باپ تجھے نہیں چاہتا تھا۔ اسے بیٹے کی آرزو تھی اور اس نے تجھے بیٹی ہونے کی سزا دی۔"
"آہ ——! تو میری ماں بھی تھی۔"
"ہاں ! جس نے مجھے جنم دیا۔"
"کیا وہ بھی میرے بیٹی ہونے پر ناراض تھی۔"
"نہیں وہ تیرے لئے تڑپتی رہ گئی اور تیرے باپ نے تجھے جنگل میں پھینکوا دیا۔
میں نے اسے بتایا۔
"افسوس ! انسان جانوروں سے کمتر ہیں۔ جانور اس سلسلہ میں فطرت سے نہیں لڑتے۔" اٹالانٹا نے غمناک آواز میں کہا۔
"ہاں اٹالانٹا جانور انسانوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کے لئے غمناک سی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ پھر اٹالانٹا نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔
"بہر صورت میں اب نہیں جانتی کہ میرا باپ کہاں ہے میری ماں کہاں ہے، وہ کس حالت میں ہیں اور اب تو میں انہیں بھول چکی ہوں، اب میں ان کے لئے اجنبی ہوں اور وہ میرے لئے ———"
"بے شک ——— میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا ———

"تو اب ایک نئی زندگی شروع کر رہی ہے، میں تجھے دعا دیتا ہوں کہ تو اِس نئی زندگی میں بہتر طور سے ضم ہو سکے۔"

"تمہارا شکریہ میرے محسن، تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"ہاں ——— اور اب آخری سوال تجھ سے کرنا چاہتا ہوں ———"

"ضرور ——— کہو کیا بات ہے۔"

"کیا تو بتا سکتی ہے کہ میں خود کون ہوں۔"

"تم ——— اُس نے تحیر خیز لہجے میں کہا اور پھر مجھے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں میں نے تو یہ اب تک سوچا ہی نہیں کہ تم کون ہو ———"

"یہ بھی تو ہی بتا اٹالاناٹ! کیونکہ میں جو کچھ ہوں وہ تو جانتی ہے لیکن جس انداز میں ہوں ——— وہ صرف تو ہی بتا سکتی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اور وہ خوش رو حسینہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اُس کے مُنہ سے ایک تجربہ کارانہ سی آواز نکلی۔

"تم مستقبل کی آنکھ ہو، تم وہ ہو جو دیکھتا ہے، رہبری کرتا ہے اور خاموشی سے فضاؤں میں تحلیل ہو جاتا ہے ——— تم صرف وہ آواز ہو جیسے میری رہنمائی کرنی تھی اور جسے میری زندگی کی یہ کہانی تحریر کرنی تھی، تم اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"گویا اِس دور میں میری کوئی عملی شکل نہیں ہے ———"

"نہیں ——— مجھے بتاؤ کیا تمہیں کوئی دوسرا دیکھنے والا ملا، کیا میرے سوا کسی دوسرے نے تمہیں مخاطب کیا۔"

اُس نے سوال کیا اور میں غور کرنے لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ درست ہے، چنانچہ میں نے گردن ہلائی اور خاموشی سے وہاں سے چل دیا۔

اٹالاناٹ سے جو کچھ پوچھنا تھا میں نے پُوچھ لیا تھا اور پھر میں اِس سے پوچھتا بھی کیا ——— ہاں لیکن اِس دور میں میرا یقین ہو گیا تھا ——— میں صرف مستقبل کی آنکھ تھا۔ اور اِس آنکھ سے جو جاگتا ہے وہ ادھمل نہیں ہوتا ——— ہاں آنکھ دیکھنے کے قابل ضرور ہوتی ہے سو میں نے نگاہ دوڑائی ہیونیس کی طرف ———

میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اِس نوجوان کے کیا تاثرات ہیں سو میں نے معلوم کیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ ہیونس جس راستے کی طرف جا رہا ہے وہ انرڈ اٹ دیوی کی قیام گاہ کی طرف جاتا

ہے اور ہیونس افسردہ ہے ——— مجھے تعجب ہوا کہ یہ تو
اِس نوجوان کے لئے خوشیوں کا دور ہے۔ وہ پریشان اور
افسردہ کیوں ہے ——— بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی چنانچہ
میں اُس کے پیچھے چلتا رہا
ایک عظیم الشان پہاڑی پر ایک معبد نظر آ رہا تھا جس میں اوپر
جانے کے لئے بے شمار سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور ان پر چڑھنا
کوئی آسان کام نہ تھا صرف ازروڈائٹ کے عقیدت مند ہی
وہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ ورنہ عام انسان کے لئے واقعی بہت
مشکل کام تھا ——— مجھے حیرت اس دیوی پر ہو رہی تھی
جو ان سیڑھیوں پر روزانہ اترتی چڑھتی تھی۔
یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ایسی قوتوں کی مالک ہے جن کے تحت
اسے اپنی منزل تک پہنچنا مشکل معلوم نہ ہوتا ہو کیونکہ بہرصورت
——— اہلِ یونان کی نگاہوں میں اس کے لئے جو عقیدت و احترام
پایا جاتا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ دیوی ازروڈائٹ ان کے
لئے کس قدر نمایاں حیثیت کی مالک ہے اور ایسی قوتوں کی مالک
جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں
سو ہیونس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا پھر دوسری پہ
تیسری پر اور پھر وہ بلندیاں طے کرتا رہا۔
معبد کی بلندیاں بے پناہ طویل ہو گئیں تھیں اور میں اس
کے ساتھ تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ چڑھائی میرے لئے قطعی
تکلیف کا باعث نہیں ہے۔ بس میں تو مستقبل کی آنکھ تھا۔
اور یہ حیرت کی بات تھی کہ اٹالانٹا نے اپنے دور میں مجھے کوئی
انسانی حیثیت نہیں بخشی تھی۔ مجھے اس کا رنج بھی نہیں تھا۔
حالانکہ جو طویل عرصہ میں نے اٹالانٹا کی پرورش کے دوران
گذارا تھا۔ وہ اتنا زیادہ تھا کہ اگر اس عرصے میں مجھے کچھ ساتھی
کچھ دوست مل جاتے تو شاید میری زندگی کچھ زیادہ بہتر ہوتی
——— لیکن یہ زندگی ہی کتنی تھی۔
صرف ایک رات ——— ایک رات کے چند لمحات مجھے
صرف چند لمحات ملتے تھے حیرت کی بات تھی اور ان لمحات میں
ادوار بیت جاتے تھے۔ گویا اس طلسم کرنے والے کا یہ انوکھا طلسم
تھا اور بڑا ہی حیرت ناک طلسم ———
بہرصورت میں نے ازروڈائٹ کی رہائش گاہ کا دروازہ
دیکھا جہاں مؤدب لوگ سر جھکائے کھڑے تھے ——— وہاں
سے اندر جانے کی اجازت کسی عام انسان کو نہ تھی لیکن نہ تو ہیونس
کو روکا گیا ——— اور نہ ہی مجھے ——— اور مجھے تو دیکھنے والی
آنکھ ہی نہ تھی۔
ازروڈائٹ کو میں نے دیکھا اور اہلِ یونان کے بعد تاریخ
کے اس انوکھے کردار کا چشم دید صرف میں ہوں ———!
اگر آج اس دور میں یونان کے ان قدیم دیوی دیوتاؤں
کا ذکر کروں جنہیں عام طور سے یونانی دیومالا کا کردار سمجھا جاتا
ہے تو وہ لوگ جو ان معاملات میں صرف گواہ قرار دیئے
گئے ہیں ان کے بارے میں اگر میں تذکرہ کرتا ہوں تو لوگ یا تو
اسے دروغ گوئی سمجھیں گے یا پھر میری بد اعتقادی کے ——— میں
اپنے محور اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسرے دیوی دیوتاؤں سے
کی بات کر رہا ہوں ——— لیکن میں ہی جانتا تھا کہ اس میں کیا حقیقت
ہے اور قدیم یونان کے دیوی دیوتا اس دنیا کے سامنے جو حیثیت
رکھتے ہیں اس وقت وہ کیا حیثیت رکھتے تھے یہ ایک الگ
ہی بحث ہو گی۔ چنانچہ میں اس میں نہیں پڑنا چاہتا۔ چنانچہ جب
میں نے ازروڈائٹ کو دیکھا تو اس وقت وہ قہر و جلال کی
دیوی تھی، اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔
ہیونس اس کے سامنے مؤدب کھڑا تھا ——— تب دیوی
ازروڈائٹ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس وقت اس
کی آنکھوں میں غصے کا کوئی عنصر نہ تھا۔
"تو تم اس سے جیت گئے۔" اس نے پوچھا۔
"ہاں ——— دیوی ازروڈائٹ میں اس سے جیت گیا"
ہیونس نے جواب دیا۔
"لیکن ہیونس تمہیں علم ہے کہ میں نے تمہیں کچھ دیا تھا۔"
"ہاں وہ تین سنہرے سیب جو میری فتح کا باعث بنے"
"کیا اس کے بعد تم پر واجب نہ تھا کہ مجھے میری چیز واپس کر دے"
ازروڈائٹ نے کہا۔
"مگر مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔"
ہیونس نے کہا۔
"تم سے تو یہ بھی نہیں کہا گیا تھا کہ تم شرط جیتنے کے بعد اس
سے شادی رچانے بیٹھ جانا ——— کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا مقام کیا
ہے۔ کیا تمہیں ساری باتیں یاد نہیں رہی تھیں۔"
"میں انہیں بھول گیا تھا ازروڈائٹ ——— !"
"بہت خوب ——— لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے تمہیں
صرف اس لڑکی کے غرور کو شکست دینے کے لئے بھیجا تھا ———
اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم وہاں جا کر دنیا کی لذتوں سے ہمکنار
ہونے کی کوشش کرو ——— تاہم ——— دیوی ازروڈائٹ نے

لاپرواہ انداز میں کہا۔" اگر تم نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں اسے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کروں گی۔

ہاں یہ ضرور پوچھوں گی کہ کیا تم بھی ذہنی طور پر اُس سے متاثر ہو گئے تھے۔ یا پھر کوئی اتفاقیہ بات تھی

ہیونس نے چند ساعت خاموشی اختیار کی پھر آہستہ سے بولا۔"حقیقت یہی ہے انروڈائٹ میں خود بھی اُس کے حسن کے جال میں گرفتار ہو گیا ہوں ——

" یہ تو ٹھیک ہے بلاشبہ وہ بے حد حسین ہے میں نے اسے خود بھی دیکھا ہے اور میں جانتی ہوں کہ وہ مستقبل کی تاریخ میں اپنا نام زندہ کر چکی ہے مستقبل کا مؤرخ جب اس کے بارے میں لکھے گا تو نہ صرف اس کے حسن کی تعریف کرے گا بلکہ اس کی وحشت کو بھی سراہے گا۔ اور ہیونس اس کا شریک ہو گا اور لوگ دونوں کو نہ بھولیں گے —— یہ انروڈائٹ کی دعا ہے تم دونوں کے لئے

اور ہیونس کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی۔

اُس نے خوشی کے لہجے میں کہا۔

گویا مجھے اجازت ہے کہ میں اس سے شادی کر کے زندگی کی خوشیوں کو سمیٹ لوں —— "

" ہاں —— ہاں کیوں نہیں، —— تمہیں مکمل طور پر اجازت ہے —— " انروڈائٹ نے کہا —— " اور جب تمہاری شادی ہو گی تو میں تمہیں خود بھی ایسا تحفہ پیش کر دوں گی جو تمہیں رہتی دنیا تک آرام دے گا —— "

میں دیوی انروڈائٹ کا ادنیٰ خدمت گار رہوں اور اُس کی اس عنایت کا شکر گزار بھی —— "

بس اب تم جا سکتے ہو۔ انروڈائٹ نے کہا اور جب ہیونس دیوی انروڈائٹ کی رہائشگاہ پر جا رہا تھا تو اس کی کیفیت مختلف تھی لیکن واپسی پر اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا اس وقت اس کے پاؤں خوشی سے کانپ رہے تھے اور چہرے پر مسرت کا لہو دوڑ رہا تھا۔ چنانچہ وہ واپس پہنچ گیا۔ شاہِ یونان کے محل کی طرف اور اس جگہ آ گیا جہاں اس کے قیام کا بندوبست تھا۔

ہیونس اور اٹالانا کی شادی اہلِ یونان کی روایتی شان و شوکت کے ساتھ ہوئی جنگل کی وحشی ہرنی یونان کی روایت کے مطابق —— اور ہیونس جو لاکھوں جوان لڑکیوں کے دلوں کی دھڑکن تھا شوہر کے روپ میں بے حد حسین نظر آ رہا تھا۔

تاریخ کا یہ باب بھی میرے لئے انوکھا۔ ان واقعات میں ایک خاص بات تھی اور وہ خاص بات یہ تھی کہ گذرے ہوئے اوقات میرے ذہن پر اسقدر مسلط ہو جاتے تھے کہ میں بھلانے کی کوشش کے باوجود انہیں نہیں بھول سکتا تھا۔

شاہِ یونان نے محل ہی کے ایک حصے میں رہائش کے لئے بندوبست کیا تھا۔

لیکن دیکھنے والی آنکھ وہاں بھی موجود تھی۔ میں نے احتجاج کیا خود سے —— وہ لڑکی جو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پا کر جوان ہوئی تھی میرے سامنے اپنی خلوت گاہ میں رنگرلیاں منائے مناسب نہ لگی تھی۔

لیکن علی رحمان بیگ خود سے واقف تھا۔ اٹالانا نے اسے مستقبل کی آنکھ کہا تھا۔ لیکن دیکھنے والی آنکھ تاریخ کے اوراق اُلٹ رہی تھی۔ اور اس کی ہر سطر نگاہوں کے سامنے تھی۔

چنانچہ میں کوشش کے باوجود آنکھ بند نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو اٹالانا کی مرضی تھی کہ اپنا ماضی دہراتے ہوئے مجھے یہاں لے آئی تھی۔ اس میں میرا کیا قصور تھا لیکن بات میری غلط سوچ کی تھی۔

کیونکہ خلوت گاہ کے مناظر میں بھی تاریخی دلچسپیاں شامل تھیں۔ اری بھری اٹالانا! جس نے ایک بار مجھ سے خواہش کی تھی کہ اُسے چھوٹے بچے سے پیار ہے اور اپنے بطن سے بھی بچے چاہتی ہے اس وقت وہ فطرت کے رموز سے ناواقف تھی لیکن آج فطرت پوری طرح اس پر مسلط تھی اور ہیونس کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ارمان جگمگانے لگے تھے خود ہیونس بھی بہت خوش تھا۔ مگر انروڈائٹ خوش نہ تھی —— جو عین اُس وقت اس خواب گاہ میں نمودار ہوئی تھی جب وہ دونوں ایک دوسرے میں ضم ہو جانے کی آرزو میں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے تبھی انہوں نے کسی تیسرے کی موجودگی کو محسوس کیا۔ وہ میں نہ تھا۔ وہ قہر و جلال کی دیوی تھی جو اب بھی مسکرا رہی تھی —— لیکن ایک زہریلی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر رقصاں تھی۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس موقع پر تمہارے درمیان مخل ہوئی لیکن کیا کروں مجھے ہیونس سے اپنا ایک وعدہ بھی پورا کرنا تھا

" انروڈائٹ —— " ہیونس کے منہ سے نکلا۔

ہاں —— اور تم جانتے ہو کہ بند دروازے میرے لئے کھلے ہوتے ہیں۔ کیا تم اس بات سے واقف ہو یا نہیں۔ ؟

" ہاں! میں واقف ہوں۔ "

" لیکن ناواقف تو تم اس بات سے بھی نہیں تھے کہ انروڈائٹ

نے تمہیں جنگل کی وحشی ریچھنی کے مقابلے کے لئے کبھی بھیجا تھا۔"
انرو ڈائٹ طنزیہ لہجے میں بولی۔
"میں نہیں سمجھا۔" ——
" تو اب سمجھو۔ مقصد صرف اس لڑکی کو شکست دینا تھی
تم یہ بھول گئے کہ تم انرو ڈائٹ کے غلام تھے۔
"نہیں، نہیں نہیں۔" ——
"پھر شاہِ یونان کے حکم کی تعمیل تم نے کیوں کی۔" ——
"اس میں تیری رضا بھی تو شامل تھی۔" ——
کیا رضا اس طرح شامل ہوتی ہے کہ جب تمہیں طلب کیا تم پہنچے چہرے پر ملامت کی نقاب تھی اور اندر سے دل میں معذرت کے لئے مناسب الفاظ تھے اور یہ عہد بھی کہ بہر حال تم اس حسینہ کی آغوش حاصل کر و گے۔

"میں جانتا ہوں دیوی انرو ڈائٹ۔ لیکن میں اسے چاہتا ہوں"
میری اجازت کے بغیر تم نے اسے کیوں چاہا —— بہر حال میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور وہ وعدہ یہ تھا کہ میں تاریخ میں ایک اہم مقام دوں گی سو آج میں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتی ہوں۔
تب اچانک منظر بدلا —— کس طرح بدلا —— یہ مجھے بھی نہیں معلوم —— میں نے ایک عمارت دیکھی۔ ایک ایسی عمارت جو میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ہاں یہ عمارت تو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن یاد نہیں آیا تھا کہ یہ کون سی عمارت تھی ——
پھر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اور دیوار کے اس پار کے مناظر میں کھو گئے —— ٹرانسپیرنٹ دیوار ٹیڑھی اور سیاہ عمارت کی دیوار میں بدل گئی جس میں کوئی دروازہ نہ تھا یہ تو وہی گول مقبرہ نما عمارت تھی جہاں میں نے ماضی کے جزیرے سے گذر کر پہلا قیام کیا تھا۔ —— اور اب تک اسی عمارت میں تھا —— یہاں سے باہر کب گیا تھا اور یہاں دیوار شفاف، ہو گئی تھی —— کسی آئینے کی مانند —— لیکن اب وہ اپنی جگہ تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ انرو ڈائٹ اپنی جگہ موجود تھی۔ اور ہیونس اور اٹالانا چپ چاپ کھڑے تھے لیکن ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ پھر وہ جھکے اور دونوں ہاتھ پاؤں زمین پر ٹکا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ان کے گرد ہوائیں چلنے لگیں۔ اور ان کے لباس اُڑ رہے تھے۔ اور انرو ڈائٹ کی نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں

پھر یوں ہوا کہ انسانی اجسام شیر اور شیرنی کے اجسام میں منتقل ہو گئے اور ہواؤں کی سرسراہٹ ختم ہو گئیں لیکن ایک سرسراہٹ اب بھی باقی تھی اور پھر انرو ڈائٹ کے لباس کی سرسراہٹ تھی جو واپس دیوار کی جانب جا رہی تھی —— دیوار نے اس کے لئے جگہ چھوڑ دی اور وہ باہر نکل گئی گویا اُسے کسی دروازے کی ضرورت نہیں تھی۔
ہواؤں کی سرسراہٹ بہت آہستہ آہستہ میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ پھر اس میں ایک آواز شامل ہو گئی۔
—— اور پھر یہ آواز میرے لئے اجنبی تو نہیں تھی۔
جدید دنیا کے زندہ انسان —— تم نے یونان کی اٹالانٹا کی کہانی سنی اور کیا پایا تم نے اس کہانی سے ——
—— نہیں ٹھہرو —— وقت مختصر ہے اور کہانیاں بے شمار۔ آؤ ہم واپس چلیں۔ آؤ —— مجھے اپنے بدن پر ایک —— وجود کے لمس کا احساس ہوا اور میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں
تب میرے کانوں میں ایک بھنبھناہٹ گونجی —— آہ ابھی مانوس بھنبھناہٹ۔ میں تو اس طلسم خانے میں موجود تھا —— اور لیسی انگسٹس میرے قریب ہی کھڑے مسکرا رہے تھے۔
ابھی تو وقت کی چند گھڑیاں بیتی ہیں اور یہ وحشی حسینہ بھی ماضی کی یادوں سے تھک گئی ہو گی۔ اور ہم اُسے تکلیف نہیں دیں گے کیوں کہ یہ تشنہ کام ہے۔ اس کو اس کا محبوب نہیں مل سکا —— آؤ —— تمہیں کسی اور کردار سے روشناس کرائیں۔ اور میں سحر زدہ سا ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا —— آہ ابھی تو وقت کی چند گھڑیاں ہی بیتی ہیں ——

طلسم خانے کی یہ رات، ایک ناقابلِ یقین رات۔ جس میں ماضی کی صدیاں چھپی ہوئی تھیں۔ یہ میں کسی سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ کیا کروں۔ کیسے اس طلسمی رات سے نجات پاؤں۔ چاروں طرف مجسّمے بکھرے ہوئے تھے۔ اگرچہ سب مجھے اپنی اپنی کہانیاں سنائیں گے تو صدیاں بیت جائیں گی۔ میرا کیا ہوگا۔ کیا میں اس طلسم کدے میں بوڑھا ہو جاؤں گا۔

لیکن میرے اوپر تو واقعی صدیاں بیت گئی تھیں۔ میں جن ادوار میں گیا تھا وہاں میں نے طویل عرصہ گزارا تھا، بچے پیدا ہوئے تھے۔ جوان ہو گئے تھے۔ لیکن۔ لیکن میرے اوپر تو کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ میں تو جوں کا توں تھا۔ اور۔ رات کی صرف چند گھڑیاں بیتی تھیں، صرف چند گھڑیاں۔

اٹلانٹا لی پراسرار کہانی سے جان چھوٹی سی اور میر سے بدھو گھر آ گئے تھے۔ لیکن ابھی تو بہت کچھ باقی تھا۔ ابھی تو۔

"اوہ۔ ڈیگا مسکرا رہا تھا۔ دفعتاً اوڈیبی کی آواز ابھری۔ اور وہ رک گیا۔ ایک تو ی ہیکل وحشی صفت انسان کا مجسمہ تھا جس کے دانت نظر آ رہے تھے۔ ہونٹ کھنچے ہوئے تھے اور پتھر کی آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔

"کیوں ڈیگا۔ تم کیوں مسکرا رہے ہو؟" اوڈیبی نے پوچھا۔ اور ڈیگا کی بے تکی ہنسی گونج اٹھی۔

"یہ کون ہے۔؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

"ایک رات کا مہمان۔" اوڈیبی نے جواب دیا۔

"لیکن یہ تو پتھر کا نہیں ہے۔"

"ہاں۔ یہ جدید دنیا کا انسان ہے۔"

"پھر ہم میں کیوں ہے۔؟"

"مہمان صرف مہمان ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ سوال مناسب نہیں ہے۔" اوڈلیبی نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اگر تم سب نے اسے مہمان تسلیم کر لیا ہے پھر ٹھیک ہے۔ یہ میرا بھی مہمان ہے۔" ڈریگا نے جواب دیا۔

"تو پھر کیوں نہ ڈریگا۔ اسے تمہارے ہی حوالے کر دیا جائے"

"کیا مطلب۔؟"

"ہم سب اسے تاریخ کی وادیوں کی سیر کرا رہے ہیں۔ پہلے میں اسے اپنے دور میں لے گیا۔ پھر یہ اگسٹس کا مہمان بنا پھر دیوی اٹلانٹا نے اسے اپنے دور کی سیر کرائی اور اب یہ تمہارے حوالے ہے۔"

"اوہ تو کیا میں۔"؟

"ہاں سمندروں کے شہنشاہ۔ تم اسے اپنے سنہری دور سے روشناس کراؤ۔"

"لیکن ڈاگٹ کا اور اٹھارویں صدی کا سب سے بھیانک دور ہے۔ کیا یہ کمزور دل انسان اس دور کو برداشت کر سکے گا۔"

"کیا ڈاگرے کے ذہن میں صدیوں کا تجربہ نہیں ہے ہوا یوں تھا کہ میں نے اسے اپنے دور کا ایک کردار بخش دیا اور یہ خود اس ماحول میں ضم ہو گیا۔ اگر اس میں کوئی کوشش تم بھی کرو تو اس کا امکان نہیں رہے گا۔"

"اوہ۔ ہاں یہ عمدہ ترکیب ہے۔ کیوں دوست۔ کیا تم بھی سمندروں کے شہنشاہ ڈاگرے یا ڈریگا کے دور میں چلو گے۔"؟

"کیوں نہیں۔" میں نے بھنچی بھنچی آواز میں کہا۔ نہ جانے یہ سمندروں کا شہنشاہ کیا چیز ہے۔ بڑا خوفناک آدمی تھا۔ نہ جانے اس کی کہانی کیا ہو۔؟

"تب ٹھیک ہے۔ تو میں تمہیں کپتان سائنو کا کردار دیتا ہوں۔"

"اوہ۔ سائنو تمہارا حریف۔"؟ اوڈلیبی مسکرایا۔

"ہاں۔ لیکن بعد میں میرا سب سے بڑا حلیف۔"

"یہ تو ہے۔"

"اس کے علاوہ اسے کسی اور کردار میں لطف نہیں آئیگا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو دوست۔ اب تم تاریخ کے ایک شاندار دور کا نظارہ کرو۔" اوڈلیبی نے کہا۔ اور ڈاگرے مجھے دیکھ کر بھیانک انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر اس نے میرے ساتھیوں کی جانب دیکھا۔

"میں اسے لے جا رہا ہوں۔" اور انھوں نے گردن ہلادی۔ تب بھیانک ڈاگرے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر وہ مجسموں کے درمیان سے گزرتا ہوا میوزیم کی ایک دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دیوار میں کوئی کل تلاش کی اور پھر اس میں ایک پوشیدہ دروازہ کھول دیا۔

"چلو۔ اندر چلو۔" اس نے کہا اور میں نے جھانک کر دروازے کے دوسری طرف دیکھا۔

"لیکن ادھر تو اندھیرا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ تم بڑھتے رہو۔" اس نے جواب دیا اور میں کسی قدر جھجکتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دوسری طرف گھور تاریکی تھی۔ اتنی خوفناک تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا۔

"ڈریگا مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

"آگے بڑھتے رہو دوست۔ تم ڈریگا کے دور میں پہنچ جاؤ گے۔ خبردار تاریکی سے گھبرا کر واپس نہ پلٹنا ورنہ سمندر میں گر جاؤ گے۔"

"کیا۔؟" میں نے گھبرا کر کہا۔ لیکن مجھے یوں لگا تھا جیسے اب وہاں میرے علاوہ اور کوئی موجود نہ ہو۔ ایک مرتبہ پھر بدحواسی کا دورہ پڑا تھا۔ یہ تاریک خلاء۔ نہ جانے آگے کیا ہو۔ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا کیونکہ ڈریگا نے وارننگ دی تھی۔ اور اس طلسم خانے میں جو بھی نہ ہو وہ کم تھا۔

چنانچہ بحالت مجبوری میں آگے بڑھنے لگا۔ تاریک راستوں کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ میرا آئندہ قدم کہاں پڑے لیکن پیچھے سمندر تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد حواس بحال ہوئے اور میں نے سوچا کہ اب تو یہ مصیبت بھگتنی ہی ہے۔ اب ڈرنے اور خوفزدہ ہونے سے کیا ملے گا۔ دیکھیں تاریکی کے دوسری طرف کیا ہے۔ اور میں چلتا رہا۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ خلا میں لہرائے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا یہ کوئی سرنگ ہے۔ نیچے کی زمین ناہموار تھی۔

اور میرا اندازہ درست نکلا۔ یہ سرنگ ہی تھی۔ لیکن میوزیم سے یہ سرنگ۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے سوچا۔ اور پھر خود ہی اپنی حماقت پر مسکرا پڑا۔ یہ سرنگ میوزیم کے اندر نہیں تھی بلکہ میں تو ماضی کی سرنگ میں چل رہا تھا۔ یہ تاریک راستے پوشیدہ ماضی کے تھے۔ اور میں تو ماضی کا مسافر تھا۔

اور پھر سرنگ کا اختتام ہو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ کسی چیز سے ٹکرائے تھے۔ اور یہ چیز ایک فولادی ڈھکن تھا۔ جس پر

کڑے لگے ہوئے تھے۔ میں رک کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔
پھر میں نے ان کڑوں پر زور آزمائی کی۔ اور وہ فولادی ڈھکن کھلنے
لگا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر اسے کھولا اور دوسری طرف سے
ٹھنڈی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

انتظار یا تکلف حماقت تھی۔ میں تو ماضی کا مہمان تھا۔
چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا۔ بڑی فرحت بخش جگہ تھی۔ وسیع ہال
نما کمرہ تھا جو ضرورت کی تمام چیزوں سے آراستہ تھا بھاری پردے
لٹکے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک اعلیٰ درجے کی قدیم طرز کی مسہری
بچھی ہوئی تھی جسے میں نے فلموں میں ہی دیکھا تھا۔

اس ہال کا دروازہ بھی مجھے نظر آ گیا۔ اور میں نے ایک
گہری سانس لی۔ میں پلٹا اور پھر ایک دم اچھل پڑا۔ وہ گول سے
دروازہ جس سے میں اندر داخل ہوا تھا غائب ہو گیا تھا۔ اور
اب دیوار صاف نظر آ رہی تھی۔ وہاں کوئی نشان باقی نہیں رہ
گیا تھا، حالانکہ سخت حیرت کی بات تھی۔ لیکن پھر وہی سوال
ذہن میں آتا تھا۔

کہ حیرت کس کس بات پر کی جائے۔ یہاں تو ہر لمحہ حیرتوں
سے بھرا پڑا تھا، یہ تو سارا طلسم کدہ ہی انوکھا تھا۔ چنانچہ میں
گہری سانس لے کر واپس پلٹا اور یہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا
کرنا چاہیئے۔؟

یہ جگہ جو یقینی طور پر خواب گاہ کی حیثیت سے استعمال کی
جاتی تھی، بے حد خوبصورت تھی۔ اور یہاں آ کر ذہن کو ایک عجیب
سی فرحت کا احساس ہوتا تھا۔

لیکن چونکہ میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اس لئے میں اس
فرحت سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو رہا تھا اور یہ سوچ
رہا تھا کہ اس نئے کارخانے میں میری کیا حیثیت ہو گی۔

اس حیثیت کا تعین کس طرح ہو گا، تعین کب ہو گا اور
تعین کرنے والا کون ہو گا اور یہ کہ میرا دوسرا قدم کیا ہونا چاہیئے۔

یہ تمام باتیں میرے ذہن میں الجھ رہی تھیں کہ ایک اور
جھٹکا میرے ذہن کو پہنچا اور میں چند ساعتوں کے لئے بالکل
ساکت رہ گیا۔

ایک دیوار میں ایک بہت بڑا شیشہ لگا ہوا تھا، اور
اسے سنگھار میز ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے ساتھ ایک خوبصورت
اسٹینڈ بھی تھا جس پر انواع و اقسام کی مختلف شیشیاں چنی
ہوئی تھیں، گو شیشیاں چمڑے کی اور پرانی طرز کی تھیں لیکن
ان میں رنگ برنگے سیال نظر آ رہے تھے۔ اور مجھے یہ اندازہ
لگانے میں دقت نہ ہوئی تھی کہ یہ سامان آرائش ہے۔ تو کیا یہ
کسی دوشیزہ کی خواب گاہ ہے۔

میں نے سوچا اور یہی سوچ کر میں اس شیشے کے سامنے
آیا تھا، لیکن جو جھٹکا میرے ذہن کو پہنچا، وہ خاصا شدید تھا۔

میں نے دیکھا کہ میرے جسم پر وہ لباس نہیں ہے جسے
پہن کر میں اس پُراسرار بھوت خانے میں داخل ہوا تھا جسے
لوگ میوزیم کہتے ہیں۔

میرے جسم پر موجود لباس قدیم طرز کا تھا۔ ڈھیلا ڈھالا سا
لیکن بے پناہ خوبصورت لباس، جو شاید اس زمانے کے لوگ
آرام کے وقت استعمال کرتے تھے۔ لیکن بہر صورت اچنبھے تو
یہاں جگہ جگہ موجود تھے، جو بھی سوچ لیا جاتا وہ حیرت انگیز
تھا، چنانچہ اس پر مجھے کوئی خاص حیرت یا تعجب نہیں ہوا
اور میں شیشے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔ یہاں تک کہ میری
صورت ہی بدل گئی تھی۔

ہاں یہ صورت دیکھ کر میں خود پر فخر کر سکتا تھا، اور یہ
بھی سوچ سکتا تھا کہ کاش میری یہی صورت ہوتی۔

کیونکہ اس وقت میں انتہائی خوبصورت نوجوان کے
روپ میں تھا۔ میرا بدن انتہائی سڈول، میری پلکیں کافی
گھنی اور میرے ہونٹ نہایت سرخ تھے۔ اپنی صورت دیکھ
کر مجھے خود پر انتہائی پیار آنے لگا۔ میں نے سوچا کہ یہ طلسم کدہ کچھ
بھی ہے، بہر صورت نئی نئی انوکھی لذتوں کی سیر کرا رہا ہے۔ اس
لحاظ سے میرا فرض ہے کہ کم از کم میں اسے برا تو نہ سمجھوں۔

ہاں علی رحمان بیگ کی جگہ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو شاید وہ
اس زندگی کو بے حد پسند کرتا۔ وہ سوچتا کہ اسے نئے نئے
ہنگاموں سے واسطہ پڑ رہا ہے اور یہ ہنگامے اس کی زندگی میں
کسی طرح نہیں آ سکتے تھے۔

اور یوں بھی میرے اوپر کوئی ایسا فرض عاید تو نہیں تھا
کہ میں اپنی دنیا میں واپس جانے کی خواہش کرتا اور اس فرض
کو پورا کرنے کی کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتا اور اس
فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرتا، یا یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔

ایک آوارہ منش، ایک ایسا شخص، جس کے سامنے کوئی
مقصد نہ ہو، سوائے اس کے کہ وہ جرائم کرے اور اپنی زندگی کو
مصروف رکھے، اس کے لئے کوئی بھی ماحول، کوئی بھی جگہ پریشانی کا
باعث نہیں بن سکتی تھی، کون تھا جو مہذب دنیا میں اس کا انتظار
کر رہا ہو گا اور اس کی غیر موجودگی سے پریشان ہو گا۔ چنانچہ میں
نے اپنے ذہن کو سہارا دیا اور سوچا کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں،

بلاشبہ ایک دلکش اور دلچسپ حیثیت کا حامل ہے، پھر کیوں نہ اس سے لطف اندوز ہوا جائے۔

اب تک جو معاملات رہے ہیں، ان میں میں الجھا الجھا سا رہا تھا، اور میری کیفیت کچھ اس طرح سی رہی تھی کہ میں ان حالات سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکا تھا، حالانکہ ان میں دلکشی بھی تھی اور جاذبیت بھی تھی۔

ایسے ایسے کردار میرے سامنے آئے تھے جن سے مل کر مجھے خوشی بھی ہوئی تھی لیکن وہی الجھن، وہی پریشانی میرے ذہن پر مسلط رہی تھی اور میں الجھا الجھا سا رہا تھا لیکن اب اس شکل کو دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نئے نئے احساسات جاگ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا علی رحمان بیگ تقدیر نے تمہیں نت نئے واقعات سے روشناس کرایا ہے، تمہیں ماضی میں لوٹ جانے کی صلاحیت بخشی ہے، تم اسے تقدیر کی خرابی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ جن واقعات جن ادوار سے تم گزر رہے ہو، اگر کوئی تاریخ میں دلچسپی رکھنے والا شخص اس ماحول میں داخل ہو جاتا تو شاید وہ اپنی زندگی کا آخری لمحہ بھی وہیں گزارنا پسند کرتا۔

پھر تم کیوں الجھ رہے ہو علی رحمان، حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرو۔ اور اگر کوشش کی جائے تو ناممکن ممکن ہو جاتا ہے، اس دلکش ماحول میں پوری دلچسپی لو اور اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرو۔

میں نے اپنے اندر کی آواز سنی اور سوچا کہ یہ سب ٹھیک ہی تو ہے۔ مہذب دنیا میں پولیس کو پیچھے پیچھے لگائے رکھنے میں کیا ملے گا۔ اگر ایک رات جو میری زندگی میں صدہا راتیں لے کر آئی ہے، میرے لئے دلچسپیوں کا ذریعہ بن سکتی ہے تو اسے پوری دلچسپی سے ہی کیوں نہ گزارا جائے۔

ان احساسات نے نجانے کیوں دل کو تقویت بخشی، کیونکہ مجھے ایک گونہ فرحت سی محسوس ہوئی تھی اور میں ان الجھنوں سے نجات پا گیا جو میرے ذہن کو گھیرے ہوئی تھیں، میں نے سوچ لیا کہ اب جو بھی واقعات پیش آئیں گے ان کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہوں گا اور خود کو ان میں ضم کرنے کی کوشش کروں گا۔

یہ لباس جو مجھے دیا گیا ہے نجانے کیا ہے اور جو کچھ بھی ہے، بہرصورت اس بات کا ایک حامل ضرور ہے کہ کسی نہ کسی دن کسی نہ کسی لمحے میں واپس اسی میوزیم میں پہنچ جاؤں گا اور کسی نئے کردار سے میرا تعارف ہو جائے گا، گویا مجھے کوئی ایسی الجھن نہیں تھی جو مجھے ان واقعات میں پیش آئی۔

بہرصورت میں زندہ رہنا چاہتا تھا کیونکہ میں ماضی کا ایک کردار تھا اس کردار کا جو بھی حشر ہوا ہو، علی رحمان بیگ اس حشر سے محفوظ ہی رہے گا، چنانچہ میں مسہری کی طرف بڑھ گیا اور پھر آرام سے بیٹھ گیا۔

میرے بائیں جانب ایک چھوٹے سے خوبصورت سے اسٹینڈ پر تازہ پھل رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا۔ کہ واہ یہ ساری مناسب چیزیں ہیں، جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جو کچھ بھی مل رہا ہے یہ تو بڑی دلکش بات ہے، چنانچہ میں چھیل چھیل کر کھانے لگا اور

ابھی میں نے چند ہی پھل جو نہایت خوش ذائقہ تھے، کھائے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

میں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا۔ پردہ ہٹا اور جو شکل نظر آئی، اسے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

آنے والی سوزانا تھی، ایک حسین لڑکی، مقامی لباس میں ملبوس، لیکن اس کا نام، اس کی صورت میرے ذہن میں کس طرح آ گئی تھی، میں نے سوچا اور پھر دل ہی دل میں اس کا جواب بھی حاصل کر لیا۔

ظاہر ہے میں جس کردار میں تھا۔ وہ مکمل طور پر میرے اوپر تسلط جما چکا تھا۔ میری شکل تک ویسی ہو گئی تھی، تو اس صورت میں میں اس کردار سے واقف کیوں نہ ہوتا۔

سوزانا پلکیں جھپکاتی ہوئی اندر آ گئی، سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکی اور بڑے دلکش انداز میں بولی۔

”سائنو کی خدمت میں سلام۔“

”کیا بات ہے سوزانا۔“ میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

”سائنو کو شاہ نے طلب کیا ہے۔“

”اوہ۔! تیباس کو میری کیا ضرورت پیش آ گئی۔“

”شاہ جب کسی مسئلہ میں الجھ جاتا ہے تو سائنو کے علاوہ کون ہے جو اسے اسکے مسئلہ کا حل بتا دے۔“ سوزانا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ۔ تو ایک خوش بیان لڑکی ہے اور تیری یہ خوش بیانی مجھے پسند آتی ہے۔“ میں نے بھاری آواز میں کہا، خود میری آواز میرے لئے اجنبی تھی، اس نئی آواز میں جو مجھے اس نئے چہرے کے ساتھ ملی تھی، ایک طرح کی گونج اور رعب تھا۔

سوزانا مسکرانے لگی، اس نے دوبارہ سینے پر ہاتھ رکھا۔ جھکی اور پھر کھڑی ہو گئی۔

”تو میں شاہ کو کیا اطلاع دوں۔“

”شاہ کو اطلاع دینا ضروری نہیں ہے سوزانا۔ بس میں چل رہا ہوں،“ میں نے گونجدار آواز میں جواب دیا۔

"تو کیا میں سائنو کے لباس کی تیاری کروں۔"

"ہاں یہ مناسب ہوگا۔" میں نے جواب دیا اور سوزانا کمرے کے دوسرے حصے کی جانب بڑھ گئی۔

اسے اس کمرے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں، وہ میری زندگی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی، وہ میری خاص لونڈی تھی اور اپنے طور پر مجھے پسند کرتی تھی۔ جب میں نے اپنا جائزہ لیا۔

تو مجھے محسوس ہوا کہ بے شمار لڑکیاں ہیں جو مجھے پسند کرتی ہیں اور انہیں میں بھی پسند کرتا ہوں۔ گویا میں ایک عیاش فطرت انسان تھا۔

سوزانا نے ایک الماری سے میرے لئے ایک خوبصورت لباس نکالا، یہ کپڑے اور چمڑے کا بنا ہوا ایک اوپری کوٹ نما لباس تھا اس کے ساتھ ہی سنہرے اور سرخ رنگ کا ایک خود تھا جس پر پر لگے ہوئے تھے۔

پیروں میں پہننے کے لئے گھٹنوں تک پٹیوں والے جوتے تھے، تلوار تھی اور سجانے کیا کیا تھا۔

مجھے انگریزی فلموں کے وہ کردار یاد آگئے، جو قدیم رومن اشکال میں آتے تھے اور ان کی نمائندگی کرتے تھے۔

بہر صورت اب تو میں بھی ایک قدیم انسان ہی تھا، چنانچہ میں نے سوزانا کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی۔

سوزانا نے لباس میرے سامنے سجا دیئے تھے، پھر وہ دروازے کی جانب بڑھی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

اسے اندر دیکھ کر مجھے ہلکا سا تعجب ہوا تھا لیکن . . .

شاید یہ اصول ہی تھا چنانچہ سوزانا میرے نزدیک آگئی۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے ڈھیلے ڈھالے لباس کی ڈوریاں کھولنا شروع کر دیں اور اپنے ہاتھوں سے مجھے لباس پہنانے لگی۔ اس نے مجھے پورا لباس پہنایا اور میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے اس کی حرکات دیکھتا رہا۔

سوزانا کی آنکھوں سے محبت ٹپک رہی تھی، اس نے میرے اوپری لباس کے بند باندھتے ہوئے میرے سینے پر ایک بار اپنا رخسار بھی لگایا تھا اور میرے ہاتھ اس کی گردن میں پہنچ گئے تھے، بہر صورت تیار ہونے کے بعد سوزانا نے مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ ان نگاہوں میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن میرے پاس اس وقت اس محبت کا کوئی جواب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور وہ سنبھل گئی۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور میرے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی، میں باہر نکل آیا تھا۔

اس عجیب و غریب خوابگاہ کے باہر کے مناظر بھی کافی دلکش تھے، ایک لمبی راہداری تھی جس کے دونوں جانب ستون بنے ہوئے تھے، چھوٹے چھوٹے ستون جن پر چھت ٹکی ہوئی تھی، یہ ستون سرخ پتھروں سے تعمیر کئے گئے تھے اور عمارت کافی صاف ستھری اور نفیس نظر آ رہی تھی۔ اس راہداری میں میں آگے بڑھتا چلا گیا، سوزانا میرے پیچھے تھی۔

اور پھر جب راہداری کا اختتام ہوا تو ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ میری نگاہوں کے سامنے آگیا جو گول تھا، اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دروازے کے دوسری جانب سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں، سیڑھیوں کے عقب میں سفید روشنی تھی، گویا دن کا وقت تھا۔

سوزانا نے مسکرا کر سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا اور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ چوڑی سیڑھیاں جن کی تعداد تقریباً بارہ تھی نیچے تک چلی گئی تھیں، ان کے دونوں جانب کیاریاں سی بنی ہوئی تھیں، جن پر چھوٹے چھوٹے پودے جو نہایت خوبصورت تھے لگے ہوئے تھے، ان پودوں کو نہایت نفاست سے لگایا گیا تھا۔

سیڑھیوں کے اختتام پر ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا تیار کھڑا تھا، اس پر زین کسی ہوئی تھی اور ایک سائیس اسے پکڑے کھڑا تھا۔ سائیس نے مجھے دیکھ کر ادب سے سر جھکا دیا۔ میں نے مڑ کر سوزانا کی جانب دیکھا وہ دروازے میں کھڑی ہوئی تھی۔

تب میں نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھا اور اس پر سوار ہو گیا، سائیس نے ادب سے لگام میرے ہاتھوں

ہیں وے دی تھی اور یوں میں اس عظیم الشان عمارت کے بڑے دروازے سے باہر نکل آیا۔

باہر بھی سبزہ زار پھیلا ہوا تھا، بہت ہی خوبصورت راستے تھے جن میں نہایت نفاست سے شجر کاری کی گئی تھی۔

میں ایک پتلی سی سڑک پر آگیا، اس کے دونوں جانب درخت تھے، یہ پتلی سڑک چوڑی سڑک سے جاکر ملتی تھی۔

چوڑی سڑک پر مجھے معلوم تھا کہ مجھے کس جانب مڑنا ہے، البتہ میں نے علی رحمان کی حیثیت سے اس شہر کو انتہائی تاریخی نگاہ سے دیکھا جو اعلیٰ تخلیق کا نمونہ تھا۔ بلاشبہ اس شہر کو بنانے میں نہایت ذہانت سے کام لیا گیا۔

عمارتیں عموماً سرخ پتھروں سے بنی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ سایہ دار درخت نظر آرہے تھے۔ گویا سبزے پر خاص توجہ دی گئی تھی، چوڑے چوڑے میدان جن میں گھاس خاص ترتیب سے نظر آرہی تھی اور ان میں خوبصورت پھولوں کے تختے....

ذہن کو، آنکھوں کو نہایت فرحت کا احساس ہو رہا تھا میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ لوگ میرے سامنے سے خاص طور سے ہٹ جاتے تھے۔ گویا مجھے کوئی بہت ہی خاص حیثیت حاصل تھی۔

بازاروں میں دوکانیں سجی ہوئی تھیں، وہی قدیم طرز کی دوکانیں جو اس دور میں ہوا کرتی تھیں۔ مختلف آوازیں آ رہی تھیں اور بازار میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے تقریباً سب نظر آرہے تھے، یہ سب کے سب سرخ و سفید تھے، ان کے چہروں پر خاص دلکشی تھی۔

بہر صورت میں ان کے درمیان سے گزرتا رہا۔ مجھے ہر جگہ راستہ مل جاتا تھا تب میں نے اپنے بارے میں سوچا۔

بہرصورت جس قدر حالات پیش آرہے تھے، مجھے اپنی حیثیت اور اس جمود کا احساس ہوتا چلا جا رہا تھا جو مجھ سے وابستہ ہے، پھر میں ایک خوبصورت عمارت کے سامنے پہنچ گیا، جو یقینی طور پر محل تھا۔

خوبصورت اور عظیم الشان، ایک وسیع رقبے میں پھیلا ہوا اپنے وقت کا حسین ترین محل۔

سامنے ہی دروازے پر باوردی چوکیدار نظر آرہے تھے، جنہوں نے مجھے دیکھ کر اپنے نیزے جھکائے اور بڑا دروازہ کھول دیا۔

میں گھوڑے سمیت ہی اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ محل کی اندر کی حالت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ انتہائی خوبصورت، اتنا خوبصورت کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ میں سفید سنگ مرمر کے راستے سے گزرتا ہوا بالآخر اس بڑے دروازے تک پہنچ گیا، جو اندرونی عمارت کا دروازہ تھا۔

یہاں ایک کردار آگے بڑھا اور اس نے میرے گھوڑے کی لگام تھام لی، میں گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازے سے آگے بھی ایک چوڑا اور چوکور ہال تھا، یہاں چند افراد باادب کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا، اس نے سینے پر ہاتھ رکھا، جھکا اور کہنے لگا۔

"شاہ تیتباس اس وقت اپنی مخصوص قیام گاہ میں ہیں۔"

"میری رہنمائی کرو۔" میں نے جواب دیا

اور وہ پھر گردن جھکا کر سیدھا ہو گیا اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا، میں اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

محل کے خوبصورت در و دیوار، منقش بارہ دریاں اور بہت سی ایسی چیزیں میری نگاہوں کے سامنے تھیں جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ بالآخر مجھے شاہ تیتباس کی قیامگاہ پر پہنچا دیا گیا اور وہ شخص وہیں پر رک گیا۔!

"آپ اندر تشریف لے جایئے معزز سالار" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

شاہ بنیاس کے کمرے کے دروازے پر میں نے ہلکی سی دستک دی اور پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔

یہاں کی رونق بھی دیکھنے کے قابل تھی، جگہ جگہ حسین و خوبصورت کنیزیں استادہ تھیں، ان کے ہاتھوں میں بڑے اور حسین آسایے تھے جو ہیروں سے جگمگا رہے تھے، وہ اپنی جگہ پتھروں کے بتوں کے مانند ساکت کھڑی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک خوبصورت نشست گاہ تھی جس پر شاہ بنیاس ایک خوبصورت لیکن ڈھیلا ڈھالا اونی لبادہ پہنے دراز تھا، اس کے نزدیک دو کنیزیں موجود تھیں، جو اس کے قدموں میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں شراب کی صراحی تھی۔ شاہ بنیاس ہاتھوں میں جام لئے شراب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔

اس نے میری جانب دیکھا اور جام رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی اور قہر آلود تھیں۔ دونوں بھنویں ایک لکیر کی شکل میں آپس میں ملی ہوئی تھیں، بال کھچڑی تھے اور ٹھوڑی پر تھوڑی تھوڑی سفید و سیاہ داڑھی تھی۔ دیکھنے سے وہ کافی خوفناک نظر آتا تھا اور یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ ایک ظالم صفت انسان ہے۔

وہ میری طرف مسکرائے بغیر دیکھنے لگا، اس کے چہرے پر ناخوشگواری کے اثرات تھے۔

میں اس کے سامنے پہنچا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"شاہ بنیاس کی طلب پر" میں نے اسے جواب دیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ میں نے تمہیں بلایا ہے" بنیاس نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا حکم ہے۔"؟

"حکم۔ حکم۔ دیکھنا چاہتے ہو تو چلو اس پناہ گاہ میں دیکھو یہاں لٹے پٹے ناکارہ لوگ بے سہارا، اپنے اعضاء سے محروم قیام پذیر ہیں۔ ان کے چہرے اداس ہیں اور ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپک رہے ہیں" شاہ بنیاس نے غراتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا معزز شہنشاہ" میں نے جواب دیا۔

"اوہ سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ میں تمہیں اس فرعون کا نام بھی بتاؤں، اس ذلیل انسان کا نام جس نے ہماری ساری شخصیت ہمارا سارا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے" شاہ بنیاس نے کہا۔

"شاہ کا اشارہ یقیناً ڈاگرے کی طرف ہے۔"

"ہاں۔ وہی شیطان کی اولاد، وہی نطفہ حرام، جو ہم سے بغاوت کر کے سمندروں کا حکمران بن بیٹھا ہے اور جس نے ہماری قلمرو میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ سائنو کیا تم جیسے بہادروں کی موجودگی میں یہ بات مناسب ہے کہ شاہ بنیاس کے نام پر سیاہ دھبے نظر آئیں" بنیاس نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے معزز شہنشاہ" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے، کیا ہمارے جوان اس قدر بزدل ہو چکے ہیں کہ اس شخص کو اس کی تیرہ دستیوں سے نہ روک پائیں۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے جواب دو سائنو، کہ وہ اپنی تیرہ دستیوں میں اس قدر بڑھتا کیوں جا رہا ہے۔ اس نے ہم سے بغاوت کی ہے، یہ بغاوت آج تک کچلی کیوں نہیں جا سکی۔"

"اس کی وجہ ہے شاہ بنیاس۔" میں نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"کیا وجہ ہے۔"

"امیر البحر سالار سمندر، اونکاش اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"اونکاش۔" بنیاس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا "اونکاش نے خود کو نااہل و ناکارہ ثابت کر دیا ہے اور میں نے حکم دیا ہے کہ اس کے سارے خاندان کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔ میں نے اسے واپس طلب کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ میں اس سے اس کا یہ عہدہ چھین لینا چاہتا ہوں۔" بنیاس نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور میں نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر میں بولا۔

"لیکن شاہ بنیاس میرے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو، کھل کر کہو۔ میں نہیں سمجھا۔" شاہ بنیاس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا اور شراب کا جام اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا۔ ہونٹوں کو آستین سے خشک کرتا ہوا وہ پھر میری جانب دیکھنے لگا۔

"اونکاش کے خاندان کی گرفتاری کا حکم واپس لے لیا جائے" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں — وہ ناکارہ انسان ہے، میں نے جو مراعات اسے بخشی تھیں، اس نے ان کا خراج ادا نہیں کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ڈیگا کی پوری نسل کو تباہ کر دیا جاتا اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا، اونکاش اسے برباد کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیتا اور مجھے آ کر یہ خوشخبری سناتا کہ اس نے سمندر کے شہنشاہ اس نطفہ حرام شہنشاہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا ہے۔ لیکن میں نے کیا دیکھا۔ تاجروں کے لٹے پٹے جہاز۔ ان کے قافلے جوق در جوق یہاں آتے ہیں اور اپنی اپنی داستانیں غم سنانے کے لئے میرے پاس دوڑے چلے آتے ہیں، تم نہیں جانتے میں ان کی ان داستانوں سے کس قدر پریشان ہوتا ہوں، میری حیثیت، میری شہرت میری عزت خاک میں مل رہی ہے اب قرب و جوار کی حکومتیں کہیں گی کہ یتباس کی حکومت کمزور ہو چکی ہے، اسے ایک باغی نے، ایک ایسے شخص نے شکست دی ہے جس کا کوئی خاندانی پس منظر نہیں ہے جو ایک قزاق کی اولاد ہے اور قزاق ہی رہے گا۔"

"سب کچھ ٹھیک ہے عظیم شہنشاہ، لیکن کیا یہ بات تیری حیثیت پر ضرب نہیں لگاتی کہ تو نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا، اور سمندروں کے سالار کی حیثیت سے کیا جو اپنے عہدے کے قابل نہیں تھا۔"

"کیا مطلب۔ کیا مطلب" یتباس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور کنیز نے جلدی سے اس کا جام بھر دیا، اس کا ہاتھ بہک گیا تھا، اس نے وہ جام بھی اپنے حلق میں انڈیل لیا اور پھر یکے بعد دیگرے تین جام پی گیا۔

"میرا مقصد یہ ہے شہنشاہ یتباس، کہ پہلے اونکاش کو طلب کرو، اس سے پوچھو کہ وہ اپنی مہمات میں ناکام کیوں رہا ہے، ڈاگرے کا طریقہ کار کیا ہے، سمندروں پر اس کی گرفت اتنی سخت کیوں ہے اور اونکاش اسے گرفتار کرنے یا قتل کرنے میں ناکام کیوں رہا ہے، ممکن ہے اونکاش نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی ہو لیکن ڈاگرے کا طریقہ کار اس کی قوت اس قدر زیادہ ہو کہ اونکاش کامیاب نہ رہا ہو۔ شاہ یتباس اگر تم نے اونکاش کو اس کی ناکامی کی وجہ معلوم کئے بغیر سزا دے دی تو پھر وہ اپنے بارے میں کیا سوچے گا، وہ تمہارا وفادار ہے اور اس کی پچھلی زندگی اس بات کی آئینہ دار ہے کہ وہ تمہارا وفادار رہا ہے اس نے تمہارے احکامات کی پوری طرح پابندی کی ہے۔" میں نے پُر رعب لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔ تو تمہارا مطلب ہے سائنو، کہ اس ناکامی پر میں اسے کوئی سزا نہ دوں۔ میں یہ نہ سوچوں کہ اونکاش نے لاپرواہی سے کام لیا۔ ورنہ یتباس کی قوتیں اتنی کمزور نہیں تھیں کہ وہ سمندری قزاق کو گرفتار نہ کر سکتا" یتباس نے بدستور غراتے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ ضروری نہیں ہے یتباس، کہ ہر آدمی ہر جگہ کامیاب ہو جائے، بہر صورت اس سلسلے میں تم ہی بہتر سمجھ سکتے ہو، تم ہی درست سوچ سکتے ہو، یہ میری اپنی ناقص رائے تھی" میں نے جواب دیا اور یتباس پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "ٹھیک ہے سائنو، اگر تمہاری یہ رائے ہے تو میں اسے تسلیم کرتا ہوں، لیکن سائنو ڈیگا کے لئے کیا کرنا چاہیے۔"

"معزز یتباس جیسا کہ ہم نے اب تک اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ سمندری قزاق ہے اور تجارت کے لئے آنے جانے والے جہازوں کو لوٹ لیتا ہے، اگر جہاز والے مداخلت کریں تو پھر انہیں تباہ کر دیتا ہے، اس تباہی کے لئے یقیناً اس کے پاس بہتر ذرائع ہوں گے اور وہ ان ذرائع سے کام لیتا ہو گا، چنانچہ ہمیں پورے طور سے یہ ہی سوچ لینا چاہیے کہ ہم ہر قوت پر غالب آ جائیں گے۔ ہاں ہماری قوت، شاہ یتباس کی قوت، بہر حال اس سمندری قزاق سے ہزار درجہ بہتر ہے اور ہم اسے ایسی موت ماریں گے کہ اسے کہیں پناہ نہ مل سکے گی، لیکن اس سے پہلے اس کی صحیح قوت کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ اونکاش واپس آئے تو اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ ناکام کیوں رہا ہے، اس کے بعد ہم ناکامیوں کا سدِ باب کریں اور پوری قوت سے ڈاگرے پر حملہ کریں، کیا مجال ہے اس کی کہ وہ اپنی جان بچا کر جا سکے۔ شاہ یتباس کا جلال، اس کا عتاب اسے سمندر کی گہرائیوں میں بھی پناہ نہ لینے دے گا" میں نے کہا۔ اور شاہ یتباس کے چہرے پر چھائی ہوئی خشونت کم ہونے لگی۔ پھر وہ مسکرانے لگا، اور اس نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی کنیز سے کہا۔

"کیا تو نہیں جانتی کہ سائنو ہمارا لائق نائب ہے، ہماری فوجوں کا سالار ہمارے لئے ایک بڑی قوت، اسے جام دو۔"

اور کنیز ایک جام بھر کے میرے پاس لے آئی۔
رجحان بیگ کی حیثیت سے میں اس جام کو قبول نہیں کر سکتا

تھا کیونکہ مجھے اپنے حواس بحال رکھنے تھے، لیکن سائنو ایک
الگ قوت کی حیثیت سے میری ذات میں موجود تھا، چنانچہ میں
نے جام قبول کر لیا اور اسے شہنشاہ کی طرف بڑھا کر ہونٹوں سے
لگا لیا۔
"تو میں یہ احکام بھی تمہاری طرف سے نافذ کرتا ہوں اور
تمہیں یہ فخر حاصل ہوگا کہ اونکاش کے ان عزیز و اقارب کو جنہیں
گرفتار کر لیا گیا ہے، انہیں رہا کر دو۔ انہیں عزت و احترام دو۔
اور ان کے ذہن سے یہ بات نکال دو کہ انہیں کسی عتاب کے تحت
گرفتار کیا گیا تھا، تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ گرفتار کنندگان کو سزائیں
دی جا سکتی ہیں کیونکہ انہوں نے غلطی کی ہے،" اور شاہ بنباس کا
یہ مطلب نہ تھا" شاہ بنباس نے مکاری سے کہا اور میں نے
گردن ہلا دی۔

میں اس مکار شخص کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔
بہر صورت میں نے جو کچھ کہا تھا اس کی سمجھ میں آ گیا تھا اور یہی بڑی
بات تھی، ورنہ وہ سمجھنے والوں میں سے نہ تھا۔ تب میں وہاں
سے نکل آیا۔

اور جب میں نے شاہ بنباس کا وہ علاقہ چھوڑا اور بڑے
دروازے سے باہر آیا، تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
واہ علی رحمان بیگ واہ — یہ مجسمے بھی بڑے ستم ظریف
ہیں، ایسے ایسے کام تیرے سپرد کرتے ہیں جو تیری حیثیت سے
باہر ہوتے ہیں اور جنہیں تو مکمل طور سے سمجھ بھی نہیں پاتا —
بہر صورت تیرے اندر جو فطرت حلول کر جاتی ہے۔ جو تو میں
تیری ذات کو ان معاملات کی طرف معمور کر دیتی ہیں جن کے
بارے میں تو کچھ نہیں جانتا، اگر تیری معاون و مددگار نہ ہوتیں
تو بلاشبہ تیرے لئے الجھنیں ہی الجھنیں پرورش پانے لگتیں۔
تو میں نے سوچا کہ اب مجھے کہاں جانا چاہئے — سو بہتر ہی
سمجھا کہ پہلے اپنی رہائش گاہ پر جاؤں — اور وہاں پہنچ کر ان
لوگوں کو طلب کروں، جنہوں نے اونکاش کے رشتہ داروں اور
اس کے خاندان کو گرفتار کر لیا ہے، اس کے بعد انہیں احکامات
جاری کروں۔

اور یہ تو میں بخوبی جانتا تھا کہ میں بنباس کی فوجوں کا
سپہ سالار ہوں اور بنباس وزیر اعظم کے بعد میرے ہی احکامات
کی تعمیل ہوتی ہے۔ شاہ بنباس مجھ پر بے پناہ بھروسہ کرتا ہے
اور یہ بات دوسرے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں۔
چنانچہ راستے اجنبی نہ تھے، میں سرخ پتھروں کی اس عمارت
میں واپس پہنچ گیا، جو میری اپنی رہائش گاہ تھی۔

یہاں سوزانا میری منتظر تھی، اس نے مسکرا کر میرا استقبال
کیا، اور بھی بہت سی لونڈیاں تھیں، لیکن چونکہ یہ لڑکی پہلی
بار میرے سامنے آئی تھی اور مجھ سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف
معلوم ہوتی تھی اس لئے میں اسی کی طرف راغب ہوا۔ میں نے
بہتر یہی سمجھا کہ کچھ مشورے اس سے بھی کر لوں۔

سو میں اپنے آرام کے کمرے میں پہنچ گیا، سوزانا میرے
پیچھے پیچھے آئی تھی، اس نے معنی خیز انداز میں مجھے دیکھا اور پھر
مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا تم لباس تبدیل کرو گے سائنو؟"

"ہاں سوزانا۔"

"تو پھر لباس لے آؤں؟" سوزانا نے پوچھا۔

"ہاں — لیکن اس سے پہلے مجھے تم سے کچھ مشورے
کرنے ہیں۔"

"مجھ سے — سوزانا کے نصیب۔" اس نے مسکراتے ہوئے
کہا اور میں ایک نشست گاہ میں جا کر بیٹھ گیا۔

یہ ایک خوبصورت مور کا مجسمہ تھا جس پر یہ نشست گاہ
بنی ہوئی تھی، سوزانا میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔!
اس نے دونوں ہاتھ باندھ رکھے تھے، اور وہ بے حد پیاری
لگ رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا، تب وہ مسکراتے
ہوئے بولی۔

"تو وہ کونسا مشورہ ہے جس کے لئے سوزانا کو اعزاز بخشا
گیا۔" سوزانا دھیمے لہجے میں بولی۔

"کچھ خاص نہیں سوزانا، تم جانتی ہو شاہ بنباس نے
مجھے بلایا تھا۔"

"جانتی ہوں سائنو" سوزانا نے جواب دیا۔

"وہ ڈاگرے کے سلسلے میں تشویش زدہ ہے۔"

"ڈاگرے۔" سوزانا کی آنکھیں کسی قدر سکڑ سی گئیں۔
ہاں اس ڈاگرے کی کہانیاں بڑی سننے میں آرہی ہیں، لیکن
میں اس کے بارے میں جان ہی نہ سکی۔"

"جاننا بعد کی بات ہے سوزانا، وہ سمندروں میں رہتا ہے
بحری قزاق ہے۔ تجارت کے لئے گزرنے والے جہازوں کو
لوٹ لیتا ہے، انسانوں کو ہلاک کر دیتا ہے، انہیں تباہ و برباد
کر دیتا ہے، چنانچہ شاہ بنباس بھلا یہ سب کچھ کیسے برداشت
کر سکتا ہے سو اس نے حکم دیا ہے کہ اونکاش کو جو امیر البحر ہے

اور سمندروں جنگلوں کا ماہر۔ کہ وہ جائے اور ڈاگرے یعنی ڈریگا کو بدترین شکست دے، اسے گرفتار کر کے لے آئے، یا پھر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے قیدی کی شکل میں لائے اور شاہ ہتیاس کے سامنے ڈال دے۔

لیکن اوزنکاش شاید ڈاگرے پر قابو نہیں پا سکا، سمندری قزاق اس سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا، اس نے اوزنکاش اور اس کے ساتھیوں کو بدترین شکست دی، اب یوں لگتا ہے کہ اوزنکاش جو کمک لے کر گیا تھا وہ تباہ ہو چکی ہے اور بمشکل تمام وہ جان بچا کر بھاگا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کی واپسی اس کے حق میں موت سے بدتر ثابت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"میں جانتی ہوں سائنو، شاہ ہتیاس بھاگنے والوں کو پسند نہیں کرتا،" سوزانا نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن سوزانا یہ صورتِ حال تو بہتر نہیں ہے، شاہ ہتیاس بذاتِ خود ان لوگوں کے بارے میں نہیں جانتا جو اس کے دشمن ہیں یا مخالف ہیں، حالانکہ اس کے مخالفوں کی بہت بڑی تعداد سرگرم عمل ہے۔ اور بہر صورت جو شخص شاہ ہتیاس جیسے خطرناک شخص سے ٹکرانے کی ہمت کرتا ہے وہ سب سے پہلے یہ سوچے گا کہ شاہ ہتیاس کی قوت کیا ہے اور اس قوت سے ٹکرانا کہاں آسان ہے اور کہاں مشکل۔ چنانچہ وہ ان تمام تیاریوں سے لیس ہوگا، جو شاہ ہتیاس سے مقابلے کے سلسلے میں پیش آ سکتی ہیں۔ ڈاگرے نے بھی یقیناً اپنے طور پر اپنے آپ کو تیار کیا ہوگا۔

اور اگر ان تیاریوں کے باوجود اوزنکاش اس پر قابو پانے میں ناکام رہا ہے تو بہر صورت قصور اوزنکاش کا نہیں ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ہتیاس نے ڈاگرے کی قوت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اوزنکاش نے بھی۔ سوزانا ایسی مہمات تو اکثر پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ تو سمندری مہم ہے، بری مہم بھی ہمیں پیش آ سکتی ہے کچھ ایسے باغی جو شاہ ہتیاس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ اس کے مخالفوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگر ہم اتفاقیہ طور پر ان باغیوں کو ختم نہ کر سکے تو اس کا مقصد ہے کہ شاہ ہتیاس اپنے اہم ترین لوگوں کو اسی طرح ختم کر دے گا؟ اور یہ اچھا نہ ہوگا سوزانا۔

میں مرنے سے نہیں ڈرتا، لیکن میں یہ نہیں چاہتا سوزانا کہ اوزنکاش اور اس کے اہل خاندان کو شاہ ہتیاس کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے۔ شاہ ہتیاس نے اوزنکاش کے اہل خاندان کو گرفتار کر لیا ہے، وہ انہیں سزا دینے کے حق میں ہے، لیکن میں نے شدت سے اس کی مخالفت کی ہے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا،" سوزانا نے جواب دیا۔

"ہاں سوزانا، یہ تو کسی طور بھی مناسب نہیں تھا کہ اوزنکاش یہاں نہ ہوتا اور اس کے اہل خاندان کو سزا مل جاتی، بہتر تو یہ تھا کہ اوزنکاش سے اس کی ناکامی کی وجہ پوچھی جاتی، ظاہر ہے اگر وہ واپس آتا اور اسے پتہ چلتا کہ اس کے اہل خاندان کو اس کی ذرا سی کوتاہی کی وجہ سے ختم کر دیا گیا ہے یا انہیں سزا دی گئی ہے تو تم سوچو سوزانا اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی۔ ممکن ہے وہ نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا اور اس کے بعد۔"

"ہاں اس کے بعد تم جانتے ہو کیا ہوتا سائنو؟" سوزانا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"صرف یہی کہ اوزنکاش جیسا دلیر انسان ڈاگرے کے پاس پناہ لیتا اور اس کے بعد شاہ ہتیاس کی قوتوں میں کسی قدر کمزوری واقع ہو جاتی۔"

"یقیناً۔ میں نے شاہ ہتیاس سے یہ بات تو نہیں کہی، البتہ میں نے اسے یہ سمجھایا کہ اوزنکاش کو واپس آنے دیا جائے، اس سے پوچھا جائے کہ آخر وہ ڈاگرے کے سلسلے میں ناکام کیوں رہا ہے، اس کے بعد کوئی اور مہم اس انداز میں تیار کی جائے کہ ڈاگرے پھر نہ بچ سکے۔"

"بہت ہی مناسب خیال ہے سائنو، حالانکہ اوزنکاش نے بار بار تمہاری مخالفت کی ہے۔"

"اوہ۔ میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا سوزانا، یہ اوزنکاش کا اپنا کردار تھا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا اپنا فرض تھا اور بہر صورت ضرورت بھی۔ شاہ کی بات بذاتِ خود سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ شراب اور عورت نے اس کے حواس اس قدر بگاڑ دیئے ہیں، کہ وہ کوئی فیصلہ درست نہیں کر سکتا، وہ نہیں سوچ سکتا کہ اس کا کون سا فیصلہ غلط ہے اور کون سا صحیح۔ اس کے بارے میں تمیز کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اور سوزانا نے چاروں طرف دیکھا۔ "اوہ۔" اور پھر وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"تم اتنی بے باکی سے شاہ کے بارے میں اپنے خیالات نہ کرو سائنو بہر صورت شاہ ہتیاس تمہارے یہ الفاظ پسند نہیں کرے گا۔"

"اوہ ۔ سوزانا میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور ویسے بھی یہاں تمہارے سوا کون ہے اور تم پر میں اس قدر بھروسہ کرتا ہوں جتنا اپنے آپ پر۔ میں جانتا ہوں کہ تم کبھی میرے بارے میں شاہ نینباس سے ایک لفظ بھی نہ کہو گی۔"

"میں؟" سوزانا نے برق پاش نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ "میں سائنو، میں تو زندہ ہی تمہارے لئے ہوں، ورنہ میری زندگی میں کیا رکھا ہے۔" سوزانا کسی قدر اداس ہو گئی تھی۔

میں نے اسے دیکھا لیکن اس وقت کچھ اور سوچنے کا موقع نہیں تھا، میں پہلے اونکاش کے عزیزوں کو رہا کرانا چاہتا تھا، نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ گرہ پڑ گئی تھی کہ میں ان لوگوں کو رہا کرا لوں۔ سو میں نے سوزانا سے پوچھا۔

"شاہ نینباس نے جس شخص کو ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہوگا وہ کون ہوگا۔"

"ان لوگوں سے تمہاری مراد اگر اونکاش کے عزیزوں سے ہے، تو یہ میری سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن گرفتار کرنے والے سے تمہارا مطلب کیا ہے سائنو۔" سوزانا نے پوچھا۔

"ہاں ۔ میں نے شاہ نینباس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اس سلسلے میں مجھے کس سے بات کرنی ہے۔"

"سائنو، کیا ہو رہا ہے تمہیں، میں حیران ہوں، کیا یہ ضروری ہے کہ تم کسی سے بات کرو، بس سیدھے جیل خانے جا کر افسر اعلیٰ کے پاس جاؤ کس کی مجال ہے کہ تمہارے حکم سے سرتابی کر سکے۔ خواہ یہ حکم شاہ نینباس ہی نے کیوں نہ دیا ہو، سب جانتے ہیں کہ شاہ نینباس تمہارے لئے کیا جذبہ رکھتا ہے اور وہ تم سے کس طرح مرعوب ہے اور تمہارے بارے میں کس انداز سے سوچتا ہے۔"

"اچھا ۔ اتو ٹھیک ہے، پھر میں جیل خانے کے افسر اعلیٰ کے پاس جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے" سوزانا نے گردن ہلا دی۔

"تو پھر میں جاؤں۔" میں نے پُرخیال انداز میں پوچھا۔

"ہاں سائنو۔ پہلے یہ کام ضروری ہے۔" سوزانا نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ دوسرے لمحے میرا گھوڑا جیل خانے کی طرف اڑ رہا تھا، خاصا طویل فاصلہ تھا لیکن اب مجھے اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ یہ راستے کس کس طرف جاتے ہیں، بس خواہ مخواہ وقت میری رہنمائی کر رہا تھا۔

حالانکہ مہذب دنیا کا علی رحمان بیگ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کونسے علاقے میں ہے، یعنی کون سا دور ہے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ بحری قزاق ڈاگرسے نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے اور وہ کون سے دور میں رہا ہے، بس وہ مجھے سرنگ میں لا کر چھوڑ گیا تھا اور اس کے بعد خود غائب ہو گیا تھا۔

بہر صورت مجھے اس بات کی پرواہ نہیں تھی، میں جانتا تھا کہ وقت میری رہنمائی کرے گا، حالات خود بخود میرے لئے راہیں متعین کر دیں گے، میں تو صرف اس وقت کا ایک کردار تھا۔ علی رحمان بیگ کچھ نہیں تھا۔

بہر صورت میں جیل جانے والی سڑک پر چلتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں قید خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

یہ قید خانہ شہری آبادی سے کافی دور ایک چٹانی علاقے میں تھا، کوئی بہت بڑا چٹانی غار پہاڑ کے دامن میں تھا اسے قید خانے کی شکل دی گئی تھی، قید خانے کے آس پاس بہت بڑی بڑی چٹانیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان ٹہلتے ہوئے پہرے دار صاف نظر آ رہے تھے۔

پتھریلے راستے پر گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سن سن کر لوگ چونک چونک کر میری جانب دیکھنے لگے تھے، انہیں یہ احساس ہو چکا تھا کہ کون آ رہا ہے، چنانچہ وہ سب مؤدب اور ایک لائن میں کھڑے ہو گئے تھے۔

گھوڑا ان کے قریب پہنچا اور پھر ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کی لگام پکڑ لی۔ میں گھوڑے سے نیچے کود آیا۔

"جیل خانے کا افسر کہاں ہے۔" میں نے سوال کیا۔ اور دو سپاہی اندر دوڑ گئے۔

دوسرے لمحے ایک پستہ قامت شخص جو شکل ہی سے درندہ صفت معلوم ہوتا تھا میرے سامنے آکر مؤدب کھڑا ہو گیا۔

"سالار سائنو۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"شاہ نینباس نے اونکاش کے اہل خانہ کو تمہاری تحویل میں بھیجا تھا وہ کہاں ہیں۔"

"موجود ہیں سائنو۔" جیل خانے کے افسر نے جواب دیا۔

"انہیں آزاد کر کے فوراً میرے سامنے لاؤ۔" میں نے کہا۔ اور جیل خانے کا افسر ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا، اور دوسرے لمحے وہ اندر دوڑ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ چند عورتیں، بوڑھے

بچّے اور کچھ جوان ۔ ان تمام لوگوں کی تعداد تقریباً پندرہ تھی، میرے سامنے آگئے، ان کی حالت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ لباس بالکل ملگجے اور میلے ہو رہے تھے، ان کے چہروں پر اداسی اور ویرانی پھیلی ہوئی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھوکے پیاسے ہوں ۔

تب میں نے جیل خانے کے افسر اعلیٰ کی طرف دیکھا اور قہر آلود لہجے میں بولا ۔

"کیا تم نے ان لوگوں کو تکلیف میں رکھا ہے ۔"

"نہیں ۔ نہیں سالار اعظم، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"

"کیوں ۔" میں نے ایک بوڑھے شخص کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم سچ سچ بتاؤ گے کہ کیا انہوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے ۔"

"زیادتی ۔ بوڑھے نے درد بھرے لہجے میں کہا "تم زیادتی کی بات کر رہے ہو سالار اعظم، ہم تین دن سے بھوکے ہیں یہ بچے انہیں دیکھ رہے ہو، انہیں ایک قطرہ پانی بھی نہیں دیا گیا ۔ کیا ضروری ہے کہ قیدیوں کے ساتھ ایک ہی قسم کا سلوک کیا جائے، ہم ایسے قیدی تو نہیں تھے جنہوں نے شاہ تیباس کو کوئی نقصان پہنچایا ہو" بوڑھے نے کہا ۔ اور میں نے قید خانے کے افسر اعلیٰ کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا ۔

"کیا تمہیں شاہ تیباس نے یہ حکم دیا تھا کہ اونکاشش کے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے ۔"

"نن ۔ نہیں جناب ۔ لیکن بہرصورت یہ قیدی تھے ۔"

"اور یہاں موجود تمام قیدیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے" میں نے پوچھا ۔

"ج ۔ جی ہاں ۔ قیدی قیدی ہوتے ہیں اور قیدی وہی ہوتے ہیں جو شاہ تیباس کے دشمن ہوتے ہیں ۔ اور شاہ تیباس کے بارے میں آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں سالار اعظم، شاہ تیباس اپنے دشمنوں کو زیادہ سے زیادہ اذیت میں دیکھنا پسند کرتا ہے ۔"

"اوہ ۔" میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا، بہرصورت اس سلسلے میں، میں نے جیل خانے کے افسر اعلیٰ کے سامنے کوئی بات کہنا مناسب نہیں سمجھی اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر معذرت آمیز لہجے میں بولا ۔

"مجھے افسوس ہے دوستو کہ آپ لوگوں کو کس وجہ سے قید خانے تک پہنچنا پڑا ۔ اونکاشش واپس آ رہا ہے، اور آپ لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے میں شاہ تیباس کی طرف سے آپ لوگوں سے معافی کا خواستگار ہوں، آپ لوگ میرے ساتھ چلیے اور اپنے گھروں میں قیام کیجئے ۔"

اس طرح میں نے اونکاشش کے رشتہ داروں کو ان کے گھروں تک پہنچایا اور بہرصورت یہ اچھا کام تھا ۔

لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ جب میں علی رحمان بیگ کی حیثیت سے جب میں اس بارے میں سوچتا تھا تو مجھے یہ سب کچھ عجیب سا محسوس ہوتا تھا، بھلا میرا ان سب سے کیا تعلق تھا، ایک اجنبی دنیا کا اجنبی فرد ان لوگوں کے لئے ہمدردی اور محبت کیوں رکھتا تھا ۔ لیکن یہ بات میری فطرت سے مطابقت رکھتی تھی ۔

ظاہر ہے جو کردار مجھے دیا گیا تھا، میں ان ساری باتوں کے لئے مجبور تھا اور وہی کر رہا تھا جو اس کردار کا تقاضہ تھا ۔

بڑی دلچسپ بات تھی، سوچتا تھا اور حیرت ہوتی تھی، اور خود پر ہنسی بھی آتی تھی ۔ میں کس طرح اس ماحول میں ڈھل گیا تھا اور ہر پہلو میں ڈھل جاتا تھا، اور سب سے زیادہ حیرت انگیز کام اس پُراسرار سبوزیم کا تھا کہ مجھے جو بھی کردار دیا جاتا ۔ میں اس پر اس طرح حاوی ہو جاتا کہ مجھے کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی تھی اور یقینی طور پر میں ان تاریخی اقدامات کو پورا کرتا تھا جو اس دور کی تاریخ میں درج تھے ۔

اونکاشش کے رشتہ داروں کو ان کے مکانوں تک پہنچانے کے بعد میں واپس چلا آیا ۔

شاہ تیباس سے مجھے کوئی کام نہیں تھا، چنانچہ پتھروں کی لال حویلی میں پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا ۔ سوزانا میری مددگار تھی ۔

ویسے یہ لڑکی مجھ پر ضرورت سے زیادہ مسلط تھی جس کے بارے میں میں بعض اوقات سوچنے لگتا تھا ۔

اب تک اس نے جس انداز میں میرے معاملات میں مداخلت کی تھی اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس عمارت میں وہی مجھ سے سب سے زیادہ نزدیک ہے اور کسی دوسرے کا میرے معاملات میں اتنا زیادہ دخل نہیں ہے ۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میں نے اپنے طور پر سوزانا کو بہت زیادہ اہمیت دے دی ہو اور بذاتِ خود وہ اس قدر اہمیت کی حامل نہ ہو ۔

لیکن اس کے انداز میں بھی کوئی ایسی اجنبیت نہیں پائی

جاتی تھی یوں لگتا تھا جیسے میری یہ دلچسپی اور توجہ اسے ہمیشہ سے حاصل ہو۔ صورت شکل کی بھی بُری نہیں تھی۔ چنانچہ مجھے کیا پڑی تھی کہ میں اس سے پہلو تہی کرنے کی کوشش کرتا، البتہ رات کو جب میں سونے کے لئے لیٹا تو سوزانا میرے لئے پھل اور دودھ لے آئی، اس کے بعد وہ میرے قدموں نزدیک بیٹھ گئی۔

"میرے لئے کیا حکم ہے سائنو؟" اس نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

اور میں نے سائنو کے ذہن کو ٹٹولا۔

علی رحمان بیگ تو بجانے کیا کیا کچھ چاہتا تھا، لیکن سائنو کی چاہت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ سوزانا اسکی تنہائیوں کی ساتھی تھی، اس کی خواب گاہ کی زینت تھی چنانچہ جو کچھ سائنو کے ذہن نے کہا وہ میں نے سوزانا سے کہہ دیا، اس نے دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھا اور آگے بڑھ کر شمعدان سے گل کرنے لگی۔

صبح کو میں جاگا تو سوزانا میرے بستر میں موجود نہیں تھی وہ علی الصبح اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ تب میں نے سوچا کہ اس عمارت کے ماحول سے کچھ واقفیت حاصل کروں۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ سوزانا مسکراتی ہوئی میرے کمرے میں داخل ہوئی۔

وہ بھی نہائی ہوئی تھی اس کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، اس کے سفید چہرے پر لپٹے ہوئے سیاہ بال انتہائی خوبصورت معلوم ہو رہے تھے، اس کی آنکھوں میں پیار بھری مسکراہٹ تھی،

چنانچہ میں نے اسے اپنے نزدیک کھینچ لیا اور سوزانا مسکرانے لگی۔

"ہاں سوزانا، اس کے بعد کیا کرنا ہے؟"

"کیا مطلب؟" سوزانا نے مجھے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ میری زندگی کی باگ ڈور تمہارے ہی ہاتھ سے اور تم مجھے بتاؤ کہ میں نے کیا کرنا ہے۔"

"سائنو" سوزانا نے عجیب سے لہجے میں کہا "میں ایک عجیب سی بات محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیا—؟"

"کل سے تم کھوئے کھوئے سے ہو، ہر بات مجھ سے پوچھتے ہو، خود سب کچھ نہیں کر رہے جواب تک کرتے رہے ہو۔ تعجب کی بات ہے، کیا تمہارے ذہن میں کوئی ایسی بات گردش کر رہی ہے جس نے تمہیں پریشان کیا ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے—"

"صرف تمہارا وہم سوزانا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا حالانکہ بے چاری لڑکی کے ذہن میں کوئی وہم نہیں تھا اور یہ بڑی دلچسپ بات تھی کہ سائنو کی حیثیت میں علی رحمان بیگ خود کو ضم نہیں کر رہا تھا اور اس کی لونڈی کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔

بہر صورت علی رحمان بیگ کو اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی، ظاہر ہے، اسے اس دور میں دھکیل دیا گیا تھا وہ اس کی پسند تو نہیں تھا۔ وہ تو دوسروں کی مسلط کردہ روایات کو پورا کر رہا تھا۔ جسے بہر صورت اسے نبھانا تھا۔

سوزانا نے میرے لئے ناشتہ کا بندوبست کیا، میں ناشتہ کرنے بیٹھ گیا، سوزانا کی

اتنی مجال نہیں تھی کہ وہ دوسرے لونڈی اور غلاموں کی موجودگی میں میرے اس قدر نزدیک آنے کی کوشش کرتی، اس کے باوجود میں نے اسے ناشتے پر مدعو کیا اور اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"نہیں۔ یہ میرے لئے کسی طور مناسب نہیں ہو گا۔"

اس نے کہا۔

اس کے بعد میں نے اس سے کسی خاص سلسلے میں اصرار نہیں کیا تھا۔ ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد میں تیار ہو گیا۔ اور میں نے سوچا کہ مجھے جا کر اپنی فوجوں کا جائزہ لینا چاہئے۔ چنانچہ میں اپنے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔

اور اس بار میرا رُخ فوجی چھاؤنی کی طرف تھا، فوجوں کا جائزہ لینا میرا روزمرہ کا معمول بھی تھا اور میں اس معمول میں کوئی خلاف ورزی کرنا نہیں چاہتا تھا۔

فوجوں کے لئے علیحدہ رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا، بڑا عمدہ بندوبست تھا۔ میں نے شاہ بتیاس کے کارنامے کو حیرت سے دیکھا۔ شاہ بتیاس نے اپنی فوجوں کو آسودگی کو بخش رکھی تھی ہر شخص مطمئن اور مسرور تھا۔

فوجی مشقیں جگہ جگہ ہو رہی تھیں، میں فوجوں کے درمیان داخل ہو گیا اور چند افسران میرے نزدیک پہنچ گئے، وہ میری اطاعت کر رہے تھے، اور مجھے اپنے کاموں کے بارے میں تفصیلات بتا رہے تھے۔

میں سب کو دیکھتا رہا اور شاہ بتیاس کی فوجوں کی قوت کے بارے میں مناسب اندازہ لگاتا رہا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں واپس پلٹ پڑا، اب میرا رُخ شاہ بتیاس کے محل کی جانب تھا۔

شاہ بتیاس نے اس وقت دربار لگایا ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے معمولات کیا ہوتے ہیں۔ لیکن اتفاق ہی تھا کہ میں اس کے معمول کے مطابق پہنچ گیا تھا۔ میری نشست خالی پڑی تھی۔

اور دربار ہی میں میں نے پہلی بار وزیرِاعظم شامن کو دیکھا، جو شاہ بتیاس کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شخص شکل ہی سے شاطر محسوس ہوتا تھا اور میرے خیال کے مطابق اس کا نام شامن کے بجائے شاطر ہونا چاہئے تھا۔

میں نے اپنی نشست گاہ کی طرف دیکھا جو خالی پڑی ہوئی تھی، بھلا کون بیٹھ سکتا تھا وہاں پر۔

ایک جگہ اوزنکاش کی نشست بھی تھی، جو خالی تھی، ہاں اس پر اوزنکاش کی تلوار بدستور جگمگا رہی تھی۔ گویا یہ اس کی موجودگی کا اعتراف تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ اوزنکاش کے عتاب میں آجانے کے بعد یہ کرسی خالی رہتی تھی یا نہیں۔ لیکن بعد میں مجھے پتہ چل گیا کہ اوزنکاش کی کرسی خالی تھی۔ لیکن آج صبح دوبارہ اس کرسی پر اوزنکاش کی تلوار رکھ دی گئی۔ یہ غالباً اس کی موجودگی کا اعتراف تھا جسے میں نے پسند کیا۔

شاہ بتیاس نے میری جانب دیکھا، اس کی نگاہوں میں کوئی خاص بات نہ تھی وہ اس وقت ہوش میں ہی معلوم ہو رہا تھا۔

میں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد دربار کی کارروائیاں شروع ہو گئیں، ان کارروائیوں کو میں نے دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ شاہ بتیاس بہت سے مسائل سلجھا رہا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ جب شاہ بتیاس ہوش میں ہوتا تھا تو خاصا ذہین شخص اور منصف المزاج ہوتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی دوہری شخصیت کیا حیثیت رکھتی تھی، لیکن بہرصورت اس نے جو مقدمے سنے اور اس کے بارے میں جو کارروائیاں کیں۔ وہ میرے لئے پسندیدہ تھیں اور میں نے سوچا کہ بہرصورت وہ شاہ ہے اور بلاوجہ وہ یہ حیثیت حاصل نہیں کر سکا تھا، ممکن تھا کہ یہ اس کا خاندانی ورثہ ہو، کیونکہ وہ ان معاملات میں خاص ذہانت رکھتا تھا۔

دیر تک میں دربار کی کارروائیوں کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد شاہ بتیاس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دربار برخاست کرنے کا اعلان کیا۔

مجھے بھی اجازت مل گئی تھی چنانچہ میں واپس اپنی رہائش گاہ پر چلا آیا۔

کوئی کام تو نہیں تھا۔ بہرصورت اب روزمرہ کا معمول بن چکا تھا، صبح کو شاہ بتیاس کا دربار ہونا، چھاؤنی کا جائزہ، اور سوزانا کا قرب،۔

شاہ بتیاس نے اس دوران مجھ سے کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔ پھر ایک دن معلوم ہوا کہ اوزنکاش واپس آگیا ہے مجھے یہاں آئے ہوئے میرے اپنے اندازے کے مطابق پندرہ سولہ دن گزر چکے تھے۔ اور اس دوران صرف ایک ہی کام ہوا تھا۔

اوزنکاش کے واپس آجانے کی اطلاع مجھے میرے خادم نے دی تھی۔ اور بہرصورت میں بھی تیار ہو کر چل پڑا۔ مجھے بندرگاہ

پہنچنا تھا، چنانچہ میرے ساتھ میرے چار غلام بھی تھے۔
تیار ہو کر میں بندرگاہ کی جانب چل پڑا، اور میں نے سمندر کے کنارے پہنچ کر دیکھا۔
دو یا تین جہاز تھے۔ آگے پیچھے آ رہے تھے، انہی جہازوں کو دیکھ کر اوزنکاش کی آمد کے بارے میں اعلان کیا گیا تھا۔
میرے اندازے کے مطابق ان جہازوں کو ابھی کئی گھنٹے بعد بندرگاہ تک پہنچنا تھا۔
چنانچہ اتنا وقت میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا۔ راستے ہی میں مجھے شاہ بنیاس کا پیغام ملا تھا۔ اور میں شاہ بنیاس کے محل کی طرف چل پڑا۔
میں جانتا تھا کہ شاہ بنیاس کو بھی اوزنکاش کی آمد کی اطلاع مل گئی ہوگی۔ بنیاس اسی سلسلے میں وہ مجھ سے گفتگو بھی کرنا چاہتا تھا۔

اور میرا یہ اندازہ درست ہی نکلا۔ دربار کا وقت ختم ہو چکا تھا اور شاہ بنیاس اس وقت اپنی خوابگاہ میں تھا۔
میں شاہ کی خوابگاہ میں پہنچا، خادماؤں نے اسے میرے آنے کی اطلاع دی اور شاہ نے مجھے اندر طلب کر لیا۔
میں نے دیکھا کہ وہی پہلے جیسا ماحول ہے، دربار کی برخاستگی کے بعد شاہ بنیاس عیش و عشرت میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی چند خوبصورت کنیزیں اس کے گرد بیٹھی تھیں اور اس کا دل بہلا رہی تھیں۔
میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن جھکائی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بنیاس شراب کا گھونٹ بھرتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگا تھا۔ چند ساعت وہ خاموش رہا پھر بولا۔
"سائنو، اوزنکاش واپس پہنچ گیا ہے۔"
"ہاں معزز شہنشاہ۔ میں نے بھی بندرگاہ پہنچ کر اسے دیکھا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"تم نے میرے احکامات میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں، تم نے میرے سوچنے کا انداز کو کس قدر بدلا ہے سائنو، اب بتاؤ اس کے بعد کیا کرنا ہے۔"
"معزز شاہ نے مجھے تکریم بخشی ہے، اس نے مجھے جو عزت دی ہے اس کا احساس میرے سینے میں جاگزیں ہے اور میں یہی چاہتا ہوں کہ شاہ کا مقابلہ کوئی نہ ہو، جو باغی سر ابھارے وہ قبر کی گہرائیوں میں جا سوئے، یہی سائنو کی خواہش ہے اور یہی اس کا فرض۔

چنانچہ اگر اوزنکاش کے سلسلے میں میں نے شاہ بنیاس کے احکامات یا اس کی سوچ بدلنے کی کوشش کی ہے تو اس میں اوزنکاش کی بہتری یا اس سے دوستی کا جذبہ نہیں ہے بلکہ صرف یہ احساس پنہاں ہے کہ اوزنکاش سے معلومات حاصل کی جائیں کہ ڈاگرے کا طریق کار کیا ہے، وہ کس انداز میں جہازوں کی قزاقی کرتا ہے، اور کس طرح اس نے اپنی قوت پائی کہ شاہ کے جہازوں سے ٹکرایا اور صاف نکل گیا۔ یہ ساری باتیں اوزنکاش سے نہایت محبت اور اچھے انداز میں پوچھی جائیں، اگر وہ یہاں آنے کے بعد یہ سنے کہ اس کے اہل خاندان کو اس کی آمد سے پہلے سزا مل گئی ہے تو کیا وہ دل جمعی سے شاہ کی باتوں کا جواب دے سکے گا۔" میں نے کہا اور شاہ بنیاس کی طرف دیکھا۔
"نہیں۔ میرا خیال ہے وہ بددل ہو جائے گا۔" میں نے شاہ بنیاس کی جانب دیکھ کر خود ہی جواب دیا۔ "بددل ہونے کے بعد وہ یقیناً ہماری مدد نہیں کرے گا۔ معزز شاہ ہم کمزور نہیں ہیں۔ اور ہمیں مدد کی ضرورت بھی نہیں ہے، تاہم ہم فی الوقت ہم اسے موردِ الزام قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ اس بات کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ ہاں اگر اوزنکاش اپنے فرائض کا مجرم پایا جائے تو شاہ بنیاس اسے یقینی طور پر سزا دے۔"
"ٹھیک ہے سائنو۔ مجھے تمہاری بات پسند آئی ہے۔" شاہ بنیاس نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"تب بہتر یہی ہے بنیاس کہ جب اوزنکاش آپ کی خدمت میں حاضر ہو تو مجھے بھی باریابی کا موقع دیا جائے۔ اور میرے سامنے ہی اس سے گفتگو ہو تاکہ ہم آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر سکیں۔ ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ ہم ڈاگرے کے مقابلے میں ناکام رہنے والے شخص کو سزا دیں۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اس کی قوت کو دوبارہ ڈاگرے کے خلاف استعمال کریں۔"
"سائنو، سائنو۔ تو میرا پسندیدہ شخص ہے، اور مجھے ہمیشہ اس کا اعتراف رہا ہے کہ تو ہر حیثیت میں کامیاب رہا ہے، بے حد کامیاب ہے، چنانچہ، میں نے تیری ساری باتیں مان لیں، میں نے صرف تجھے اس لئے طلب کیا ہے کہ اوزنکاش کے سامنے تیری موجودگی ضروری ہے۔ اب تو جا اور جو سوچے، سمجھے اور پھر اس پر عمل کرے۔"
"مناسب ہے۔" میں نے جواب دیا اور شاہ بنیاس نے مجھے رخصت کی اجازت دے دی۔
"اس وقت اپنی طلبی کا انتظار نہ کرنا جب تجھے یہ معلوم ہو

کہ اوزنکاش دربار میں پہنچ گیا ہے۔" شامہ نے کہا۔

"بہت بہتر تیباس، میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

پھر میں وہاں سے چلا آیا، نجانے ان کم بختوں نے کیا چکر چلا رکھا تھا، خواہ مخواہ مجھے پھنسا دیا تھا۔ اور مجھے کیا پڑی کہ میں اوزنکاش کے اہل خاندان کو بچاتا اور شاہ تیباس کو ٹھکانے لگاتا، لعنت ہے میری ذات پر اور لعنت ہے اس میوزیم پر جب میں اس میں داخل ہوا اور مٹی کے مادھوؤں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا۔ ان لوگوں نے میری حیثیت کا بیڑہ غرق کر دیا تھا کچھ بھی تھا اپنے ماحول میں بہر صورت میں ایک زندہ حیثیت رکھتا تھا، ٹھیک ہے مجرم تھا، مغرور تھا، لیکن اپنے طور پر جان بچانے کی کوششیں تو کر سکتا تھا، لیکن یہاں تو میرا حلیہ میرا مستقبل ہی بدل دیا گیا تھا۔ صرف وہ حالات پیش آنے تھے جو ماضی میں تحلیل ہو چکے تھے۔

میں انہیں بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی انہیں بدل سکتا تھا۔

چنانچہ میں نے خود کو ٹھنڈا کیا اور واپس سوزانا کے پاس پہنچ گیا، اپنے آدمیوں کو میں نے ہدایت کی کہ جیسے ہی اوزنکاش کا جہاز سمندر میں اترے مجھے اطلاع دے دی جائے۔

اس دوران مجھے سوزانا کی قربت حاصل رہی اس کی دلنشیں مسکراہٹ، اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی، اور مہکتے ہوئے سانس میرے وجود میں پیوست رہے، واقعی وہ کمال طور پر سحر طراز تھے۔

اس وقت شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ جب میرے ایک خادم نے مجھے اطلاع دی کہ اوزنکاش کا جہاز سمندر پر اتر گیا ہے۔

وقت کا اندازہ یہاں سورج ہی سے کیا جاتا تھا کیونکہ نہ تو یہاں میرے پاس کوئی گھڑی تھی اور نہ ہی وقت دیکھنے کا کوئی مخصوص آلہ، کیونکہ اس زمانے میں گھڑی رائج نہیں ہوئی تھی۔ صرف سورج کے سفر سے ہی وقت کا تعین کر لیتا تھا اور یہ تعین جدید دور کی روایات تھیں۔

چنانچہ میرے آدمی میرے نزدیک پہنچے اور انہوں نے بتایا کہ اوزنکاش کے تین جہاز ساحل پر پہنچ گئے ہیں۔ اوزنکاش اتر آیا ہے اور اب وہ شاید شاہ تیباس کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہے۔

چنانچہ میں نے جلدی جلدی تیاریاں کیں اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تیباس کے محل میں پہنچ گیا۔

میرا اندازہ درست تھا، میرے پہنچنے کے کچھ دیر بعد ہی اوزنکاش بھی شاہ تیباس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، ظاہر ہے یہ اس کا فرض تھا کہ واپس آ کر کوئی کام کئے بغیر شاہ تیباس کو اپنی کامیابی و ناکامی کی وجوہات بتائے اور وہ اسی مقصد کے تحت یہاں آیا تھا۔

میں نے شاہ تیباس ملاقات سے پہلے ہی اوزنکاش سے ملاقات کی، اوزنکاش دراز قامت اور سرخ و سفید آدمی تھا، اسے سمندر کی دھوپ اور نم ہواؤں نے جھلسا دیا تھا، اس کے چہرے پر گرد نظر آ رہی تھی اور ہونٹوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ تھی، تاہم وہ آگے بڑھا اور مجھ سے گلے ملا۔

اور میں نے بھی اسے بڑی محبت سے گلے لگایا: "کہو اوزنکاش کیسے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک نہیں ہوں سائنو۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں۔ مجھے یہ اطلاع مل چکی ہے کہ تم ڈاگرے کو شکست دینے میں ناکام رہے ہو۔"

"ہاں دوست۔ لیکن میری ناکامی صرف میرا قصور نہیں ہے۔" اوزنکاش نے جواب دیا۔

"یقیناً۔ یقیناً ایسا ہی رہا ہوگا، کیونکہ اوزنکاش کا ماضی کبھی بھی برا نہیں رہا ہے۔"

"خیر تم یہ تو بتاؤ کہ شاہ تیباس کے کیا تاثرات ہیں، یقیناً وہ بے پناہ چراغ پا ہوگا اس نے مجھے سزا دینے کا پروگرام بنا رکھا ہوگا لیکن میں یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا سائنو، کیونکہ میرا پورا کنبہ یہاں ہے، ہاں اگر شاہ تیباس مجھے اس بات کی سزا دے تو تم یقین کرو میرے دوست کہ یہ مجھ پر صرف ظلم ہوگا۔"

"نہیں اوزنکاش۔ میں تم پر یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا اور شاید شاہ تیباس بھی اس کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" میں نے جواب دیا۔ اور اوزنکاش کے چہرے پر چند لمحات کے لئے سکون اور خوشی کے تاثرات دوڑ گئے۔

"کیا تمہاری اس سلسلے میں شاہ تیباس سے گفتگو ہوئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا وہ اس بات پر سخت ناراض نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے ناراض تو ہے، لیکن کوئی جارحانہ ارادہ نہیں رکھتا۔" میں نے جواب دیا۔

"کاش ایسا ہی ہو، ورنہ میں تو اپنے اہل خاندان کی طرف سے بھی فکرمند ہو گیا تھا۔ بنباس کے بارے میں کون نہیں جانتا۔ جو صرف فیصلے کرتا ہے سوچتا نہیں ہے۔" اونکاش نے کہا۔

ہم دونوں گفتگو کرتے ہوئے آگے پہنچ گئے تھے۔ اور پھر ہم اس وقت تک باہر ہی رکے رہے، جب تک کہ شاہ بنباس نے ہمیں اندر اپنے مخصوص کمرے میں آنے کی اجازت نہ دی۔

چنانچہ جس وقت ہم اس کی نشست گاہ میں داخل ہوئے تو نشست گاہ میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، کنیزوں وغیرہ کو ہٹا دیا گیا تھا۔ شاہ بنباس کے چہرے پر غیض و غضب کے اثرات نمایاں تھے۔

اس نے بھنوئیں اٹھا کر اونکاش کی جانب دیکھا، پھر میری طرف اور اس کے بعد دوبارہ اونکاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ ہاں مجھے تمہاری آمد کی اطلاع مل گئی تھی اور مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ تم بنباس کا نام سمندر میں ڈبو آئے ہو۔" بنباس نے غیظ و غضب سے بھرپور لہجے میں کہا اور اونکاش نے گردن جھکا لی۔

"لیکن اونکاش میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری ناکامی کے اسباب کیا تھے۔" شاہ بنباس نے کہا۔

"معزز شہنشاہ اونکاش اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس ناکامی کے بعد وہ بھی سمندر میں غرق ہو کر جان دے دیتا، لیکن شاہ بنباس کی اجازت کے بغیر اس نے یہ بھی مناسب نہیں سمجھا، اگر اونکاش قابل گردن زدنی ہے تو شاہ بنباس کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ بھی اسے موت دے سکتے ہیں، اور اونکاش اس کے لئے تیار ہے۔ لیکن مرنے سے پہلے وہ شاہ بنباس کو ڈاگرے کے بارے میں کچھ بتا دینا پسند کرے گا۔" اونکاش نے حلیم لہجے میں کہا۔

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" بنباس نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا معزز شہنشاہ کہ ڈاگرے کو صرف ایک بحری قزاق سمجھ لینا ایک خطرناک غلطی ہے وہ صرف چھوٹا سا باغی نہیں رہا ہے بلکہ اس نے اپنی قوت اس قدر بڑھا دی ہے کہ اب وہ شاہ کی فوجوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ساحل کی جانب بھی رخ کر سکتا ہے۔" اس نے کہا اور بنباس کی زبردست غراہٹ گونج اٹھی۔

"کیا بکتے ہو۔" وہ اپنی نشست گاہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اور قہر آلود نگاہوں سے اونکاش کو دیکھتا رہا، اس کے ہونٹوں سے کف جاری ہو گیا، شدت غیظ سے وہ کئی بار اٹھا اور بیٹھ گیا۔

"کیا بکواس کرتے ہو۔" اس نے اس بار کسی قدر آہستہ سے کہا تھا۔

"میں نے عرض کیا شاہ معظم، میری زندگی اور موت شاہ کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک مجھے قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کیا اس سے پہلے اونکاش نے شاہ سے لئے کوئی کام کرنے میں لاپرواہی یا کوتاہی سے کام لیا ہو، یا کسی سلسلے میں دروغ گوئی سے کام لیا ہو تو اس بات کو مدِ نگاہ رکھا جائے۔"

"تو تمہاری مراد ہے کہ بحری قزاق، وہ باغی وہ لٹیرا اب اس قدر طاقتور بن گیا ہے کہ شاہ بنباس کے مقابل آنے کی سوچتا ہے۔"

"ہاں۔"

"اور اس نے اپنی قوت کس قدر بڑھا لی ہے۔"

"بے پناہ شاہ۔ اس نے انتہائی تیز رفتار کشتیاں اور جہاز تیار کئے ہیں، جو نجانے کس طرح سمندر کے اندر تک چلے جاتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے سطح سمندر پر آ جاتے ہیں۔ ایسے جہازوں میں اس نے اپنے آدمیوں کو چھپایا ہے اور جب وہ حملہ کرنے کے لئے آتا ہے تو ایسی خطرناک چیزیں لے کر آتا ہے۔ آتشیں اسلحے کی اس کے پاس کمی نہیں ہے بے پناہ خوفناک ہتھیار اس نے جمع کر رکھے ہیں اور آدمیوں کی اتنی بڑی تعداد اس کے پاس ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسے ایک چھوٹی موٹی فوج کہہ سکتا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ لیکن یہ قوتیں اس نے کہاں سے حاصل کیں۔"

"یہ معلوم کرنے میں اونکاش ناکام رہا ہے۔"

"خیر تم یہ بتاؤ کہ تم سے اس کا مقابلہ کیسا رہا۔"

"بے حد خطرناک۔ ہم نے جب سمندر کے ایک حصے میں اپنے آپ کو پایا اور اس حصے میں ہمیں گمان تھا کہ یہاں ڈاگرے سے ملاقات ہو سکتی ہے تو ہم نے اپنے طور پر اپنے دوسرے افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے جہازوں کو ایک وسیع دائرے میں پھیلا دیا۔ ان سب کو ہدایت کر دی گئیں کہ وہ دن

اور رات چاروں طرف نگاہ رکھیں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ سمندر میں کہیں کسی جگہ کوئی تحریک تو نہیں ہوتی۔ ہم نے قرب و جوار میں نگاہ رکھی اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش بھی کی۔ کہ کیا ڈاگرے کسی جزیرے پر اپنا تسلط رکھتا ہے، لیکن خشکی پر ہمیں ایسے کوئی آثار نہیں ملے۔ تب ہم سمندر میں ہی اس کا انتظار کرتے رہے، ایک دن ایک رات انتظار کرنے کے بعد جب ہم سب اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف تھے اور صرف وہ جہاز گردش کر رہا تھا جسے رات کی چوکیداری پر معمور کیا گیا تھا تو اچانک ایک دوسرے جہاز سے ہمیں خطرے کی اطلاع دی گئی۔ خطرے کا بگل بجا کر ہمیں بتایا گیا کہ گشت کرنے والے جہاز پر حملہ کیا گیا ہے، ہم نے اپنے تمام جہازوں کو روشن کر دیا تاکہ سمندر کی تاریکیوں پر نگاہ دوڑا ئیں اور معلوم کریں کہ حملہ کس طرف سے ہوا ہے، لیکن ہمیں کچھ پتہ نہ چل سکا۔

البتہ ہم نے اس جہاز کو آگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے دیکھا جو گشت کر رہا تھا۔ ہم اس کی جانب مدد کو دوڑ پڑے لیکن جہاز پر اس طرح آگ لگائی گئی تھی کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔

یہ ہمارا پہلا جہاز تھا جسے ڈاگرے نے غرق کیا۔ ہم اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ اس نے کب اور کس طرح جہاز پر حملہ کیا ہے، ہم سوچ رہے تھے کہ وہیں کچھ فاصلے پر کھڑے ایک اور جہاز پر آگ لگ گئی۔

تب ہم نے پہلی بار ڈاگرے کی وہ کشتیاں دیکھیں جو چھوٹی تھیں، لیکن ان پر سے انتہائی خوفناک گولہ باری کی جا رہی تھی اور جہاز پر آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ اور ہم نے اس طرف دوڑنا شروع کر دیا اور جب ہمارے جہاز وہاں تک پہنچے تو ڈاگرے کی کشتیاں سمندر میں تحلیل ہو چکی تھیں۔ وہ انتہائی پھرتی سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ دور دور تک کسی جزیرے کا نشان بھی نہیں تھا جس سے محسوس ہوتا کہ ڈاگرے کا قیام کسی خشک علاقے میں نہیں ہے۔

رات کو ہمارے دو جہاز تباہ ہو گئے۔ ڈوبنے والے افراد کا کوئی شمار نہ تھا بلکہ بچنے والے چند افراد تھے۔ بچنے والے چند افراد ہمارے نزدیک پہنچ گئے، انہوں نے ہمیں حملے کی تفصیلات بتائیں۔

ڈاگرے کی کشتیوں پر بے شمار لوگ تھے۔ یہ کشتیاں سمندر سے اچانک ہی بلند ہوئی تھیں یہ نہیں پتہ چل سکا تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہیں اور انہوں نے کہاں سے حملہ کیا، جس انداز سے وہ حملہ آور ہوئی تھیں اس سے یہ سمجھنا بھی مشکل تھا کہ وہ کس طرح ہوا۔

ہم سوچ رہے تھے کہ ڈاگرے صرف راتوں کو حملہ کر کے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، لیکن یہ گمان نہیں تھا کہ تیز چمکتے ہوئے سورج میں بھی وہ ہمارے مقابل آ سکتا ہے۔ ہاں ہم نے دیکھا کہ چند جہاز تیزی سے ہماری طرف آ رہے ہیں اور ان پر ڈاگرے کا سانپ کا نشان لہرا رہا ہے۔

درحقیقت میں حیران رہ گیا تھا کیونکہ ایک بحری قزاق اس قدر طاقتور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ شاہ نیباس کے جہازوں کے مقابل آنے کی جرأت کرتا، گو رات کو اس نے ہمارے دو جہاز ڈبو دیئے تھے، لیکن ہمارے پاس اب بھی ایک بہت بڑی انسانی اور ہتھیاروں کی قوت موجود تھی۔

لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے جہاز تعداد میں کافی تھے انہوں نے ایک نصف دائرہ بنایا ہوا تھا اور برق رفتاری سے ہماری جانب چلے آ رہے تھے، گویا وہ باقاعدگی سے جنگ کی تیاریاں کر کے آئے تھے۔

تب ہم نے بھی اپنے آپ کو منظم کر لیا اور سمندری جنگ ہونے لگی۔ ڈاگرے کے جہاز چونکہ چھوٹے تھے اس لئے برق رفتاری سے راستہ کاٹتے اور پھر اس طرف حملہ کرنے کی کوشش کرتے جہاں سے ہمیں کمزور پاتے۔ ان کے لڑنے کا انداز بہت خوفناک تھا اور یوں جلد ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہونے لگا۔

اس نے ہمارے کئی جہازوں کو نشانہ بنایا، ہم پسپا ہونے لگے، وہ آتشیں اسلحہ سے ہمارے جہازوں کو آگ کی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ اس کے پاس ہلکے جہاز اور سمندر سے اچانک ابھرنے والی کشتیاں موجود تھیں۔ چنانچہ اس دن کا سورج چھپ گیا، آسمان پر دھوئیں اور آگ کا راج تھا۔ ڈاگرے کے بھی کئی جہاز تباہ ہوئے تھے لیکن اس کے لڑنے کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ بدستور ہمیں تباہ و برباد کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور رات تک ہمارے تین اور جہاز غرق ہو گئے، ہمارے آدمی بے پناہ زخمی اور قتل ہوئے تھے۔

رات کی تاریکی میں ایک بار پھر وہ حملہ آور ہوا اور رات کی تاریکی میں اس کی یہ کوششیں ہمارے لئے سم قاتل ثابت ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس نے ہمارے مزید جہاز تباہ کئے اور آبی کشتیوں سمیت سمندر میں نیچے اتر گیا۔ اب ہمارے پاس صرف تیرہ

جہاز باقی بچے تھے۔

اسی رات ڈاگرے نے کسی خاص انداز میں اپنی آواز ہم تک پہنچائی، اور کہا۔

"کہ شاہ بنیاس کو منتظر رہنا چاہیئے اس وقت کا جب ڈاگرے اس پر حملہ کر کے اس کو نیست و نابود کر دے گا اور اپنی حکمرانی قائم کرے گا، اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ ہمیں جانے کی اجازت دے رہا ہے کہ ہم واپس جا کر اس کا پیغام شاہ بنیاس تک پہنچائیں۔ شاہ بنیاس سے کہیں کہ وہ انتظار کرے اس وقت کا جب ڈاگرے اس پر حملہ آور ہو گا۔ کیونکہ ڈاگرے اب صرف بحری قزاق نہیں ہے بلکہ ایک ایسی قوت ہے جسے روکنا شاہ بنیاس کے بس کی بات نہیں ہے" اونکاش نے بتایا۔

اس دوران شاہ بنیاس کسی زخمی سانپ کی مانند تڑپ رہا تھا، اس کے چہرے پر آگ اور خون کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس کی نگاہوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ تب اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"اور ہم اس وقت کا انتظار نہیں کریں گے۔"

اونکاش نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب بنیاس نے میری جانب دیکھا اور پھر قہر آلود لہجے میں بولا۔

"کیا تم اب بھی اونکاش کو ایک ذہین اور سمجھدار افسر کہہ سکتے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا شاہ بنیاس۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اونکاش نے ایسی جنگ لڑی جسے ذہانت کی جنگ کہا جا سکے۔" اس نے پوچھا۔

"میں شاہ بنیاس سے اس موضوع پر پھر گفتگو کروں گا گو یہ گستاخی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اونکاش ہمارا بہترین رہنما ثابت ہو سکتا ہے چونکہ وہ ڈاگرے سے ایک جنگ کا تجربہ کر چکا ہے دوسری جنگ میں شاہ بنیاس کی ذہانت بھی اس میں شامل ہو گی اور پھر وہ اس قدر کمزور ثابت نہ ہو گا جس قدر ہو چکا ہے۔" میں نے اونکاش کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

شاہ بنیاس بھنویں سکوڑ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے سائنو، جو کچھ تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے، لیکن کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اپنے فرائض کیا ہیں تمہاری موجودگی میں اگر کوئی شاہ بنیاس کے بارے میں یہ جملے کہہ جائے تو اس کا کیا حشر ہونا چاہیئے۔"

"وہ جو ڈاگرے کا ہو گا۔" میں نے غراتے ہوئے انداز میں کہا۔ اور میرے اس انداز سے شاہ بنیاس کو بیحد خوشی ہوئی تھی، کیونکہ میں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسی لکیریں دیکھیں جنہیں مسکراہٹ کہا جا سکتا ہے۔

پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو ٹھیک ہے سائنو، اب یہ معاملہ تمہارے سپرد ہے، تیاریاں کرو، پروگرام بناؤ، فیصلے کرو اور ان کے بعد اس سے مجھے آگاہ کرو کہ اب کیا ہونا ہے اور کیا کرنا چاہیئے۔"

"لیکن کسی بھی صورت میں یہ نہیں چاہوں گا کہ شاہ بنیاس کسی بھی سلسلے میں طویل خاموشی اختیار کرے اور اس گستاخ کو سزا دینے کے لئے نہ چل پڑے جس نے ایسے الفاظ کہنے کی جرأت کی ہے۔" میں نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا سائنو۔ ایسا ہی ہو گا۔" شاہ بنیاس نے کہا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ تب میں نے کہا۔

"اب اونکاش کو آرام کی اجازت دی جائے، بہر صورت اس نے شاہ کے لئے کوشش تو کی ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" شاہ بنیاس نے ایک ہاتھ اٹھایا اور دوسرا ہاتھ ایک گجر پر مارا۔ گجر کی آواز گونجی اور خادمائیں چاروں سے کمرے میں داخل ہونا شروع ہو گئیں، ان کے ہاتھوں میں شراب کے آفتابے تھے۔

ہم دونوں باہر نکل آئے۔ اونکاش کی گردن جھکی ہوئی تھی، کافی دور آنے کے بعد اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور آہستہ سے بولا۔

"سائنو میں تمہارے اس احسان کا کبھی صلہ نہیں دے سکوں گا۔"

"کونسا احسان اونکاش۔" میں نے آہستہ سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت تمہاری ذہانت نے مجھے شاہ بنیاس کے عتاب سے بچا لیا، ورنہ مجھے یقین تھا کہ میں بچوں گا نہیں۔ میں واپس آتے وقت سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی موت کے چند لمحات کو اور قریب کر لیا ہے۔ لیکن میں کیا کرتا سائنو، میرا سارا خاندان یہاں تھا۔ اور مجھے واپس آنا ہی تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ شاہ میرا منتظر ہو گا، اور تم بھروسہ کرو میرے دوست کہ اگر یہاں موجود اپنے اہل خاندان کا احساس نہ ہوتا تو میں یہ جہاز لے کر کہیں اور نکل پڑتا، کہیں بھی روپوش ہو جاتا، کیونکہ بنیاس کے بارے میں

اچھی طرح جانتا تھا لیکن میں نے تنہا مرنا مناسب نہیں سمجھا تھا، میں نے سوچا کہ مروں تو اہلِ خاندان کے ساتھ مروں اور میں یہی سوچ کر کہ موت میرا مقدر ہے ــــ یہاں آیا تھا، لیکن تم نے حالات کو جس انداز میں پلٹا ہے اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہی ہو سکتا ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نے میرے اہل خاندان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" اونکاش نے کہا، شدتِ احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میں نے اونکاش کے شانے تھپتھپائے اور کہا "نہیں اونکاش یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، تم بہرحال میرے دوست ہو۔"

"ہاں سائنو۔ تم جیسا فراخ دل انسان تم جیسا عظیم انسان یہ بات کہہ سکتا ہے حالانکہ اونکاش کے ہاتھوں تمہیں جس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑی ہیں، اونکاش انہیں بھول نہیں سکا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اب وہ اپنے کئے پر زندگی بھر پچھتاتا رہے گا۔" اونکاش نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں اونکاش، کوئی بات نہیں۔ اب تم جاؤ اور اپنے اہل خاندان کے ساتھ آرام کرو۔ میں بہت جلد شاہ تیباس کو ہموار کر لوں گا، اس کے بعد ہم جو کچھ کریں گے اس سلسلے میں مجھے تمہارے مشورے درکار ہوں گے۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں سائنو۔ تم جب چاہو مجھے طلب کر سکتے ہو۔" اونکاش نے کہا اور پھر ہم دونوں کے راستے بدل گئے۔

میں واپس اپنی قیامگاہ کی جانب آ گیا تھا، جہاں سوزانا میری منتظر تھی۔ اس نے، دلکش نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"کچھ تھکے تھکے نظر آ رہے ہو سائنو۔"

"سو نا۔" میں نے آہستہ سے اسے پکارا

"ہاں۔ سوزانا کی زندگی، کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"سوزانا تم میری کون ہو۔"

"خادمہ۔ غلام۔"

"کیا تمہارے علاوہ میری زندگی میں کوئی نہیں ہے۔"

"میں۔ میں نہیں سمجھی آقا۔" سوزانا کسی قدر سہم کر بولی۔

"کچھ نہیں سوزانا۔ بس میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میری زندگی میری پہنچ کہاں تک ہے۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا آقا۔"

"تم مجھ پر اس قدر مسلط کیوں ہو سوزانا۔" میں نے کہا اور سوزانا کا چہرہ اُتر گیا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا میری کوئی بات ناگوار گزری ہے۔ یہاں مجھے احساس ہے کہ میں بعض اوقات اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہوں۔ حالانکہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے، لیکن اس میں میرا قصور نہیں ہے۔" اس نے کہا، شدتِ غم سے اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"قصور سائنو کا ہے جس نے مجھے اس قدر جرأت بخشی ہے۔ کہ میں وقت بے وقت اس کے پاس پہنچ کر پریشان کرنے لگتی ہوں۔"

سوزانا رونے لگی تھی۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پکڑے اور اس سے بولا۔

"نہیں سوزانا ایسی بات نہیں ہے تمہیں کوئی سرزنش کرنا نہیں چاہتا تھا، بس میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔"

"میرے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو سائنو۔ خادم تھی۔ خریدا گیا اور تمہارے حوالے کر دیا گیا۔ تمہاری خدمت میں آئی، تم نے جو سلوک کیا اس سے غلامی کے داغ دھلتے چلے گئے اور اب میں تمہاری خادمہ ہوتے ہوئے بھی خود کو کسی ملکہ سے کم نہیں سمجھتی۔" سوزانا نے جواب دیا۔

"ملکہ تو تم ہو سوزانا۔ اس بات سے کس کو انکار ہے۔" میں نے کہا اور سوزانا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں تمہیں بے پناہ چاہتی ہوں سائنو، تمہارا ایک اشارۂ ابرو مجھے دنیا سے نیست و نابود کر سکتا ہے۔ اگر تم میرے قتل کا حکم بھی دے دو تو وہ میرے لئے قابلِ فخر ہو گا کیونکہ تم میری زندگی ہو۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" میں نے کہا اور وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی۔ تب اس نے لباس تبدیل کرنے میں میری مدد کی اور میرے نزدیک ہی پہنچ گئی۔

"میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا سوزانا، ایک بار پھر میں کہہ رہا ہوں، بس یونہی میں جاننا چاہتا تھا۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں اس قسم کے سوالات آنے لگتے ہیں کہ میں اس ماحول سے اس دنیا سے اجنبی ہوں۔"

"نجانے کیوں۔" سوزانا نے آہستہ سے کہا، اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں اور وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"ہاں سائنو۔ میں بھی کچھ دنوں سے تمہارے اندر کچھ تبدیلیاں محسوس کر رہی ہوں۔ لیکن وہ تبدیلیاں میری سمجھ میں

نہیں آسکیں سائنو۔ خیر جانے دو اور یہاں یہ بتاؤ بیچارے اوزنکاش کا کیا بنا ، شاہ تیباس تو بلاشبہ بے حد چراغپا ہوگا ، اس نے اوزنکاش کے لئے کیا سزا تجویز کی ہے ۔"

"کوئی نہیں سوزانا ۔ اوزنکاش اپنا فرض انجام دے کر آیا ہے ، شکست اور فتح تو حالات کے تحت ہوتی ہے ' اس میں مقدر کا بھی دخل ہے ، بہر صورت شاہ تیباس ڈاگرے کو چھوڑے گا نہیں ۔ وہ بہت جلد کوئی مہم وہاں بھیجے گا ۔"

"اس مہم میں تم تو شامل نہ ہوگے ۔" سوزانا نے پوچھا

"کیوں ۔" میں نے اسے گھورا ۔

"اوہو ۔ میرا مطلب ہے ، میرا مطلب ہے ۔" سوزانا خاموش ہوگئی ۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ۔" میں نے سخت لہجے میں کہا ۔

"بس سائنو اگر تم جاؤ تو مجھے بھی ساتھ لے جانا ۔"

"واہ مہموں پر خادماؤں کو ساتھ رکھنا میرا خیال ہے مناسب بات نہیں ہوتی ۔" میں نے کہا ۔

"نہیں ۔ میں جانتی ہوں کہ تم میرے بغیر نامکمل ہو اور میں تمہارے بغیر ۔" سوزانا نے جواب دیا ۔

"ٹھیک ہے سوزانا ۔ لیکن میں جنگ میں تمہیں شریک نہیں کرسکتا کیونکہ اس وقت میں نہیں چاہوں گا کہ میرا ذہن جنگ کے علاوہ کسی اور جانب مائل ہو ۔"

"تو تم مجھے ساتھ نہیں لے جاؤ گے ۔"

"نہیں ۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور سوزانا خاموش ہوگئی ۔ اس بار وہ روئی نہیں تھی ، البتہ اس پوری رات وہ افسردہ رہی ، اور دوسری صبح بھی اس کی وہی کیفیت رہی ۔

لیکن مجھے اس بات کی کیا پرواہ ہوسکتی تھی ۔ ظاہر ہے شاہ تیباس کے کہنے کے مطابق مجھے اس مہم میں زبردست تیاریاں کرنی تھیں اور بہر صورت ڈاگرے کو شکست بھی دینا تھی کیونکہ میں نے شاہ سے اس کا وعدہ کیا تھا اور میں اس کی فوجوں کا سالار بھی تھا ۔ اور وہ اپنے سالار کو ذہین بھی سمجھتا تھا اور اس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا ۔

دوسرے دن مجھے میرے خادموں نے اطلاع دی کہ اوزنکاش میرے پاس آیا ہے ۔ میں صبح کے ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا ۔ چنانچہ میں نے جلدی سے اوزنکاش کو اپنے پاس طلب کرلیا ۔

درجے میں اوزنکاش مجھ سے کم نہیں تھا ، اسے بحری فوجوں کی سالاری سپرد کی گئی تھی ۔ جبکہ میں بری فوجوں کا سالار تھا ۔ میں نے اوزنکاش کا پرجوش استقبال کیا ۔ اور اوزنکاش میرے قریب آگیا ۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے ۔ پھر اس نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے ۔ اور کسی قدر گلوگیر آواز میں بولا ۔

"میری غیر موجودگی میں ، تم نے میرے اہلِ خاندان کو تیباس کے عتاب سے بچایا تھا ۔"

"اگر میری جگہ تم ہوتے اوزنکاش ۔ تو کیا ایسا نہ کرتے ۔"

"نہیں سائنو ۔ میں نہیں کہہ سکتا ۔ تم عظمت کا پہاڑ ہو ۔ میں تمہارے مقابلے میں اپنا ظرف چھوٹا پاتا ہوں ۔" اوزنکاش گردن جھکا کر بولا ۔

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے ۔ اور اب تم ان باتوں کو بھول جاؤ ۔"

"میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں اس کا بدلہ کس طرح دوں گا ۔"!

"سمندر کے سینے پر ڈاگرے سے جنگ میں ہم دونوں شانہ بشانہ ہوں گے اوزنکاش ۔ تم میرے لئے دل میں کوئی کینہ نہ لانا ۔ بس ۔ یہی تمہارا بدلہ ہوگا ۔ میں چاہتا ہوں ہمارے درمیان مثالی تعاون ہو ۔" اور اوزنکاش کے ہاتھوں کی گرفت میرے بازوؤں پر سخت ہوگئی ۔ گویا اس نے وعدہ کیا تھا ۔ اور پھر ہم دونوں باہر نکل آئے ۔ ہمارے سینوں میں ڈاگرے کے خلاف لاوا کھول رہا تھا ۔ اور بہت جلد سمندر کے سینے پر ایک خوفناک جنگ کا آغاز ہونے والا تھا ۔

اور یہ خوفناک جنگ جیسا کہ میرا خیال تھا زیادہ دور نہ تھی۔
تیباس ہر قیمت پر یہی چاہتا تھا کہ ڈاگرے کا قلع قمع ہو جائے اور اس کا خطرہ ٹل جائے۔

ظاہر تھا کہ ڈاگرے کی اس قوت سے شاہ تیباس کی بے عزتی ہو رہی تھی، لوگ ڈاگرے کو زیادہ حیثیت دینے لگے تھے اور یہ کہنے لگے تھے کہ ڈاگرے ناقابلِ تسخیر حکومت ہے۔

ڈاگرے کی تعریفیں بڑھتی جا رہی تھیں، اس نے اذنکاش جیسے بہادر جرنیل کو شکست دی تھی اور وہ اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکا تھا۔

شاہ تیباس کے خلاف یوں تو بے شمار لوگ تھے، لیکن ان میں سے کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ شاہ تیباس کے خلاف ذہن میں موجود لاوا اگل سکے۔ لیکن ڈاگرے کی کوششوں سے ان لوگوں کو بھی زبان مل گئی تھی جو شاہ تیباس کے خلاف ذہن میں عداوت رکھتے تھے اور کچھ بول نہ سکتے تھے، اب جو چاہتے تھے کہہ رہے تھے۔

تیباس ان باتوں سے اچھی طرح واقف تھا، لیکن وہ کس کس کی زبان باہر نکلوا تا، کس کس کو مرواتا۔ بات صحیح تھی۔

بحری قزاق ڈیکا عرف ڈاگرے نے اس کی ساری شہرت و عزت خاک میں ملا کر پھینک دی تھی اور وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ چنانچہ جب میں نے شاہ تیباس سے کہا۔

کہ میں اذنکاش کے ساتھ ڈاگرے کے مقابلے کے لئے جانا چاہتا ہوں۔

”ضرور سائنو۔ تمہیں جانا چاہئے۔ اور کیا میں امید رکھوں کہ تم مجھے فتح سے ہمکنار کرو گے۔ میری عزت بڑھانے میں معاون ثابت ہو گے۔“

”شاہ تیباس، سائنو اپنی جان دے کر بھی تیری عزت بڑھانے کی کوشش کرے گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”کاش ایسا ہی ہو سائنو۔“ اور اس نے نہایت خوشی سے مجھے جانے کی اجازت دیدی۔ اس نے میرے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز مجھے شاہ تیباس کے تعاون سے حاصل ہو رہی تھی۔

بے شمار بہادر اور لڑاکا فوج لے کر میں بارہ جنگی جہازوں کے ساتھ ڈاگرے کی سرکوبی کے لئے چل پڑا۔

اذنکاش میرے ساتھ تھا اور بہر صورت اس نے بہت سے عہد کئے تھے، اس نے مجھ سے ایک دن کہا۔

"سائنو۔ میں تیرا ضرورت سے زیادہ احسان مند ہوں اور تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے کسی حکم سے انحراف نہیں کروں گا۔"

"نہیں اوزنکاش، میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ اگر تو اس بات کو اپنے لئے احسان سمجھتا ہے تو یہ غلط ہے۔ میں نے صرف شاہ تیتاس کے اندھے فیصلوں میں لچک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"تو عظیم ہے سائنو۔ لیکن تو یقین رکھ کہ میں آخری دم تک ڈاگرے سے جنگ کروں گا اور اس سلسلے میں جتنی بھی حکمت عملی سے کام لیا جا سکتا ہے، لوں گا۔"

"بہتر ہے اوزنکاش" اور ہماری گفتگو ختم ہو گئی لیکن اس کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کیونکہ ڈاگرے سے ایک جنگ کر کے ناکام ہو چکا ہے اس لئے اگر اس جنگ میں فتح ہوئی تو وہ تمہارے نام سے منسوب ہو گی۔

مجھے اپنے نام و نمود کی کوئی پرواہ نہیں تھی، صرف ایک بات پر عمل کرنا چاہتا تھا جو میرے سپرد کی گئی تھی۔ میں ہر قیمت پر ڈاگرے کو تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ہمارے جنگی جہاز برق رفتاری سے سمندر کے سینے پر سفر کر رہے تھے۔ میں اور اوزنکاش جس جہاز پر تھے، وہ جہاز باقی تمام جہازوں کو ہینڈل کر رہا تھا۔ اس میں اعلیٰ قسم کا فوجی اور جنگی سامان موجود تھا اس جہاز میں موجود آدمیوں کی حیثیت بلند تھی۔

ہم لوگوں کے حوصلے بلند تھے اور ہم ڈاگرے سے شاندار جنگ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے اور بڑے باہمت نظر آ رہے تھے۔

بہر صورت میں یہ ہی سوچ رہا تھا کہ مجھے اس جنگ میں فتح حاصل کر کے لوٹنا چاہئے ورنہ مجھ میں اور اوزنکاش میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔

لیکن پروفیسر علی رحمان بیگ کی حیثیت سے جب میں ان تمام باتوں کو سوچتا تو مجھے بیحد حیرت ہوتی۔

ڈاگرے خود مجھے اپنی دنیا میں لایا ہے، لیکن یہ کیا بات ہے، میں اس ماحول میں آیا ہوں، لیکن اس کے باوجود کہ ڈاگرے مجھے اپنے ماحول میں لایا ہے میں اس کا دشمن ہوں۔ اس بار کچھ اور جدت ہوئی تھی۔ یعنی یہ کہ میں ایک دشمن کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔

بہر صورت دیکھنا یہ ہے کہ یہ انوکھی رات کیا کیا ہنگامے لے کر آتی ہے، اور کیسی شکل میں گرفتار کر کے اس رات کی صبح ہو گی۔

بہر صورت ایک بات کا تو مجھے یقین تھا وہ یہ کہ جب یہ رات ختم ہو گی اور صبح طلوع ہو گی تو میں اس میوزیم میں ہوں گا، جہاں سے میں اس ماحول تک پہنچا ہوں۔

سمندر کا سفر دن رات جاری رہا۔ اوزنکاش ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ میں اس سے مدد حاصل کر رہا تھا۔

بالآخر ایک طویل سفر کرنے کے بعد ہم سمندر کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئے جس کے چاروں طرف خشکی کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

انوکھا سا ماحول تھا اور بڑی خوفناک صورتحال تھی، سمندر میں تلاطم تھا، اس لئے جہازوں کی رفتار سست کر دی گئی، جہازوں کا بیڑہ ایک دوسرے کے بہت نزدیک تھا اور تمام سپاہی کسی خوفناک بات کے منتظر تھے...

لیکن ابھی تک ہمیں سمندر میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو قابل ذکر ہوتا۔

سپاہیوں کے حوصلے بلند تھے، ابھی تک وہ خاصے پرجوش اور مطمئن تھے۔ اوزنکاش کی نگاہیں اب چاروں طرف بھٹکتی رہتی تھیں۔ رات کی تاریکی میں بھی وہ بادبان کے نزدیک بنے ہوئے ستون پر چڑھا دور دور تک دیکھتا رہتا تھا۔ بعض اوقات میں بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ حالانکہ اتنی بلندی پر مجھے بڑا خوف محسوس ہوتا تھا۔

یہ کمزوریاں مجھ میں تھیں یعنی علی رحمان بیگ کی حیثیت سے بھی میں بلندیوں سے خوف کھاتا تھا، لیکن اس وقت چونکہ میری شخصیت میں تبدیلی تھی اس لئے میں ستون پر چڑھنے میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں کرتا تھا لیکن ان بلندیوں پر پہنچنے کے بعد جب بھی علی رحمان بیگ کی حیثیت سے میں نے سوچا مجھے خوف کا احساس ضرور ہوتا تھا۔

اس وقت آدھی رات گزر چکی تھی، چاند چھپا چھپا سا تھا، البتہ ستارے جگمگا رہے تھے۔ اور یہی ستارے ہمارے رہنما ستارے تھے۔

اوزنکاش میرے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ ہم بے انتہا بلندی پر تھے اور جہاز ہچکولے کھا رہا تھا۔ سمندر کی تیز ہوائیں ہمارے جسموں کو نم کرتی ہوئی گزر رہی تھیں کہ دفعتاً اوزنکاش چونک پڑا۔

"سائنو" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے اوزنکاش" میں نے پوچھا۔

"وہ دیکھو، دور کہیں کچھ روشنیاں ٹمٹماتی نظر آ رہی ہیں۔"

"کس طرف۔"

"وہ ادھر۔ سمندر کی بلندیوں سے کچھ قریب" اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور میں اس جانب دیکھنے لگا۔

"اوہ۔ ہاں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ستارے نہیں ہیں۔"

"اوہ نہیں سائنو۔ یہ تمہیں یہی محسوس ہو گا۔ لیکن چونکہ میں سمندر میں بہت سے دن گزار چکا ہوں۔ اور سمندر میں ڈاگرے کے جہازوں کو میں نے پہلی بار اسی انداز میں دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب۔ ہم"

"ہاں۔ یہ ڈاگرے کے جہاز ہیں۔"

"اوزنکاش میں تمہاری بات سے متفق نہیں ہوں۔"

"کیوں۔"

"وہ جہاز نہیں ہو سکتے۔"

"لیکن کیوں سائنو"

"تم غور سے دیکھو اذنکاش۔ دیکھو وہ کتنی بلندی پر ہیں"

"روشنی کی بات کر رہے ہو سائنو"

"ہاں"

"ڈاگرے کے جہازوں کے ستون بہت بلند ہوتے ہیں اور پھر رات میں سمندر میں روشنیاں اسی مانند نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ آسمان سے ملی ہوئی ہوں، بلاشبہ تم انہیں ستارے کہہ سکتے ہو۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد تم دیکھنا کہ یہ ستارے نمایاں ہو جائیں گے اور اس کے بعد تم اذنکاش کی بات کے وزن کو سمجھو گے۔"

"کیا واقعی" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں"

اور ہم نے نگاہیں ان روشنیوں پر جما دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ بلاشبہ وہ روشنیاں متحرک ہیں اور یقینی طور پر وہ ستارے نہیں ہیں۔ تب میں نے اذنکاش سے کہا۔

"اذنکاش کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ڈاگرے ہی کے جہاز ہوں"

"اصل میں میرے دوست، میں نے پہلی بار انہیں اسی انداز میں دیکھا تھا، اس وجہ سے میرا ذہن اس طرف گیا ہے، ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ڈاگرے کے جہاز نہ ہوں، کسی اور کے ہوں اور سفر کر رہا ہو۔ لیکن کیا تم اس بات کو نظر انداز کر دو گے کہ وہ ڈاگرے کے جہاز بھی ہو سکتے ہیں" اذنکاش نے کہا۔

"نہیں اذنکاش میں تم سے متفق ہوں لیکن اب کیا کیا جائے"

"ڈاگرے جس انداز میں سامنے آیا ہے سائنو، اس سے مجھے پرانی باتیں یاد آ گئی ہیں پہلے بھی وہ اس انداز میں رات کو آیا تھا اور صبح ہونے سے پیشتر ہی اس نے ہمارے جہازوں کو ایک لمبے دائرے میں گھیر لیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی کارروائی شروع کر دی تھی، چنانچہ اس بار بھی وہی لگتا ہے" اذنکاش نے کہا۔

"میرا خیال ہے اذنکاش تم اپنے سپاہیوں کو مکمل طور پر خبردار کر دو"

"ہاں یہ درست ہے"

"تمہارے خیال میں ڈاگرے ہمارے نزدیک کب تک پہنچ جائے گا"

"میرا خیال ہے وہ رات کی تاریکی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور جلد از جلد یہاں پہنچے گا، تاکہ رات کو سوتے ہوئے اور نیند میں ڈوبے ہوئے لوگوں پر حملہ آور ہو۔ اس طرح فتح حاصل کرنے زیادہ مشکل نہ ہو گی"

"خوب۔ اس کا مقصد ہے وہ کافی چالاک آدمی ہے"

"بے حد سائنو بے حد" اذنکاش نے جواب دیا۔

"اچھا اذنکاش۔ تو میرا خیال ہے کہ ابھی تو اتنا وقت ہے کہ ہم اپنے آدمیوں کو نہایت اطمینان سے ہدایات جاری کر سکتے ہیں"

"ہاں سائنو"

"تب پھر جہازوں کو سست رفتاری کا اشارہ جاری کیا جائے" میں نے کہا۔ اور اذنکاش میری اس بات پر عمل کرنے لگا۔

وہ سمندری اشاروں کا ماہر تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس نے روشنی کے اشارے نشر کرنا شروع کر دیئے۔ پیچھے والے جہازوں کو باقاعدہ اشارے مل رہے تھے۔ اور یوں جہازوں نے روشنی کی زبان میں گفتگو شروع کر دی۔

تب میرے حکم پر اذنکاش نے باقاعدہ انہیں ہدایت دی، اور یہ انوکھی ہدایت تھی۔ بلاشبہ سمندر کے سینے پر یہ روشنی کی زبان میرے لئے انوکھی اور اجنبی تھی۔ تب اذنکاش نے مجھے بتایا کہ اس زبان میں دنیا کا ہر لفظ شامل ہے اور اسے باآسانی ایک دوسرے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ میں دلچسپی سے اذنکاش کو دیکھتا رہا۔ اذنکاش میری ہدایات نشر کر رہا تھا۔ تب میں نے اپنے آدمیوں کو آگاہ کیا۔

کہ وہ جہازوں پر اس انداز میں نظر آئیں جیسے کہ وہ سو چکے ہوں بالکل خاموش اور لاپرواہ، لیکن انہیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ آتشیں گولے، بندوقیں، منجنیقیں اور تیر انداز ہوشیار رہیں۔ اور جس وقت حملے کا حکم ملے تو اس خوفناک انداز میں حملہ کیا جائے کہ قریب آنے والے ششدر رہ جائیں، ڈاگرے کے جہاز یہ سوچ کر ہمارے قریب آئیں گے کہ ہم سو رہے ہیں، اس لئے وہ فاصلے کا اندازہ بھی نہ کر سکیں گے اور جب ہم اچانک اس پر حملہ کریں گے تو وہ حملے کے لئے تیار نہ ہوں گے اس طرح ہم ایک ہی حملے میں انہیں خوفناک طریقے سے پسپا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تمام کام اس ہدایت اور میری پسند کے مطابق ہوں۔

"میں یہ تمام ہدایات جاری کئے دیتا ہوں" اذنکاش نے کہا اور پھر اس نے دوسرے جہازوں کو ہدایات جاری کرنا شروع کر دیں۔

ہدایات کا جواب اسے روشنی کی زبان میں مل رہا تھا، تھوڑی دیر تک سوال و جواب کا یہ سلسلہ جاری رہا، پھر میں نے محسوس کیا کہ اذنکاش کی ہدایات پر بہت تیزی سے عمل کیا جا رہا ہے۔ جہاز ایک دوسرے سے کافی دور ہو گئے تھے، اس لئے تاکہ پھیل کر ڈاگرے کے جہازوں کا مقابلہ کر سکیں۔

میں مطمئن انداز میں یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ لیکن سچی بات کہوں گا کہ سائنو کی حیثیت سے بھی میرے ذہن میں ایک خوف جاگزیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈاگرے کو شکست دینا کوئی آسان کام تو نہیں ہے اس کے لئے سخت محنت کرنا ہو گی، اس کے علاوہ ہر کام اس انداز میں ہونا چاہئے جس انداز میں، میں چاہتا ہوں، اذنکاش اس مہم میں ناکام رہا تھا لیکن میں خوف محسوس کرتے ہوئے بھی ڈاگرے پر ایک کاری ضرب

لگانا چاہتا تھا۔

میری دلی خواہش تھی کہ میں ڈاگرے کو باآسانی قابو میں کروں،

چنانچہ ہمارے جہاز سست رفتاری سے سفر کرنے لگے، سمندر کے سینے پر ایک عجیب سے سناٹے کا آغاز ہو گیا تھا۔ یہ سناٹا یقینی طور پر کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے، لیکن طوفان سمندر کے پانی میں نہیں آنے والا تھا بلکہ اس طوفان کا محرک کچھ اور ہی تھا۔

ڈاگرے کے جہازوں کے بارے میں ایسا کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ اس کے جہازوں کی تعداد بھی آٹھ یا دس کے قریب تھی اور وہ نہایت منظم طریقے سے پھیل کر آ رہے تھے، اس نے روشنیاں بجھوا دی تھیں لیکن تاریکی کے باوجود، چاند کی ہلکی روشنی ان جہازوں کے سائے صاف محسوس ہو رہے تھے، جبکہ ہمارے جہازوں کی روشنیاں ان کو خاص طور سے متوجہ کرنے کے لئے کافی تھیں اور مجھے فاصلے کا تعین کرنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے جہازوں کی روشنیاں مسلسل جل رہی تھیں۔ ڈاگرے کے جہازوں پر موجود لوگوں کو یقین کامل تھا کہ ان کی کوشش مکمل طور سے کامیاب ہے اور ابھی تک ہمیں ان کی آمد کا پتہ نہیں چلا ہے۔

وہ یہ سوچ رہے تھے کہ شاید بادبانوں پر موجود لوگ سو چکے ہیں، کیونکہ وقت ہی ایسا تھا۔ اور ڈاگرے نے اس وقت کا انتخاب خصوصی طور پر کیا تھا۔

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس خاموشی میں بھی طوفان چھپے ہوئے ہیں، ہم بدستور انتظار کر رہے تھے کہ ڈاگرے کے جہاز اس قدر قریب آ جائیں کہ ہماری پہلی کوشش مکمل طور پر کامیاب ہو جائے اور وہ سوچ بھی نہ سکیں کہ جن لوگوں کو وہ غافل سمجھے تھے وہ اتنی خوفناک تباہی لے کر سامنے آئیں گے۔

ہر لمحہ دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں، ہر لمحہ اسی سکوت کے ساتھ گزر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ڈاگرے کے جہاز اتنے نزدیک آ گئے کہ ان پر تیروں، منجنیقوں اور آگ کے شعلوں کی بارش کر سکیں۔

تب ایک جہاز سے اوذکاش کی بھرپور آواز گونجی، یہ آواز تمام جہازوں کے لئے تھی، اس کے ساتھ ہی ایک تیز روشنی بھی ملی اور جس کا مقصد تھا کہ حملہ کر دو۔ چنانچہ سوتے ہوئے سمندر میں خوفناک شور جاگ اٹھا۔ اور ہمارے جہازوں سے اتنی تباہ کن شعلہ زنی اور تیر اندازی کی گئی کہ ڈاگرے کے جہازوں پر موجود لوگ بدحواس ہو گئے۔

دوسری طرف سے تو چیخوں کی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی، غالباً شدت حیرت سے لوگ آگ سے جل کر اور تیروں سے چھلنی ہو کر مر گئے تھے اور انہیں چیخنے کا وقت بھی نہ ملا تھا۔

بڑے بڑے پتھر جہازوں پر جا کر گر رہے تھے، اس کے ساتھ ہی جلتے ہوئے شعلے اور پھر تیر آگ کے شعلے ان کے بادبانوں میں آگ لگا رہے تھے

ڈاگرے کے لوگ چونکہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ تیباس کے جہاز چونکہ پوری طرح غفلت میں ہیں اس لئے ان پر قابو پانا زیادہ مشکل نہیں ہے، اس لئے انہوں نے اپنے تیر اندازوں کو پیچھے رکھا تھا۔ اور ان کی یہی کوشش تھی کہ جہازوں کے قریب پہنچ کر ان جہازوں پر اتر جائیں اور ان پر خوفناک حملہ کر کے پہلی ہی کوشش میں انہیں تباہ و برباد کر ڈالیں لیکن ڈاگرے کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

اس کے تمام جہاز ہمارے جہازوں کی زد میں تھے اور کون سا جہاز ایسا تھا جس سے شعلے بلند نہ ہو رہے ہوں، آگ ان لوگوں کے قابو سے باہر کی تھی، اوپر سے پتھر جہازوں پر گر رہے تھے۔ اور جہازوں کے ٹوٹنے اور ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

پھر جو شخص سیدھا کھڑا ہوتا اور صورتحال جانچنے کی کوشش کرتا تو کوئی نہ کوئی چیز اس کے جسم میں پیوست ہو کر اسے تمام وسوسوں اور تجسس سے آزاد کرا دیتی تھی۔ یہ خوفناک حملہ چونکہ پوری قوت اور پوری رفتار سے کیا گیا تھا اس لئے نہایت کارآمد رہا تھا۔ ظاہر ہے سمندر میں موجود بڑے بڑے دیوہیکل جہاز لمحات میں پیچھے نہیں ہٹائے جا سکتے تھے، ان کے بھاگنے میں بھی کافی وقت درکار تھا، اور ڈاگرے پوری طرح ہماری سازش کا شکار ہو چکا تھا

سمندر کا شہنشاہ ڈاگرے عرف ڈبگا، جس کی قوت کے بارے میں اوذکاش کوئی اندازہ نہ لگا سکا تھا اب بے بس ہو گیا تھا، وہ بری طرح بدحواس تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جوابی حملے کے لئے اپنے لوگوں کو کس طرح تیار کرے جو پہلے ہی حملے میں بری طرح زخمی اور گھائل ہو گئے ہیں۔ اب سنبھل کر جوابی حملہ کیسے کر سکتے ہیں۔

چنانچہ ڈاگرے بدحواس تھا۔ میں اپنے ستون کے اوپر اس جگہ کھڑا تمام کارروائی دیکھ رہا تھا جہاں سے سمندر میں دور دور تک نگاہ دوڑائی جاتی ہے۔ اور یہ کارروائی انتہائی مؤثر ثابت ہو رہی تھی جس سے اوذکاش بھی خوش تھا اور میری خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ تب اوذکاش نے میرا شانہ دبلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ سائنو۔ سائنو۔ تم دیکھ رہے ہو۔ ڈاگرے بھاگنا چاہتا ہے لیکن بھاگ نہیں سکتا۔"

"ہاں اوذکاش۔"

"افسوس سائنو۔ یہ سہرا بھی تمہارے ہی سر رہا، لیکن نہیں میرے دوست، مجھے معاف کرنا۔ میں نے افسوس غلط کہا ہے، تم مجھ سے مختلف نہیں ہو لیکن کاش میں بھی تمہاری مانند ذہین اور چالاک ہوتا۔ بلاشبہ تیباس تمہیں جو حیثیت دیتا ہے وہ بے مقصد نہیں ہے، آج میں نے دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے۔"

"اوذکاش میرے دوست، ہمارا مقصد دشمن کو تہس نہس کرنا ہے، سو ہم اس میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ رہا سہرا کا مسئلہ تو اگر تم چاہو تو اس کا تاج

کو تم اپنے ہی نام سے منسوب کر سکتے ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ڈاگرے جو اس قدر بڑھ چکا ہے اپنی اوقات پر واپس چلا جائے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہمارا یہ پہلا حملہ ڈاگرے کو پہلی کوشش میں مفلوج کر دینے کو کافی ہے۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ سائنو۔ ڈاگرے کے جہاز پیچھے ہٹنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں اور ابھی تک ان جہازوں پر سے کوئی بھی تیر پھینکا نہیں گیا اور نہ ہی کوئی آتشیں گولہ استعمال کیا گیا ہے۔ اب ان میں ہمت کہاں رہی ہے۔ وہ دیکھو" اذنکاش نے ڈاگرے کے جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں انہیں دیکھنے لگا۔

"واہ۔ تم دیکھ رہے ہو سائنو، وہ جہاز پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا ہے، میں بھی اسی طرف دیکھ رہا ہوں۔"

ہمارے آتشیں گولے بری طرح جہازوں پر گر رہے تھے اور بہتر اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ یہ گویا ایسی ہی کوشش تھی جو پہلی ہی مرتبہ دشمن کو جھلسا دینے میں کافی ہوتی ہے اور دشمن کی قوت مفلوج کر دیتی ہے۔

چنانچہ ڈاگرے کی قوتیں مفلوج ہو چکی تھیں اور اب ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ تھوڑی ہی دیر تک اگر ہماری طرف سے ایسی ہی کوششیں جاری رہیں تو اس کے علاوہ ہمیں اور کوشش نہیں کرنی پڑے گی۔

تب میں نے اچانک ہی ایک بات محسوس کی۔ ایک جنگی جہاز بدستور پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ہٹنے کی رفتار خاصی تیز تھی، اس جہاز پر ابھی تک آگ نہیں لگی تھی، البتہ بہت سارے جلتے ہوئے تیر اس کے بادبانوں میں گھس گئے تھے۔ لیکن آگ نجانے کس انداز میں بجھائی گئی تھی۔ وہ جہاز دوسرے جہازوں کی رینج سے دور نکل جانا چاہتا تھا اور میرا اپنا خیال تھا کہ یقیناً ڈاگرے اس جہاز پر ہے۔

چنانچہ میں نے اذنکاش کو اشارہ کیا اور اذنکاش اس جہاز کو دیکھنے لگا۔

"ڈاگرے فرار ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہی لگتا ہے۔ مگر اب۔"

"میرے دوست اذنکاش ہمیں ڈاگرے کو زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں شاہ تیباس کے پاس لے جانا ہے، کیا تم اسے اس طرح نکل جانے دو گے۔"

"نہیں۔ لیکن وہ جا کہاں رہا ہے؟"

"اس کے بارے میں تو بعد میں ہی معلوم ہوگا، ظاہر ہے سمندر میں اس کا کوئی نہ کوئی ٹھکانہ تو ضرور ہوگا۔ وہ کہاں ہے، یہ اس کا تعاقب کر کے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور اذنکاش سر ہلانے لگا۔

"لیکن سائنو، میرے دوست، کیا ہم ان دوسرے جہازوں کو چھوڑ کر ڈاگرے کے تعاقب میں روانہ ہو جائیں۔ میرا خیال ہے ہمارے جہازوں پر سے جو حملہ کیا گیا ہے وہ تمہارے سامنے ہے، اب ڈاگرے یا کسی اور کی مجال نہیں ہے کہ وہ جم کر ہمارا مقابلہ کر سکیں، پھر ہمارے جہازوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، اور شاید ابھی تک ہمارے کسی آدمی کو بھی نقصان نہیں پہنچا جبکہ ڈاگرے کے لوگ بری طرح زخمی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان میں سے شاید کوئی ہی ایسا ہوگا جو زخمی نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر دو بدو مقابلے کی نوبت بھی آ جائے تو ہمارے ساتھی انہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ اور ڈاگرے کا وجود ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا، چنانچہ میرا خیال ہے کہ ڈاگرے کو نکلنے نہ دیا جائے۔" اذنکاش نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے اذنکاش، تم تندرست خطوط پر سوچ رہے ہو، میں بھی تم سے اسی بات کا متوقع تھا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن تھوڑی دیر رکو میں دوسرے جہازوں کو روشنی کی زبان میں اشارہ دے دوں۔" اذنکاش نے کہا اور اس جگہ پہنچ گیا، جہاں روشنیوں کے جلانے بجھانے کا انتظام موجود تھا۔

اس نے اشارہ نشر کیا، جس کی زبان وہی جانتا تھا، میں سائنو کی حیثیت سے اس زبان سے نابلد تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اذنکاش نے مسرور آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے سائنو، ہمارے لوگ مطمئن ہو چکے ہیں، وہ سمجھ گئے ہیں کہ ہم ڈاگرے کے تعاقب میں جا رہے ہیں چنانچہ اب کوئی دقت نہیں ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔ تم اپنے ملاحوں کو اشارہ کرو کہ بادبانوں کا رخ بدل دیں اور ڈاگرے کے جہاز کے تعاقب میں روانہ ہو جائیں۔" میں نے کہا اور اذنکاش تیزی سے ہدایات نشر کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمارا جہاز دوسرے جہازوں سے کٹ کر باہر نکل گیا اور پھر ہم نے اس کا رخ ڈاگرے کے بھاگتے ہوئے جہاز کی جانب موڑ دیا۔ جہاز سیدھا ہو گیا تھا اور برق رفتاری سے اپنا سفر کر رہا تھا۔

گو ہمارے جہاز کی رفتار خاصی تیز تھی، لیکن ڈاگرے کے جہاز پر تو جیسے پر لگ گئے تھے، بلاشبہ اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ فاصلہ جتنا تھا اتنا ہی رہا۔ بلکہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تب میں نے اذنکاش سے کہا۔

"اذنکاش تم محسوس کر رہے ہو کہ ڈاگرے کا جہاز زیادہ تیز رفتار ہے۔"

"اس کی وجہ۔"

"اس کی وجہ یہ ہے میرے دوست کہ وہ چھوٹا ہے اور میرا خیال ہے اس کے بادبان زیادہ کارآمد ہیں اور شاید اس کے آدمی چپو بھی چلا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس جہاز تک پہنچ جانا چاہئے ورنہ وہ کافی دور نکل جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اس کا رخ کسی ایسی پناہ گاہ

کی طرف ہوگا جہاں اس کے دوسرے ساتھی بھی موجود ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک کہا ہے تم نے پھر کیا کیا جائے۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں ڈاگرے کو چھوڑوں گا نہیں۔ میں اسے یہاں سے لیکر ہی جاؤں گا۔" میں نے کہا اور اذنکاش نے گردن ہلادی، پھر وہ کہنے لگا۔

"میں نیچے اترتا ہوں میرے دوست، تم یہاں رکو، میں اپنے آدمیوں کو ہدایات جاری کرتا ہوں۔"

میں نے گردن ہلادی اور اذنکاش نیچے اتر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ جہاز کی رفتار تیز ہو رہی ہے، نیچے اذنکاش کے آدمیوں نے جدوجہد شروع کردی تھی لیکن ڈاگرے کا جہاز تو چھلاوہ تھا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جارہا تھا اس کے ساتھ فاصلہ بھی بڑھتا جارہا تھا۔

جب انہوں نے محسوس کیا کہ ہمارے جہاز کی رفتار تیز ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنے جہاز کی رفتار اور بڑھادی۔ اور وہ پوری قوت سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

تاریکی برق رفتاری سے سفر کررہی تھی اور پھر تاریکی کا سفر ختم ہوگیا، روشنیاں سمٹنے لگیں، اور اب سمندر میں دور تک دیکھا جاسکتا تھا۔

دفعتاً میں نے محسوس کیا جیسے ڈاگرے کا جہاز سمندر میں غرق ہوگیا ہو، بلاشبہ اب جہاز نظر نہیں آرہا تھا۔

اذنکاش ابھی تک نیچے تھا۔ ظاہر ہے بلندیوں سے دور تک دیکھا جاسکتا تھا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ ابھی تک یہ معاملہ اذنکاش کی نگاہوں سے دور ہوگا۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ بھی ہوشیار ہو اور ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہو۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اذنکاش اوپر چڑھنے لگا، اس نے حیران کن انداز میں میرے قریب پہنچ کر مجھ سے کہا۔

"یہ کیا ہوگیا ہے سائنو۔ اس کا جہاز کہاں غائب ہوگیا، او، ادھر دیکھو ادھر تو دیکھو سمندر نظر بھی نہیں آرہا۔ یہ۔ یہ کیا ہے آخر۔" اذنکاش نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"دیکھتے رہو، جو ہوگا دیکھا جائے گا، آخر ڈاگرے کا جہاز بھی تو ادھر گیا ہے ہم بھی ادھر ہی جائیں گے۔" میں نے کہا۔

اور شاید یہ میری دیوانگی ہی تھی، جس جگہ کے بارے میں، میں جانتا نہیں تھا۔ وہاں اس طرح بے دھڑک داخل ہوجانا خطرناک ہی ہوسکتا تھا میں نے اپنے ساتھ بے شمار لوگوں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

پھر جب ہم تھوڑا سا اور آگے پہنچے، تو میں نے محسوس کیا کہ سمندر کے ایک مخصوص حصہ سے دھند اٹھ رہا ہے اور ڈاگرے کا جہاز اسی دھند میں غائب ہوا ہے۔

ویسے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ سمندر کے بعض حصے عجیب وغریب
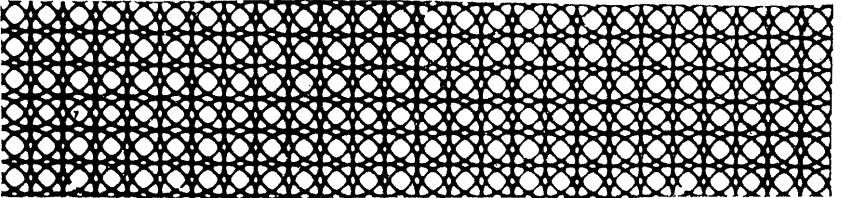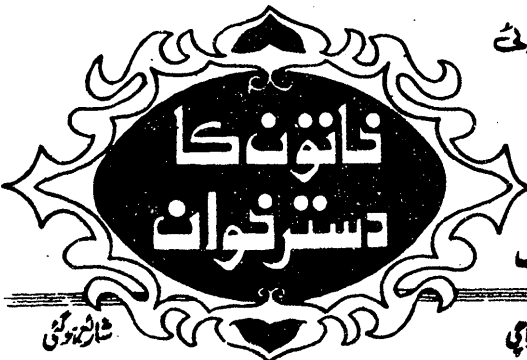
کیفیات کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ میں نے اس بات کو محسوس نہ کیا اور ہمارا جہاز بھی اس دھند میں داخل ہو گیا۔ ہم تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اب عجیب و غریب صورتحال تھی۔

ہمیں چند گز کے فاصلے کی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کے باوجود کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، سفید سفید کہر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب خوفناک منظر تھا۔

ہم نہیں جانتے تھے کہ ہمارے چند قدم کے فاصلے کے بعد کیا ہے، ہمارا جہاز کسی بھی خوفناک شے سے ٹکرا سکتا تھا۔ ہم آگے بڑھ رہے تھے اور اس صورتِ حال کے بعد ہی ہمارے تمام آدمی خوفزدہ ہو گئے۔

انہوں نے جہاز چلانے کی رفتار سست کر دی، لیکن بادبان بدستور اپنا کام کر رہے تھے۔ جہاز سست روی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

تب اوزنکاش نے مجھے ٹٹولا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا "سائنو شاید ہم نے اس دھند میں داخل ہو کر اچھا نہیں کیا ہے۔"

"لیکن اوزنکاش ڈاگرے کا جہاز بھی اسی جانب گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن لیکن ڈاگرے ان راستوں سے واقف ہو گا اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ دھند کے اندر کیا ہے۔" اوزنکاش نے کہا۔

"کیا تم خوفزدہ ہو۔"

"نہیں سائنو۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"پھر۔ جب تم خوفزدہ نہیں ہو تو مقابلہ کرنے کے لئے کترا کیوں رہے ہو۔"

"نہیں سائنو۔ میں مقابلہ کرنے سے نہیں کترا رہا بلکہ۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ دھند کیا ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا اور اوزنکاش خاموش ہو گیا۔

اب دھند اتنی گاڑھی ہو گئی تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بجانے یہ دھند کہاں سے اٹھ رہی ہے اور سمندر کے اس حصے میں یہ کیا پُراسرار سفر چل رہا تھا۔

دن کا غلاف دبیز سے دبیز تر ہوتا گیا۔ ڈاگرے کے جہاز کا نام و نشان نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد نیچے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں، ہم دونوں اُچھل پڑے۔

تب اوزنکاش نے حلق پھاڑ کر پوچھا "کیا بات ہے۔"

"پانی۔ جہاز میں سوراخ کر دیا گیا ہے۔"

"سوراخ۔" اوزنکاش خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ سوراخ، جہاز کے نچلے حصے میں سوراخ کر دیا گیا ہے، آؤ ہم کچھ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ہیں، ان کے سائے ہمیں قرب و جوار میں نظر آ رہے ہیں۔ غالباً انہوں نے جہاز کو نیچے کی جانب سے کسی ذریعے سے چھید دیا ہے۔" جواب ملا۔

اور اوزنکاش میری جانب دیکھنے لگا "سائنو، میں اب بھی یہی کہوں گا کہ ہم نے دھند میں داخل ہو کر غلطی کی ہے۔"

"ان سے کہو جہاز کی رفتار تیز کر دیں، آخر یہ دھند کہیں نہ کہیں تو ختم ہو گی۔" میں نے کہا۔

اور اوزنکاش اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے لگا، بلاشبہ جہاز کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔

ہوا کی سائیں سائیں ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

لیکن چند ہی ساعت کے بعد میں نے محسوس کیا کہ دھند کم ہو رہی ہے، غالباً ہم دھند کے علاقے سے باہر نکل آئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد فضا صاف ہونے لگی، لیکن اب نیچے سے بڑے زور شور سے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

جہاز میں پانی بھرتا جا رہا تھا چھوٹی کشتیوں نے اس میں جگہ جگہ سوراخ کر دیئے تھے۔ اور یہ چھوٹی کشتیاں ظاہر ہے ڈاگرے کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن جب دھند چھٹی تو ہم نے سیاہ رنگ کے اونچے اونچے پہاڑ دیکھے۔

یہ ایک جزیرہ تھا اور یقیناً یہ ڈاگرے کا ہی جزیرہ ہو گا اور یہ جزیرہ آج تک دنیا کی نگاہوں سے اس لئے پوشیدہ ہے کہ اس کے دوسری جانب دھند کے بادل چھائے رہتے تھے۔ بڑی شاندار جگہ کا انتخاب کیا تھا ڈاگرے نے اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا۔

روشنی ہونے کے بعد ہم نے اپنے جہاز کو دیکھا۔ پانی جس تیزی سے بھر رہا تھا اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ جہاز بس کچھ دیر کا مہمان ہے، بڑی ہی کسمپرسی کی حالت پیدا ہو گئی تھی اور پھر ہمارے آدمیوں نے سمندر میں چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔

جہاز ڈوب رہا تھا اس کا وزن بتدریج بڑھ رہا تھا۔ تب ہم نے سامنے دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے دو جہاز بڑے پروقار انداز میں ہماری جانب بڑھ رہے تھے۔ ان میں زیادہ آدمی نہیں تھے لیکن وہ بڑے مطمئن انداز میں ہماری جانب آ رہے تھے۔ اور پھر وہ ہمارے جہاز کے قریب پہنچ گئے پھر ان میں سے چیخ کر کہا گیا۔

"جہاز کے باسیو، اگر تم سمندر میں غرق ہونا چاہتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر جانیں بچانے کے خواہشمند ہو تو آؤ ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

جہاز ہمارے اتنے نزدیک پہنچ گئے کہ ہم ان پر بآسانی پہنچ سکتے تھے، پھر جہاز میں اس قسم کے انتظامات کئے جانے لگے کہ ڈوبنے والے ان

جہازوں پر پہنچ سکیں۔ بے شمار لوگوں نے ان جہازوں میں پناہ لی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی گنجائش نہیں تھی کہ ہم خود کو ڈاگرے کے سپرد کر دیں۔

چنانچہ میں نے اوذکاش کی طرف دیکھا اور اوذکاش نے بے بسی سے میری طرف دیکھا پھر وہ بولا۔

"یہ تو بہت برا ہوا' ہماری فتح شکست میں بدل گئی ہے سائنو، اب کیا کرنا چاہیئے۔" اس نے پوچھا۔

"میرا ایک ہی نظریہ ہے اوذکاش۔ حالات کا آخری سرا بھی اگر ہاتھ سے چھوٹ جائے تو پھر وقت کی گود میں پناہ لینی چاہیئے۔" میں نے کہا اور وہ سینے اترنے لگا۔ تھوڑی کے بعد ہم بھی ڈاگرے کے جہازوں میں منتقل ہو گئے۔

ہمارے بے شمار آدمی جنہوں نے اپنی جان بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی' موجوں کا نوالہ بن گئے تھے اور اب ان کا وجود تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ جن لوگوں نے ذرا صبر سے کام لیا تھا وہ ڈاگرے کے جہازوں میں پہنچ چکے تھے۔ ان کی تعداد بہت کم تھی۔

میں اور اوذکاش بھی ایک جہاز پر پہنچ گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جہاز ساحل پر جا لگے۔

بڑا ہی شاندار جزیرہ تھا' سرسبز و شاداب' گو اس کے اطراف میں کالے پہاڑ بکھرے ہوئے تھے' لیکن کالے پہاڑوں کے دامن میں سبزے کے میدان بچھے ہوئے تھے اور بے شمار درخت نظر آ رہے تھے' جن سے پھلوں کی خوشبو دور دور تک پھیل رہی تھی۔ ہمیں ساحل پر اتار لیا گیا اور پھر باقاعدہ ہمارے ہاتھوں میں رسیاں باندھ دی گئیں۔ گویا اب ہم ڈاگرے کے قیدی تھے اور ان قیدیوں کو ڈاگرے کے سپاہی ایک جانب ہانکنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک مخصوص علاقے میں لے جایا گیا' وہاں اس قسم کا ایک اصطبل موجود تھا' جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں۔ ہمیں اسی اصطبل میں ہانک دیا گیا اور اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

قید ہونے والوں کی تعداد ہم دونوں سمیت تقریباً چھتیس تھی' یہ سب کے سب بری طرح بدحواس تھے' تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے کیونکہ جنگ بھی کی تھی اور پھر سمندر کا اس قدر طویل سفر برق رفتاری سے طے کیا تھا اس لئے وہ نڈھال ہو رہے تھے۔ بہت سے لوگ زمین پر لیٹ گئے' بہت سے ہانپنے لگے۔ میں اور اوذکاش بھی ایک کونے میں کھڑے ہو گئے تھے۔

حالات کی ڈوری ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور اب ہم بے بسی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے علاوہ کیا کر سکتے تھے۔ اوذکاش میری جانب دیکھنے لگا۔ اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ویسے واقعی جلد بازی ہو گئی۔ یوں لگتا ہے کہ کم بخت کی تقدیر بڑی بہت اچھی ہے۔"

"ڈاگرے کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"نہیں اوذکاش بعض اوقات ہماری کوئی حماقت ہمیں شکست سے ہمکنار کرتی ہے۔ ہم نے ڈاگرے کو جو نقصان پہنچایا ہے' میرا خیال ہے اب وہ دوبارہ وہ قوت کبھی حاصل نہیں کر سکے گا جو اسے حاصل تھی اور جن کے ذریعے وہ سمندروں کا شہنشاہ تھا۔"

"لیکن ہم نے ذرا سی جلد بازی سے کام لیا' اگر ہم اس کے تعاقب میں اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے تو شاید یہ صورتحال پیش نہ آتی۔"

"ٹھیک ہے اوذکاش۔ لیکن بہر صورت میں جانتا ہوں کہ یہ غلطی میں نے کی ہے اوذکاش اب جو بھی ہو گا اس سے نمٹا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خوفزدہ نہیں ہوں سائنو' زندگی میں صرف دو ہی چیزیں ملتی ہیں' اگر انسان جنگ کے لئے نکلتا ہے تو فتح یا شکست ملتی ہے۔ ہمیں فتح حاصل ہوئی تھی لیکن اس کے بعد ہماری کچھ حماقتوں نے اسے شکست میں بدل دیا ہے لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ جب تک زندگی ہے کوشش رکھیں گے۔"

"ہاں اوذکاش۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم لوگ خوفزدہ نہ ہو' اپنے حوصلے بلند رکھو۔ اگر اس طرح ڈاگرے کے ہاتھوں تباہ ہونا ہماری تقدیر میں لکھا ہے تو نہ میں اسے روک سکتا ہوں اور نہ تم۔"

پورا دن گزر گیا۔ اور پھر رات بھی گزر گئی۔ لیکن نہ تو ڈاگرے کی طرف سے ہمیں طلب کیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی بات ہوئی تھی جس سے ہم کوئی اندازہ لگا سکتے۔ بس ہمیں وقت پر کھانا فراہم کر دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔

دوسرے دن صبح ہمیں ناشتہ دیا گیا اور اس کے بعد دو تین آدمی ہمارے پاس آئے۔

ایک قوی ہیکل آدمی جس کے سر پر تیروں والا ٹوپ رکھا تھا گرجدار آواز میں بولا۔

"تم لوگوں میں بڑا کون ہے۔ ؟ میرا مقصد ہے وہ جو اس جہاز کی کمان کر رہا ہے۔" اس نے کہا۔

اور اوذکاش میری طرف دیکھنے لگا۔ "اوذکاش میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو ان کا سربراہ ظاہر کرو۔ لیکن سنو ایک بات کا اور بھی خیال رکھنا' اگر ڈاگرے ہمیں نہ پہچانتا ہو تو اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھنا اور اپنے آپ کو اوذکاش مت ظاہر کرنا۔ بلکہ یہی کہنا کہ تم تیباس کی فوج کے ایک معمولی آدمی ہو جسے اس جہاز کی کمان دی گئی تھی۔"

"اوذکاش کے بارے میں کیا کہوں۔" اوذکاش نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں' بس یہی کہنا کہ وہ ان جہازوں میں سے کسی پر ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اڈنکاش نے جواب دیا اور پھر وہ آگے بڑھ کر بولا۔

"میں اس جہاز کو کمان کر رہا تھا۔"

"اوہ۔ تو تم میرے ساتھ آؤ۔" اس شخص نے کہا اور اڈنکاش میری جانب دیکھنے لگا۔

پھر وہ اس شخص سے بولا۔ "اگر تم اجازت دو تو میں اپنے نائب کو بھی اپنے ساتھ لے لوں۔"

"ٹھیک ہے لو۔ ہمیں کوئی حرج نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا اور میں بھی اڈنکاش کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ہم دونوں باہر نکل آئے۔ اور آنے والے ہمیں دھکیلتے ہوئے ایک جانب لے جانے لگے۔ تھوڑی ہی دور لکڑی کا ایک خوبصورت مکان بنا ہوا تھا۔ ہمیں اس مکان کے سامنے پہنچا دیا گیا، وہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ غالباً پہرہ دے رہے تھے۔

ہمیں لانے والوں نے ان کے سپرد کر دیا اور وہ لوگ ہمیں لے کر اندر داخل ہو گئے۔

وہاں میں نے ڈاگرے باڈیگا کو دیکھا۔ بلاشبہ شاندار شخصیت کا مالک تھا خاموش بیٹھا ہوا تھا اس کے قریب ہی شراب کا جگ اور گلاس رکھے ہوئے تھے اور وہ بے تحاشہ پی رہا تھا۔ اس نے میری جانب دیکھا، پھر اڈنکاش کی طرف اور اس کے ہونٹوں پر عجیب و غریب مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اپنا تعارف کراؤ۔" اس نے بھاری لہجہ میں کہا اور شراب کا گلاس حلق میں انڈیل لیا۔

"میرا نام آڈنیس ہے اور یہ میرا ساتھی آمنو ہے، ہم دونوں اس جہاز پر کمان کر رہے تھے۔" اڈنکاش نے جواب دیا۔

"اوہ بہادر تیباس کے بہادر ساتھی۔" ڈاگرے نے عجیب انداز میں کہا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "کیا سمجھتے ہو، کیا سمجھتے ہو، تم سوچتے ہو کہ تم ڈاگرے کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں، ڈاگرے کی قوت محدود نہیں ہے، ہاں بلاشبہ اس وقت تم نے میرا وہ بیڑہ تباہ کر دیا ہے جسے میں ناقابل تسخیر بنانا چاہتا تھا لیکن تم کیا سمجھتے ہو، ڈاگرے کے ہاتھ بہت دور دور تک پھیلے ہوتے ہیں، میں پھر کچھ عرصہ کے بعد اتنی قوت جمع کروں گا، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اور اس کے بعد میں تیباس کا انتظار نہیں کروں گا، بلکہ میرا رخ تیباس کے محلات کی جانب ہوگا۔ اس وقت میں تیباس کی سلطنت کو درہم برہم کر دوں گا اسے تباہ برباد کر دوں گا، اس کے ایک ایک گوشے سے شعلے اٹھیں گے اور تم دیکھو گے، تم دیکھو گے کہ تیباس بالکل تباہ برباد ہو گیا ہے اس کا وجود فنا ہو گیا ہے۔"

ہم دونوں خاموش رہے۔ ڈاگرے نے اسی انداز میں شراب کا دوسرا گلاس بھرا اور اسے حلق میں انڈیل لیا۔ پھر بولا۔

"ہاں اب ذرا مجھے باتیں بتاؤ۔ اڈنیس، تم نے اپنا نام اڈنیس بتایا نا۔ تو سنو میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں، تم لوگ جس بہادری سے لڑے اور جس جذبے کے تحت تم نے میرے جہاز کا تعاقب کیا۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں میں تمہیں ایسی موت نہیں ماروں گا جو تمہارے شایان شان نہ ہو، میں تمہیں زندہ بھی رکھ سکتا ہوں، اور تمہیں یہ احساس بھی دلا سکتا ہوں کہ اب اس جزیرے پر آنے کے بعد تمہاری واپسی ناممکن ہے۔ ڈاگرے کے ماتحت جو لوگ ہیں جنہوں نے ڈاگرے کے لئے جان کی بازی لگائی۔ وہ وہی ہیں جنہوں نے اس پر حملہ کیا تھا اور اس کے دشمن بن کر آئے تھے لیکن ڈاگرے کے سلوک نے انہیں ڈاگرے کا دوست بنا دیا اور آج وہ ڈاگرے کے لئے فنا ہو گئے۔ میرے دوستو میری خواہش ہے کہ تم یہاں رہو، فیصلہ کرو، سوچو، کہ تیباس کے پاس تم زیادہ خوش تھے۔ یا پھر تیباس کی جگہ ڈاگرے کی حکومت قائم ہو جائے تو تم زیادہ خوش رہو گے۔ سنو ڈاگرے سفاک ہے، درندہ ہے، بلاشبہ نہ انسانوں کو قتل کرنے میں زیادہ پس وپیش سے کام نہیں لیتا لیکن انسانوں کی قدر کرنا بھی جانتا ہے، تم اور تمہارے جتنے ساتھی یہاں ہیں، تم انہیں میرا پیغام دے دینا۔ اور چونکہ تم اس جہاز کی کمان کر رہے تھے اس لئے میں ایک بار پھر تم سے کہوں گا کہ میرا پیغام دینے والوں میں تم ہی بہتر ثابت ہو گے۔ تم انہیں کہہ دینا کہ اگر وہ چاہیں تو انہیں اس جزیرے کی بہتر زندگی مل سکتی ہے۔ انہیں اس انداز میں وہ ساری مراعات دی جائیں گی جس انداز میں یہاں کے دیگر لوگوں کو دی گئیں ہیں، یہ میرا اصول ہے۔

حالانکہ تم لوگ قیدی ہو لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کر دوں، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے جن آدمیوں کو کھو چکا ہوں ان کی تعداد پوری کروں، ہاں میری طرف سے تمہیں پیش کش ہے، اگر تم محسوس کرو کہ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور اگر تم شاہ تیباس کے وفادار رہنا چاہتے ہو، تو تم لوگ یہاں رہو، قیام کرو، فیصلہ میں کروں گا، کیا خیال ہے، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی۔" ڈاگرے نے پوچھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر میں نے اڈنکاش سے کہا۔

"ڈاگرے ٹھیک کہتا ہے، ہم تو کرائے کے لڑنے والے تھے، ہمیں بیٹ بھر کر روٹی دی جاتی تھی لیکن کیا ہمیں وہ تحفظ حاصل تھا کہ ہم اپنی آواز کو بلند کر سکتے، کیا ہم اپنی مرضی سے جی سکتے تھے، ممکن ہے تمہیں مجھ سے اختلاف ہو لیکن میں ذہنی اور دلی طور پر ڈیگا کا غلام بننے کو تیار ہوں میں چاہتا ہوں ڈیگا کہ تم ہمارا جائزہ لو، اچھی طرح پرکھو ہمیں اور یہ دیکھو کہ ہم تمہاری غلامی کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ شاہ تیباس ہمارا آقا تھا، اور اس کے حکم پر ہم تم سے جنگ کرنے آئے تھے اب اس دوران جو کچھ بھی ہوا ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں خامی ہمارا ہاتھ نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا ہم نے اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔ اگر ہم اسے پورا نہ کرتے تو ہم

کبھی یکٹنہ کی موت مارے جانے۔ یا تو تم ہمیں قتل کر دیتے یا پھر واپس جاتے تو شاہ تیباس کے عتاب کا شکار ہو جاتے۔ ایسی صورت میں جبکہ حالات بدل چکے ہیں اور تم محسوس کرتے ہو کہ تم ہماری خدمات سے فائدہ اٹھا سکو گے تو میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور ڈاگرے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے آئنو۔ انسانوں پر بھروسہ کرنے کا عادی ہوں، تم کیا کہتے ہو دوسرے آدمی؟" اس نے اوزنکاش کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاگرے جیسا کہ میرے دوست نے کہا میں خود بھی اس سے اختلاف نہیں رکھتا، لیکن بہر صورت ہمیں اپنے دوسرے آدمیوں کو بھی ٹٹولنا پڑے گا، وہ کیا سوچتے ہیں، وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے ان میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو تیباس کے لئے بہت اچھے جذبات رکھتا ہو لیکن اگر ان کے ذہنوں میں کوئی خوف ہوگا تو صرف یہ کہ اگر تیباس کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ غلام بن گئے ہیں تو تیباس ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، ہمارے پیچھے اہل خاندان ابھی تک تیباس کی پناہ میں ہیں اور ہمارا بدلہ وہ ان سے لے سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے، لیکن دو باتیں ہیں، ڈاگرے نے کہا۔ اول تو یہ کہ تم یہاں سے کبھی نہ جا سکو گے۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ تم جانے کی کوشش کر رہے ہو تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا اس طرح تم اپنے اہل خاندان تک نہیں پہنچ سکو گے۔ دوسری بات یہ کہ تمہارے اہل خاندان اس وقت تک تیباس کے عتاب کا شکار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تیباس کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم ڈاگرے کے وفادار بن چکے ہو۔ یہ بات تیباس کو کیسے معلوم ہوگی۔ ہاں اس وقت جبکہ تم ڈاگرے کی فوجوں میں شامل ہو کر کامیابی و کامرانی کے ڈنکے بجاتے ہوئے تیباس کے محلات اور اس کے شہروں میں داخل ہو گے۔ اور اس وقت حالات تمہارے قابو میں ہونگے، تم اپنے اہل خاندان کے ساتھ جس طرح چاہو سلوک کر سکتے ہو، ڈاگرے لڑنے والوں میں سے ہے۔

"ہم جانتے ہیں کہ ڈاگرے کے وفادار بن کر ہم یقینی فائدے میں رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں ڈاگرے۔" میں نے کہا۔

"کیا۔؟" ڈاگرے نے ہمیں گھورا۔

"یہ ہم دونوں کی زبان ہے۔ تیباس کے دوسرے لوگوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے طور پر ان سے بات کرے ان کا مستقبل ان کے سامنے پیش کر دے۔ جو قبول کرے اسے اپنی غلامی میں قبول کر اور جو بغاوت کرے اسے اپنے اصولوں کے مطابق سزا دے۔

"خوب۔ بلاشبہ تیری زبان میٹھی ہے لیکن تو نے یہ بات کیوں کہی؟"

"اس کی ایک وجہ ہے ڈاگرے۔"

"کیا۔؟"

"انسان دنیا کا سب سے خود غرض جانور ہے۔ وہ اپنا تحفظ سب سے پہلے چاہتا ہے۔ میرا مگری دوست اوزنیس میرے ساتھ ہے لیکن اگر یہ تیرے اصولوں سے بغاوت کرے تو یقیناً میں اس کا ذمہ دار نہیں قرار پاؤں گا۔ اسی طرح دوسرے لوگ ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ کے ذہنوں میں یہ سودا سمایا ہو کہ وہ تمہیں دھوکا دے کر گرفتار دیں اور موقع پا کر بھاگ نکلنے کی کوشش کریں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس اقدام کا ذمہ دار میں نہ ہوں۔"

"ہوں۔ ڈاگرے نے پرخیال انداز میں کہا۔ بلاشبہ تیری بات دیانتدارانہ ہے۔ ٹھیک ہے میں تمہیں ان کے اقدامات سے بری الذمہ قرار دیتا ہوں۔ لیکن ایک کام تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔

"کیا۔؟" میں نے پوچھا

"انہیں سمجھانے کا کام۔"

"اوہ۔ میں انہیں کیا سمجھاؤں گا۔"

"یہی اب ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ تیباس کی غلامی چھوڑ کر ڈاگرے کی سرپرستی قبول کریں۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ وہ دن دور نہیں جب انہیں اپنے وطن واپس جانے کا موقع ملے گا اور تیباس کی لاش سرکوں پر گھسٹ رہی ہوگی اور لاش گھسیٹنے والے وہ خود ہوں گے۔ لیکن دوسری صورت میں اگر ان کے دماغ میں تیباس سے وفاداری کا سودا ہی سمایا رہا۔ تو پھر ان کی لاشیں بھی مردہ خور گدھوں کے سامنے ہوں گی۔"

"میں یہ کام کروں گا ڈاگرے۔"

"ٹھیک ہے۔ ڈاگرے تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہے۔ اور اس وقت تمہارا دوست ہے جب تک تم دشمنی کا اظہار نہ کرو۔"

میں نے اور اوزنکاش نے گردن جھکا دی۔ اور پھر ڈاگرے نے اپنے لوگوں کو ہمارے بارے میں بتایا۔ اور اس کے سپاہی ہمیں بصد احترام لئے ہوئے وہاں سے نکل آئے! تب ہمیں رہنے کے لئے جزیرے پر ایک خوبصورت جگہ دی گئی۔ اور یہ جگہ دیکھ کر میں اور اوزنکاش گہری سانسیں لے کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

یہاں ہماری خدمت کے لئے ایک درجن کے قریب حسین اور نوجوان لڑکیاں موجود تھیں جن کو شاید ہدایت تھی کہ وہ ہماری ہر وہ خدمت کریں جو ہم چاہیں۔ ہمارے سارے کام انہوں نے سنبھال لئے تھے۔

رات کو دو حسین لڑکیاں ہمارے پاس آئیں۔ انہوں نے سنگھار کئے ہوئے تھے۔ شراب کے آفتابے اور صراحیاں ان کے ساتھ تھیں انہوں نے مسکراتے ہوئے ہمیں دعوت دی اور ان میں سے ایک بولی۔

"رات سارے تکلفات سے بے نیاز کرنے آتی ہے اور کسی کی قربت میں شراب کا سرور دوآتشہ ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ہم دونوں کی صحبت بھی ناگوار ہو تو

عقبی باغ کی سرسبز گھاس پر بندوبست کیا جائے۔"

"کیا نام ہے تمہارا اے شیریں گفتار؟" میں نے پوچھا

"ہریط۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر تمہارے نغمے کل ہمارے ساتھ ہوں تو کوئی حرج ہے۔"

"تعمیل حکم ہمارا مسلک ہے۔ لیکن آج کا کھو دینا دانشمندی نہیں۔ آج ہماری ساتھی ہے اور کل صرف ایک وہم۔ آج کبھی واپس نہیں آسکتی اور کل زباں کا دوسرا نام ہے جو حکم۔"

"ہم کل کا انتظار کریں گے۔" میں نے کہا اور لڑکیاں بجھ گئیں۔

"جو حکم۔" انھوں نے مرجھائے چہروں کے ساتھ کہا۔ یہ ان کے حسن کی توہین تھی۔ ان کی کشش سے انکار نجانے انھیں پسند نہیں آیا۔ اور وہ سب کچھ سمیٹ کر واپس چلی گئیں۔ تب اونکاش نے گہری سانس لی۔

"میں تو اُلجھا ہوا ہوں اونکاش۔ یہ تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں ہوا ہے۔"

"کیا سائنو۔؟"

"ممکن ہے تم ان میں سے ایک کا قرب چاہتے ہو۔"

"اوہ نہیں۔ بلکہ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ اگر درحقیقت یہ بھی ڈاگرے کے احکامات کی ایک کڑی ہوتی تو میں سخت اُلجھ جاتا کیونکہ جب ذہن میں اُلجھنوں کے سانپ کلبلا رہے ہوں تو دنیا کی کوئی شے اچھی نہیں لگتی۔"

"تم پریشان ہو۔؟"

"ہاں۔"

"لیکن کیوں۔؟"

"تیری اور ڈاگرے کی گفتگو میرے لئے سخت حیران کن تھی سائنو۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا اور میں نے یہی بہتر سمجھا کہ تیری ہاں میں ہاں ملاتا رہوں لیکن خود میرا ذہن اُلجھا ہوا ہے۔ براہ کرم مجھے اپنا مقصد بتا۔"

"تم کیوں اُلجھے ہوئے ہو اونکاش۔؟" میں نے پوچھا۔

"کیا تو نے ڈاگرے کے احکامات قبول کر لئے۔"

"یتیاس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ لیکن ہماری پوری زندگی اس سے وابستہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہاں سے نکلنے کا اور کوئی ذریعہ ہے؟"

"نہیں لیکن۔ اس کے بعد؟"

"اونکاش۔ یہ ہے ایک اہم نکتہ ہے اور اونکاش میرا خیال ہے کہ تو نے اُسے سمجھ لیا ہوگا۔ میں نے ڈاگرے سے اپنی اور تیری اصلیت چھپائی ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ میں اس سے مخلص نہیں ہوں لیکن مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہمیں اس سے تعاون کرنا چاہیئے اور میں نے اپنے ٹھوس ہونے کے ثبوت کے طور پر اپنے ہی لوگوں سے بیگانگی ظاہر کی تاکہ وہ میرے اُوپر یقین کر لے اور میرا خیال ہے میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔ لیکن۔"

"دیکھو اونکاش اگر تم ذہین ہو۔ تو تمہاری ذہانت تمہارے لئے ہمیشہ بہتر راستوں کا انتخاب کرے گی۔ میں جذباتی ہو کر ڈاگرے کو برا بھلا بھی کہہ سکتا تھا اس سے نفرت کا اظہار بھی کر سکتا تھا لیکن اس کے بعد ہمیں جو زندگی ملتی وہ کیا ہوتی۔ قید خانہ۔ اور تکالیف۔"

"گویا ہم جو کام کرنا چاہتے تھے نہیں کر سکتے تھے، لیکن ان حالات میں ہمارے لئے زیادہ سہولتیں مہیا ہو چکی ہیں۔ ہم عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے بعد ہم جو کچھ کریں گے وہ زیادہ ٹھوس اور پائیدار ہوگا، اب اگر ہمیں موقع ملا ہے تو کیوں نہ اس سے فائدہ اُٹھا لیا جائے۔"

"یقیناً سائنو۔" اونکاش نے مجھ سے اتفاق کیا۔

"ڈاگرے احمق ہے کہ اس نے ہمیں اتنی مراعات دیں، اسے سوچنا چاہیئے تھا کہ کسی اجنبی انسان پر اس قدر بھروسہ غیر مناسب ہوگا۔ چنانچہ ان حالات میں اگر ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں تو وہ ہمارے لئے زیادہ سودمند ہے، ہم نے اپنے آدمیوں کی طرف سے جس انداز میں ڈاگرے کے سامنے تشویش کا اظہار کیا ہے ڈاگرے کو اس بات پر یقین آ گیا ہوگا کہ ہم کس حد تک اس کے مخلص ہیں، اب یہ ہمارے آدمیوں کا مسئلہ ہے کہ وہ کس انداز میں ڈاگرے کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ہم ان سے یہی کہیں گے اونکاش کہ انہیں ڈاگرے سے تعاون کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ اور شاہ یتیاس سے نفرت کا اظہار ان کے حق میں سودمند ہوگا۔

ہاں جہاں تک ان کے ذہن کا معاملہ ہے، اس میں بھی انہیں اس بات سے آگاہ کر دیا جائے گا کہ وہ اطمینان رکھیں اور یہ سوچ لیں کہ جو کچھ ہوگا ان کے حق میں بہتر ہوگا، اصل میں اونکاش ہر شخص اپنے طور پر زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اس کی ذہانت اس کے لئے مواقع مہیا کرتی ہے۔ اگر ہماری ذہانت نے ہمیں یہ اچھا ماحول مہیا کیا ہے تو ہمارا خیال ہے ہمیں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

"میں سمجھ گیا سائنو میں سمجھ گیا لیکن سائنو اس کے بعد اس کے بعد کیا ہوگا۔"

"اوہ اس میں اُلجھنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے بعد بھی جو کچھ ہوگا وہ بھی کچھ اتنا بُرا نہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں تم سے متفق ہوں۔" اونکاش نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور مجھے اس کی کیفیت دیکھ کر ہنسی آ گئی، وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا آسائشوں کی جگہ بہت ہی عمدہ تھی، لڑکیاں ہماری خدمت پر متعین تھیں، ویسے ہم نے جس طرح انہیں رات کو نظر انداز کر دیا تھا اس سے کم از کم دونوں لڑکیاں تو ناخوش ہو گئی تھیں۔

دوسرے دن حسبِ معمول ہماری ضروریات کی چیزیں ملیں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آئے۔

ڈاگرے کی طرف سے کوئی خاص ہدایت نہیں تھی۔ باہر نکل کر ہم نے محسوس کیا کہ ہمارے اوپر کوئی بندش یا پہرہ نہیں ہے اور ہم پورے جزیرے میں گھوم سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس چیز سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ میں اور اذنکاش اس جزیرے کا پورا چکر لگانے لگے، ہال میں نے ایک بات خاص طور سے محسوس کی اور میں نے وہ بات اذنکاش سے کہہ ہی دی۔

"اذنکاش۔ کیا تم ایک بات محسوس کر رہے ہو۔"

"کیا۔"؟

"ڈاگرے کے جزیرے پر مُردنی چھائی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات صاف نظر آ رہی ہے سائنو۔ لیکن اس کی وجہ کیا ہے؟" اذنکاش نے کہا۔

"اس کی وجہ بھی صاف ہی ہے اذنکاش۔ ڈاگرے کو جو شکست پہنچی ہے اس نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم یہاں تک آ پہنچے ہیں اور اس کے جنگل میں پھنس گئے ہیں۔ ظاہر ہے ہماری تعداد اتنی نہیں ہے کہ ہم اس سے مقابلہ کر کے اسے شکست پہنچانے کی کوشش کریں لیکن بہر صورت شیشوں نے ڈاگرے کی کمر توڑ دی ہے۔"

"دیکھو دیے کتنے کم نظر آ رہے ہیں یقیناً اس کے تمام نوجوان اور وہ لوگ جو لڑاکے مارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اور ڈاگرے کو اس بات کا احساس ہے کہ اب اس کے جزیرے میں کوئی جان نہیں رہی ہے وہ نئے سرے سے آبادی کرنا چاہتا ہے اور بہر صورت یہ بات تمہیں تسلیم کرنا پڑے گی کہ ہم نے کئی سال پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اور یہ غلط نہیں ہے۔"

"یقیناً سائنو۔"

"اور میرے خیال میں اس نے ہمیں جو محبت اور توجہ بخشی ہے اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے اسے احساس ہے کہ اب اس کا مشن ناکام ہونے کے قریب ہے۔"

"یقیناً۔"

"ویسے یہاں ابھی اچھے خاصے لوگ موجود ہیں۔ لیکن ان میں وہ شاندار لڑاکا نہ ہوں گے جو سمندروں پر فتح حاصل کرتے ہیں۔"

"بلاشبہ۔" اذنکاش نے مجھ سے اتفاق کیا۔

بہت سارے گھروں میں ماتم ہو رہا تھا۔ یہ ان لوگوں کے گھر تھے جو اس جنگ میں مارے جا چکے تھے۔ بہر صورت ہم آدھے جزیرے کا چکر لگا چکے تھے۔ جب کچھ افراد ہمارے پاس پہنچے۔

"سمندروں کا شہنشاہ ڈاگرے تمہیں اپنے دربار میں طلب کرتا ہے۔" آنے والوں نے کہا۔

"کہاں ہے وہ۔"

"ہمارے ساتھ آؤ۔" انہوں نے جواب دیا۔

اور ہم لوگ اُن کے ساتھ چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ ڈاگرے کے سامنے تھے۔ ڈاگرے کسی سوچ میں گم تھا۔ تب اس نے گردن اٹھا کر ہمیں دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"تم لوگوں کو یہاں تک کھلا دیا تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تمہاری کمان کون کر رہا تھا۔"

"دو افراد۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"کون کون۔"

"ان میں سے ایک کا نام سائنو تھا اور دوسرے کا نام اذنکاش تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اذنکاش وہ جو ہنباس کی فوجوں کا یعنی اس کی سمندری فوجوں کا جرنیل ہے۔" ڈاگرے نے کہا۔

"ہاں۔"

"وہ کونسے جہاز پر تھا۔"

"اس کے جہاز پر مور کے سر کی کلغی لگی ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا اور ڈاگرے گردن ہلانے لگا۔

"اور اس کا دوست سائنو بھی اس کے ساتھ تھا۔"

"ہاں۔ وہ بری فوجوں کا افسرِ اعلیٰ ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں جواب دیا۔

"کیا تمہارے خیال میں وہ لوگ اس جزیرے کا رُخ کریں گے۔"

"میں یہ بات نہیں کہہ سکتا ڈاگرے، ویسے میرا خیال ہے یہ ممکن نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں۔"؟

"اس لئے کہ وہ کہر اور دھند کے اس خوفناک جزیرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ان میں سے کوئی بھی اتنا ذہین اور تیز نہیں ہے، ہم تو صرف جوش میں آگے بڑھ آئے تھے۔ ورنہ شاید ہم بھی اس طرف نہ آتے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ڈاگرے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

ڈاگرے پھر خیالات میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے گردن اٹھاتے ہوئے میری جانب دیکھا اور بولا۔

"بہر حال ہمیں اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے حکم دیا کہ جزیرے کے چاروں طرف کی بلندی سے سمندر میں

دور تک نگاہ رکھی جائے، اور آنے والوں کے بارے میں اندازہ لگایا جائے۔"

"لیکن یہ تو ممکن نہیں ہے ڈاگرے۔"

"کیوں ----؟"

"اس لئے کہ کیا یہ لوگ کہر کے پار دیکھ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر کیا بہتر ہوگا۔"

"ہاں۔ اس لئے کہ کہر کے بعد بھی سمندر کافی طویل ہے۔"

"گویا تمہارے خیال میں وہ لوگ اگر کہر سے گزر کر آ سکتے ہیں تو انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"بہر صورت میرا خیال ہے کہ وہ لوگ ایسا نہیں کریں گے۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ ہاں تم اپنے آدمیوں سے بات کی۔"

"نہیں ڈیگا۔"

"کیوں ----؟"

"میں تیرے حکم کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔"

"تو پھر جاؤ۔ ان سے بات کرو اور ان کے مافی الضمیر سے مجھے آگاہ کرو۔ میں نا توگھا اس کاٹ ڈالنے کا عادی ہوں۔ اگر وہ لوگ میرے ساتھی بننا پسند کریں تو ٹھیک ہے۔ اور اگر انہیں اعتراض ہو تو میرا خیال ہے پھر ان کی زندگی میرے لئے غیر مناسب ہے، میں انہیں تہہ تیغ کر دوں گا، مہمان بنا کر رکھنا پسند نہیں کروں گا۔" ڈاگرے نے جواب دیا۔

"جو تیرا حکم۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔

ڈاگرے نے ہم پر مکمل اعتبار کر لیا تھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ ہمارے ساتھ اپنے کچھ لوگوں کو ضرور بھیجتا۔ لیکن نجانے کیوں وہ اتنا مطمئن ہو گیا تھا بہر صورت تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے قیدی ساتھیوں کے سامنے پہنچ گئے۔

یہ لوگ بدستور قیدیوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑے اور ہماری طرف لپکے۔

لیکن ہم دونوں نے ہاتھ اٹھا دیئے اور پھر میں چار آدمیوں کو اشارہ کر کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ چاروں وہ لوگ تھے جو جہاز پر دوسرے لوگوں کو کنٹرول کیا کرتے تھے ان کا عہدہ عام لوگوں سے کچھ بڑھ کر تھا، وہ چاروں ہمارے نزدیک پہنچ گئے تب میں نے اور اونکاش نے انہیں بتایا کہ صورت حال کیا ہے۔ تب میں نے کہا۔

"کیونکہ ہم لوگ یہاں آ پھنسے ہیں اور یہاں سے ہمارا نکلنا سخت مشکل ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ڈاگرے کو ایک شاندار دھوکا دیا جائے اور اس کے بعد ہم اپنا کوئی نیا پروگرام ترتیب دیں۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔" ایک شخص نے جواب دیا۔

"صورتحال یہ ہے کہ ڈاگرے نے پیش کش کی ہے کہ تم اس کے لئے اس کے شہری ثابت ہو۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تمہارے مفادات کی نگرانی کرے گا، تم اس کے لئے جنگ کرو گے، وہ تم لوگوں کی مدد سے فساؤتیاس کو شکست دینا چاہتا ہے، لیکن میرے دوستو کرنا وہی ہے جو ہم اپنے ذہن میں سوچ چکے ہیں اور جو ہمارا دل چاہے گا، چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ تم فی الوقت اس سے تعاون کرو۔ اور اسے دھوکے میں رکھ کر اس وقت کا انتظار کرو، جب ہم اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔"

"اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا سائنو۔"

"سب سے پہلے یہ کہ تم مجھے آئنو اور اونکاش کو اونیس کہو گے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم کون ہیں تو ہم نے انہیں بتایا کہ ہم عام سپاہی ہیں اور ہم نے یہی نام بتائے تھے انہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہم ہی اس شکست کا باعث ہیں تو وہ ہمارے ساتھ زیادہ اچھا سلوک نہ کرتے۔"

"ٹھیک ہے ہم سمجھ گئے!"

"اب جب ہم یہاں آ گئے ہیں اور ہماری زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے تو ہمیں چالاکی سے کام لینا چاہیے تم چاروں باقی لوگوں کو ہموار کرو گے اور انہیں آمادہ کرو گے کہ ان کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ فی الحال ڈاگرے کی غلامی کا عہد کر لیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"ان میں سے ہر شخص کو سمجھا دیا جائے۔" کوئی ذرا سی غفلت نہ برتے۔"

"ایسا ہی ہوگا سائنو۔"

"تو کیا ہم مطمئن ہو جائیں ----؟"

"ہاں۔ تم مطمئن رہو۔ ہم ان سب کو سمجھا لیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہم کریں گے اس کی طرف سے تم مطمئن رہو کہ وہ سب کے مفاد میں ہوگا۔"

"مناسب۔ ہمارے ساتھی نے کہا اور ہم مطمئن ہو گئے تب ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا اور وہاں سے نکل آئے۔ ڈاگرے کو جواب بھی دینا تھا چنانچہ ہم اس کے پاس پہنچ گئے۔ ڈاگرے نے اچھے انداز میں ہمارا استقبال کیا تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تمہارے پاس میرے لئے کوئی خبر ہو۔"

"ہاں۔ ہم تمہیں اطلاع دینا چاہتے تھے ڈیگا۔ کہ ہم نے تمہاری ہدایات پر عمل کیا ہے۔"

"یعنی ----؟"

"ہم نے اس کے لئے بہتر طریقہ سوچا کہ جہاز والوں میں سے چار ایسے آدمیوں کا انتخاب کیا جائے جو زیرک ہوں اور دوسروں سے اپنی بات منوا سکیں۔"

"خوب۔ پھر۔؟"

"سو ہم نے ایسا ہی کیا اور ان لوگوں کو اپنے مقاصد سے آگاہ کیا۔ وہ ہمارے ہمنوا ہو گئے اور ہم نے یہ کام ان کے سپرد کر دیا کہ وہ دوسروں کو بتائیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔"

"بہتر طریقہ تھا۔" ڈیگا نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ بہتر طور پر اپنا کام انجام دیں گے ہاں میں نے ان سے یہی کہا کہ وہ ان لوگوں کو بھی نگاہ میں رکھیں جو غیر دانش مند ہیں۔ اور بعد میں کوئی ہنگامہ کھڑا کر سکتے ہیں ایسے لوگوں کی نشاندہی پہلے ہی ہو جانی چاہئیے۔"

"واہ۔ یہ بھی عمدہ کیا تو نے۔"

"ہمیں کل تک اس بارے میں معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور ڈیگا نے گردن ہلا دی۔ ویسے میں نے اس کی پریشانی صاف محسوس کی تھی اور اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈاگرے ذہنی طور پر سخت پریشان ہے۔"

لیکن بہرحال اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے میں اس سے فضول باتیں کیوں کرتا۔ دوسرے دن میں نے ڈاگرے کو بتایا کہ تقریباً تمام لوگ اس کی غلامی میں آنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ اور بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ میں نے اسے یہ بتائی تھی کہ سب کو تنیاس سے نفرت ہے۔"

ڈاگرے بہت خوش ہوا اور اس نے ہمیں انعام سے نوازا۔

اور پھر چند ہی روز میں ہم نے ڈاگرے کے ذہن تک رسائی حاصل کر لی۔ اب ڈاگرے اکثر اپنے مشوروں میں ہمیں شریک کر لیتا تھا۔

تمام قیدیوں کو آزادی دے دی گئی تھی۔ جزیرے کی عورتیں ان کی پذیرائی کے لئے موجود تھیں اور ڈاگرے نے انہیں مختلف کام سونپ دیئے تھے۔ اس کی ذہنی گرہیں کھلتی جا رہی تھیں۔ اور اب وہ اکثر دل کی باتیں بھی کہہ دیا کرتا تھا۔

ایک ماہ گزر گیا۔ تب ایک دن اس نے ہم دونوں کو بلایا۔ وہ گہری فکر میں مبتلا نظر آتا تھا۔

میرے دوستو۔ تم نے تھوڑے ہی عرصہ میں ثابت کر دیا ہے کہ میرے مخلص ہو اور دماغ۔ تمہیں تنیاس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس کے علاوہ تم بہترین مشیر اور بلاشبہ اعلیٰ کے مالک ہو۔ اس لئے میں تم سے دل کی باتیں کیوں نہ کروں۔"

"ڈیگا ہمیں اس قابل سمجھتا ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔"

"نہیں یہ تمہاری حیثیت ہے۔ بہرحال میں تمہیں کچھ ضروری باتیں بتانا چاہتا ہوں ایسی باتیں جو مشورہ طلب ہیں۔"

"ہم حاضر ہیں۔"

"تنیاس کی اس کوشش نے ڈاگرے کے مشن کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور ڈاگرے اس شکست کے بعد بہت پیچھے چلا گیا ہے۔"

"ہمیں احساس ہے۔"

"میں اس کسر کو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس طرح۔"

"تمہارے خیال میں تنیاس کے جہاز واپس چلے گئے ہوں گے۔"

"ایک ماہ سے زیادہ گزر چکا ہے ڈیگا۔"

"ہاں تمہارا کیا اندازہ ہے۔"

"یقیناً وہ ناکام ہو کر واپس چلے گئے ہوں گے۔"

"کیوں۔ تم اس یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو۔؟"

"اس کی وجہ ہے۔"

"کیا۔؟"

"شاہ تنیاس نے جہازوں پر غذا کم رکھوائی تھی اور ہتھیار زیادہ۔ یہ غذا زیادہ سے زیادہ دس بارہ روز کی تھی۔ تنیاس نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا کہ اگر ان دنوں میں انہوں نے فتح حاصل کی تو انہیں بھوکا مرنا پڑے گا۔ اس طرح اس نے ایک شرط لگا دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے زیادہ رکنے کی کوشش نہیں کی ہو گی۔"

"کیا واقعی۔" ڈیگا خوش ہو کر بولا۔

"ہاں۔"

"تب تو وہ ضرور چلے گئے ہوں گے۔ بس تو اب ایک کام کرنا ہے۔ میرے چھوٹے جہاز موجود ہیں ان کیلئے بیڑہ تیار کر و اور شمال کی طرف جزیروں کے سلسلے کی طرف چلے جاؤ۔ تمہیں وہاں لوٹ مار بھی کرنی ہے اور نوجوانوں کو اغوا ۔ ان کے ساتھ لڑکیاں بھی ہونی چاہئیں، ہم نوجوانوں کو اغوا کر کے یہاں لائیں گے اور انہیں عورت اور غذا فراہم کریں گے اور اس بات پر تیار کریں گے کہ وہ ڈاگرے کے ساتھی بن کر تنیاس سے جنگ کریں۔ مجھے یقین ہے یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔"

"سو فیصدی۔" میں نے تصدیق کی۔

"کیا تم یہ کام کرو گے۔؟"

"بخوبی۔" میں نے جواب دیا۔

"بس تو تیاریاں کرو۔" ڈاگرے نے خوش ہو کر کہا اور پھر اس سے ضروری ہدایات لے کر ہم وہاں سے چل پڑے۔"

اونکاش مجھ پر قربان ہو رہا تھا۔ اس نے وہاں سے نکلتے ہی مجھے گلے لگایا۔

"کیوں اوزکاش بہت خوش ہو"

"تیری برتری کا اعتراف کرتا ہوں"

"کیوں۔۔؟"

"تو نے جس طرح راہ ہموار کی ہے ساتھو۔ بلاشبہ یہ کام عام انسانوں کے بس کا نہیں تھا لیکن تو نے ڈاگرے جیسے زیرک انسان کو چاروں شانے چت کر دیا۔

"اب آئندہ کیا کرنا ہے اوزکاش"

"یہ مجھ سے پوچھ رہا ہے"

"ہاں تیرا مشورہ لینا چاہتا ہوں"

"مجھے شرمندہ نہ کر"

"تیرا کیا خیال ہے کیا تیباس کا بیڑہ واپس چلا گیا ہوگا"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں ساری زندگی سمندر کے سینے پر گزار سکتے ہیں"

"میرا بھی یہی خیال ہے"

"پھر۔۔؟"

"ہم جائیں گے۔ ظاہر ہے ڈاگرے کے دوسرے لوگ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے لیکن ایک جہاز۔ ایک جہاز دوسرے لوگوں کا ہوگا۔

صرف ہمارے اور اس جہاز کا سردار بھی تو ہوگا۔ اوزکاش نے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں" اوزکاش نے کہا۔

رات کی تاریکی میں تو اپنے جہاز کو سست رفتار کر دے گا اور پھر غائب ہو جائے گا۔ دوسرے جہازوں کو میں سنبھال لوں گا"

"اور پھر۔۔؟"

"تو اپنے بیڑے کی جانب جائے گا اور انہیں بلا کر ڈاگرے کے جزیرے پر لائے گا۔ اس دوران میں تجھ سے آ ملوں گا۔ اور ہم پھر جزیرے پر حملہ کر دیں گے۔!

اوزکاش ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گیا تھا۔

☆☆

سمندر کے سینے پر چھوٹے سائز کے دس جہاز گردش کر رہے تھے۔ سارے کام ہماری مرضی کے مطابق ہی ہو رہے تھے۔

کافی دور تک ہم منظم انداز میں چلتے رہے اور پھر اوزکاش نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل شروع کر دیا۔

اس شام ہوائیں طوفانی تھیں اور جہازوں پر موجود لوگ کسی قدر خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ ابھی جن جزائر کا حوالہ دیا گیا تھا۔ ان کا سلسلہ شروع ہونے میں ابھی کئی روز کا سفر باقی تھا۔ بہرحال اوزکاش پیچھے ہٹنے لگا۔

پیچھے سرکتے سرکتے وہ نمایاں طور پر اتنا پیچھے ہو گیا کہ لوگ اس کی جانب سے فکر مند ہو گئے۔

لیکن میں نے انہیں مطمئن کر دیا اور کہا کہ اوزکاش ایسا بحری ملاح ہے کہ وہ جہاز کو کسی مشکل میں نہیں پھنسنے دیگا، لیکن اوزکاش جو کچھ کرنے گیا تھا وہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا چنانچہ آہستہ آہستہ اس کا جہاز نگاہوں سے بالکل ہی اوجھل ہو گیا۔ فکر مندی کا اظہار کئی بار کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

"اب تو واقعی تشویش کی بات ہے۔ ہمیں اوزکاش کے جہاز کو تلاش کرنا چاہیے اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ جزائر کی جانب جانے سے پہلے ہم اپنا رخ بدل لیں۔ چنانچہ ہم نے جہازوں کی رفتار سست کر دی اور ایک طرح سے انہیں روک دیا۔

چنانچہ ہوا یہ کہ اب ہم نے اپنے جہازوں کا رخ بدل دیا۔ اب ہم شمالی جزائر کی طرف جانے کی بجائے اس طرف جا رہے تھے جہاں مجھے امید تھی کہ سملا جنگی بیڑہ موجود ہوگا۔

یہ سفر ہم نے تین رات اور دو دن تک کیا اور چوتھے دن صبح جب سورج نے سر ابھارا تو میں نے دیکھا کہ ہمارے کامران جنگی جہازوں کا بیڑہ سامنے ہی موجود ہے۔ اس کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ اس کی روشنیاں دکھی ہوئی ہیں۔ گویا اوزکاش وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ اور یہ سارا پروگرام اوزکاش اور میرے درمیان طے ہو چکا تھا۔ ہاں میں ان بزدلوں پر غور بھی کر رہا تھا۔ بیچاروں کا حشر کیا ہونا تھا۔

میں نے دیکھ لیا تھا کہ جہازوں پر رنگین جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اوزکاش ان تک پہنچ کر انہیں اپنا پلان سمجھا چکا ہے۔ لیکن ان جہازوں کو دیکھ کر ہمارے جہاز والوں کے حواس گم ہو گئے تھے اور یہ سب کچھ میرے لئے متوقع تھا، یہ ڈاگرے کے بیچارے لوگ تھے۔ تب خوفزدہ لہجے میں مجھ سے کہا گیا۔

"آنو۔ یہ تو۔ یہ تو وہی جنگی جہاز ہیں جنہیں تیباس نے بھیجا تھا۔" ایک شخص نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں میرے دوست ہم غلطی سے اس جگہ تک پہنچ گئے ہیں۔ آہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ سمندر میں موجود ہیں" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اب ہم کیا کریں"

"جنگ اور صرف جنگ"

"لیکن ہم اس قابل نہیں ہیں"

"ہمیں یہ مقابلہ کرنا ہی ہوگا، ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم خاموشی سے خود کو ان کے حوالہ کر دیں۔ اس طرح ہماری زندگیاں بچ سکتی ہیں۔ بولو تم کیا چاہتے ہو"

"ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے" بزدل لوگوں نے کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔

"بہرصورت میں تم لوگوں سے اختلاف نہیں رکھتا، جس طرح تم چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ آؤ ہم ان لوگوں سے پناہ مانگنے کے لئے چلیں۔" میں نے کہا اور اپنا جہاز آگے بڑھا دیا۔

ایک جہاز نے بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے روک دیا۔ میں نے کہا وہ زیادہ دور تک نہیں بھاگ سکیں گے، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دیا جائے اور ان سے پناہ مانگی جائے۔ بزدل تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ کام بہت آسانی سے ہو گیا" اوذکاش مجھ سے بولا۔

"واہ سائنو میرے دوست، میں تمہارے یہ کارنامے تیباس کو سناؤں گا اور تیباس یقین نہیں کرے گا۔ میں خلوص دل سے کہتا ہوں کہ مجھے اس بات کا ذرہ برابر رنج نہیں ہے کہ ڈاگرے کے مقابلے کی کوشش میں، میں ناکام رہا اور تم نے ڈاگرے کو اس طرح تباہ کر دیا۔ اب تو شاہ تیباس کی فتح کو کوئی نہیں روک سکتا۔"

"ہاں میرے دوست اوذکاش۔ لیکن ہم اس فتح میں برابر کے شریک ہیں، نہ صرف ہم، بلکہ ہمارے یہ ساتھی بھی۔ جنہوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور اوذکاش مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور وہ جو جزیرے پر موجود ہیں۔" اوذکاش نے پوچھا۔

"ہم ان کی برتری اور بہتری کا پورا پورا خیال رکھیں گے اوذکاش۔" میں نے جواب دیا۔

"تو اب کیا ارادہ ہے؟"

"بس جس قدر جلد ہو سکے جزیرے کی جانب واپس چلو۔ ہم گہر سے گزر کر اس جزیرے تک باآسانی پہنچ سکتے ہیں، ہاں ذرا یہ بتاؤ کہ ان لوگوں نے کیا کچھ کیا۔ اس دوران یہ سمندر کے سینے پر کیا کچھ کرتے رہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہماری تلاش۔" اوذکاش نے جواب دیا۔

"خود ان لوگوں کا کیا خیال تھا۔؟"

"سخت پریشان تھے اور سوچ رہے تھے کہ ہمارا جہاز کسی حادثے کا شکار ہو گیا۔" اوذکاش نے بتایا۔

بہرحال ہم نے برق رفتاری سے سفر شروع کر دیا۔ راستے ہمارے جانے پہچانے تھے۔ اور اب گہر سے گزر کر ڈاگرے کے جزیرے تک پہنچنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ ہم سب سے راستے پر سفر کرتے ہوئے اس طلسم کدے تک پہنچ گئے، جو قدرتی طور پر ڈاگرے کا محافظ تھا یعنی وہ گہر جس نے بحری قزاق کے جزیرے کو پوشیدہ کیا ہوا تھا۔

اور کیسا لطف آیا اس وقت۔ جب ڈاگرے کے جزیرے سے ہمارے جہازوں کو دیکھا گیا۔ بھگدڑ مچ گئی تھی۔ بھلا وہاں لوگ ہی کتنے تھے جو ڈاگرے مقابلے کے لئے سوچتا۔ اور جب ہمارے جہاز ساحل کے قریب پہنچے تو وہاں صرف وہ لوگ تھے جو ہمارے اپنے تھے اور جنہوں نے ہمارے منصوبے کے مطابق وقتی طور پر ڈاگرے کی غلامی قبول کر لی تھی۔

جزیرے کے ساحل پر پہنچ کر ہم ان سے ملے۔

"سناؤ دوستو کیا حال ہے؟"

"بہت برا۔ ہمیں ہمارے ساتھیوں نے بتایا۔

"کیا مطلب؟"

"بہادر ڈاگرے نے ایک ایک سے مقابلہ کے لئے کہا لیکن کسی نے اس کی نہیں سنی صرف ہم تھے جنہوں نے ہتھیار اٹھائے۔

"کیا مطلب۔"؟ اوذکاش نے تعجب سے پوچھا۔

"صرف ہم۔ اور ہم تم سے مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھیوں نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور سب ہنس پڑے۔

"ڈاگرے کہاں ہے؟"

"اپنے محل میں۔ آخر میں اس نے ہمیں بھی اجازت دیدی کہ ہمارا دل چاہے تو ہم مقابلہ کریں ورنہ نہ کریں۔"

"آؤ دوستو۔" میں نے کہا اور بہت سے لوگوں کا جتھا لے کر میں ڈاگرے کی محل کی جانب چل پڑا۔ ڈاگرے کی بستی کے بچے کھچے لوگ جہازوں میں جا چھپے تھے۔ یہاں تک کہ ڈاگرے کی بیویاں اور ملازم بھی اسے چھوڑ گئے تھے۔ اور اس وقت اپنے محل میں اپنے تخت پر ڈاگرے تنہا بیٹھا تھا، ہمیں دیکھ کر اس نے کہا۔

"آہ۔ یہ میں نے بعد میں سوچا کہ ناکامی سے گھبرا کر میں نے تمہارے اوپر اعتبار کر کے غلطی کی۔

"ہاں ڈاگرے۔ دوسری صورت میں اگر تم یہ کام کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔"

"بہرحال اب کیا رکھا ہے۔"

"اب تم خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دو۔" میں نے کہا۔

"میں حاضر ہوں۔ لیکن۔ زندہ نہیں۔ ڈاگرے نے اپنے قریب رکھا ہوا جام اٹھایا اور اسے حلق میں انڈیل لیا۔

ایک لمحہ کے لئے تو بات سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے ڈاگرے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

"آہ سائنو یہ کیا ہوا۔؟"

"اس نے زہر پی لیا۔" میں نے جواب دیا۔

"بے چارہ ڈاگرے۔ سمندری قزاق۔ سمندروں کا شہنشاہ۔" اوذکاش نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بہرحال اس کی لاش بھی شاہ تیباس کو بہت پسند آئے گی۔"

"اور ان لوگوں کا کیا کرو گے جو یہاں روپوش ہیں۔"

"ایک بات کہوں اوذکاش۔"

"کہو۔"

"میرا خیال ہے انہیں معاف کر دو۔"

"اوہ کیوں"؟

"جو لوگ باقی بچے ہیں وہ بے قصور ہیں۔ وہ صرف ڈاگرے کے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے۔ میرے خیال میں اناج اور ایسی ہی دوسری اشیاء یہاں چھوڑ دو جس کے سہارے یہ لوگ زندگی گزار سکیں اور خزانہ لوٹ لو۔" میں نے کہا۔

ازنکاش نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ ہم نے ان لوگوں کا پورا پورا خیال رکھا تھا اور انہیں تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مال و اسباب بھی جو کچھ تھا ہم نے اپنے جہازوں پر بار کر لیا۔

لیکن سب سے قیمتی ڈاگرے کی لاش تھی جسے ہم نے نہایت احترام سے رکھا تھا۔ اور پھر ہمارے جہاز واپس چل پڑے۔ اس بار ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور ہم خوش خوش

بالآخر ہمیں بنیاس کی سرزمین نظر آئی اور ہمارے لوگ خوشی سے چیخنے لگے۔

شاہ بنیاس خود ہمارے استقبال کے لئے آیا تھا۔ اس نے صرف ڈاگرے کی لاش سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ مال و اسباب جو کچھ ہم نے رکھا تھا اس نے وہیں کھڑے کھڑے ہمیں بخش دیا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔

عظیم سمندر کے عظیم شہنشاہ ڈاگرے کو مُردہ خانے پہنچا دو۔ اس نے کہا اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا۔ مردہ خانے کے راستے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ میں ڈاگرے کی لاش لے کر مُردہ خانے چل پڑا۔

مُردہ خانے کی سیڑھیاں اُتر کر میں نے تابوت ایک کونے میں رکھ دیا۔ لیکن۔ اچانک ڈاگرے کی لاش تابوت سے نکل آئی۔

"میں نے تیرے اوپر اعتبار کیا تھا سائنو۔ لیکن۔ لیکن تو نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا ہاں وہ تو ہی تھا جس نے مجھے شکست دلائی۔" اس نے میری گردن دبوچتے ہوئے کہا۔ اور میرا دم گھٹنے لگا۔

سخت جدوجہد شروع ہو گئی تھی۔ اور پھر بے شمار آوازیں اُبھرنے لگیں۔ میں ڈاگرے کے ہاتھوں خود کو بچانے میں مصروف تھا۔

"میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ میں اسے" ڈاگرے غصے سے بپھرا ہوا تھا۔

"اسے چھوڑ دو ڈاگرے۔ یہ ہمارا مہمان ہے۔" مجسموں کے درمیان سے اڈیلیسی کی آواز سنائی دی۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے مجھے دھکا دیا تھا۔

"دیکھو ڈاگرے تم جانتے ہو یہ وہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب"؟

"ہاں یہ تو ملی رحمان بیگ ہے، یہ سائنو نہیں ہے، یہ ہمارا مہمان ہے تم نے خود ہی اسے سائنو کا روپ دیا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ"

"ہاں ڈاگرے تم بھول رہے ہو، تم نے ملی رحمان بیگ کو سائنو بنایا تھا اور اگر تم نے اسے بے جا ہی تھا تو کسی اور روپ میں لے جاتے، اب اس نے یہ کردار انجام دیا ہے تو اس کا کیا قصور ہے؟"

"اوہ۔ ڈاگرے چونک پڑا۔ پھر اس کے ہاتھوں کی گرفت میری گردن سے ہٹ گئی۔ لیکن جس زور دار چیخ ہم لوگوں کے درمیان ہو چکی تھی، اس نے پہریداروں کو ہماری جانب متوجہ کر دیا۔

"کون ہے اندر کون ہے" باہر سے میوزیم کا دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔

"چلو ہیں۔ اور پھر ایک تیز الارم کی آواز سے پورا میوزیم گونج اُٹھا۔ غالباً پہرے داروں کو اس چیخ سے میرے اندر موجود ہونے کی اطلاع مل گئی تھی اور اب وہ دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔

دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا جانے لگا تھا۔ اڈیلیس اور دوسرے مجسمے ساکت ہو کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"ارے یہ کیا ہوا"

"یہ سب ڈاگرے کا کیا دھرا ہے"

"حالانکہ ابھی رات باقی ہے"

"لیکن ہمیں اپنی دنیا میں واپس جانا پڑے گا"

"پتھروں کی دنیا میں"

"ہاں"

"اوہ ڈاگرے مردود یہ سارا تیرا کیا دھرا ہے"

"اوہ کمبخت ڈاگرے یہ تو نے کیا کیا"

"آہ ملی رحمان بیگ ابھی تو تمہیں بہت سے کرداروں سے ہمکنار ہونا تھا لیکن یہ منحوس ڈاگرے" اڈیلیسی کے مجسمے نے دانت پیستے ہوئے کہا

"بڑا ہی کم بخت ہے یہ منحوس"

چاروں طرف سے آوازیں اُبھر رہی تھیں اور پھر مجسموں نے اپنی جگہیں بدلنی شروع کر دیں۔

وہ سب اپنی پوزیشن میں واپس جا رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ الارم تیز ہوتے جا رہے ہیں۔ میں بھی گھبرا گیا۔ کیا کرتا اب میں۔ اب تو چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ یہ لوگ مجھے اپنے دور میں لے جاتے۔ آہ۔ اب میں گرفتار ہو جاؤں گا، کیا کروں کیا کروں لیکن اس وقت کچھ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میوزیم کا دروازہ کھل رہا ہے اور پھر پہرے داروں کی پوری فوج اندر داخل ہو گئی۔

"کون ہے۔"؟

"کہاں ہے"

"ارے دیکھو"

بہت سی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور پھر میں نے ایک ہی فیصلہ کیا میں اِن مجسموں کے درمیان ساکت ہو کر کھڑا ہو گیا تھا جیسے میں خود بھی ایک مجسمہ ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پہریدار اور سپاہی پورے میوزیم میں پھیل گئے۔

وہ ایک ایک کونے میں پھیل گئے تھے۔ انہوں نے اِن خانوں کو دیکھا جن میں قیمتی اشیاء محفوظ تھیں۔ سب سے بڑا خطرہ ان ہی کے لئے تھا اور جب وہ اِن جگہوں سے مایوس ہو گئے تو مجسموں والے ہال کی طرف بڑھے۔

ان کی تعداد پندرہ سولہ کے قریب تھی، وہ ایک ایک کونے کو دیکھ رہے تھے اور مجھے خطرہ تھا کہ کہیں وہ میرے نزدیک ہی نہ پہنچ جائیں۔

اور ہوا بھی یہی وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئے، لیکن کسی نے میرے اوپر غور نہیں کیا۔ وہ اُس چور کو تلاش کر رہے تھے جو چھپا ہوا تھا انہوں نے نہایت ذہانت سے اپنا کام شروع کیا تھا۔ لیکن رات کی تاریکی میں وہ چوک گئے۔ اُنہوں نے مجھے بھی کوئی مجسمہ سمجھا تھا۔ اور یہ میرے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔ وہ مجھے تلاش نہ کر سکے، ویسے بھی رات کا وقت تھا اور ماحول پر سحر سا طاری تھا۔ وہ سب غالباً نیند سے اُٹھ کر آئے تھے اس لئے ان کی آنکھوں نے کام نہ کیا۔ کئی بار میرے قریب سے گزرے تھے لیکن کسی نے غور نہ کیا کہ پتھروں کے مجسموں کے درمیان ایک زندہ شخص بھی موجود ہے۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

مجسموں والے ہال سے گزر کر وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ لیکن اب میں نے اِن کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ میں اِن مجسموں کے درمیان نہیں رہنا چاہتا تھا اس لئے کوئی کارروائی کرنا ضروری تھا۔

پھر میرا مقصد حل ہی گیا۔ جیسے ہی وہ لوگ پلٹے میں کسی مجسمہ کی مانند ساکت ہو جاتا۔ پھر آخری آدمی ہال سے باہر نکل رہا تھا کہ میں نے اس پر کامیابی سے جست لگائی اور اسے دبوچ لیا۔ میں نے ایک ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا تھا کہ اس کی آواز نہ نکل سکے۔ پھر میں اسے پیچھے گھسیٹ لے آیا۔

نہایت پھرتی سے میں نے اسے بیہوش کیا اور پھر برہنہ کر کے اس کا چوکیداری والا لباس خود پہن لیا۔ بیہوش چوکیدار کو میں نے مجسموں کے درمیان ڈال دیا تھا۔ پھر یہاں رکنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے لوگ اب بھی چور کو تلاش کرتے پھر رہے تھے لیکن میں واپس پلٹا باہر اور بھی لوگ موجود تھے۔ لیکن چوکیدار کی وردی میں مجھے دیکھ کر کسی نے مجھ سے باز پرس نہیں کی۔

اور میں میوزیم سے باہر نکل آیا۔ پھر تو میں نے ایسی دوڑ لگائی کہ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"آہ یہ طلسمی رات۔ ہزاروں راتوں کی یہ رات۔ پروفیسر علی رحمان بیگ کیسے بھول سکتا ہے۔ وہ رات جس میں اس نے زندگی کے ماضی کے بیشمار سفر کئے تھے جس میں اس نے ماضی کے جزیروں کا سفر کیا تھا۔ ایسا بھیانک سفر جو بے شمار دلچسپیاں بھی رکھتا تھا۔ میری جگہ اگر کوئی تاریخ داں ہوتا تو پوری زندگی انھیں مجسموں کے درمیان بسر کر دیتا اور وہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرتا۔

لیکن میں بد ذوق چور۔ اسمگلر بھلا اِن چیزوں میں دلچسپی کیسے لے سکتا تھا۔ جان بچی تو لاکھوں پائے۔ اِس ایک رات کی کہانی میری زندگی میں بہت سے تغیرات لے آئی۔

نہ جانے کیوں میں نے سوچا اب مجھے یہ زندگی ترک کر دینی چاہئے۔ اور میں سیدھے راستے پر آ گیا۔ پھر میں نے شادی کر لی ایک گھر بنایا۔ دولت میرے پاس کم نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے مجھے سہارا دیا۔

اور آج۔ لوگ مجھے پروفیسر علی رحمان بیگ کے نام سے جانتے ہیں۔ میں نے خود کو کبھی تاریخ داں نہیں کہا۔ لیکن تاریخ کے جن اوراق کو میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا ان کے بارے میں دوسرے لوگ اس انداز سے کہاں جان سکتے ہیں۔ چنانچہ یہی سہی۔ آپ مجھے بہت بڑا تاریخ داں سمجھیں میرا کیا اثر پڑتا ہے۔ سمجھتے رہیں۔

آپ کا

پروفیسر علی رحمان بیگ